نعت
اور
جدید تنقیدی رجحانات

کاشف عرفان

Marfat.com

نعت
اور
جدید تنقیدی رجحانات

کاشف عرفان

نعت ریسرچ سینٹر

B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی
موبائل نمبر: 0332-2668266
sabeehrehmani@gmail.com
www.Naatresearchcenter.com
www.sabih-rehmani.com

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات
مصنف : کاشف عرفان
بار اوّل : ۲۰۱۶ء
تعداد : ۵۰۰
قیمت 400 روپے
ناشر : نعت ریسرچ سینٹر
B-306 بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی

Marfat.com

نعت کی تنقید کے دو اہم ترین نام

جناب ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی

اور

جناب ڈاکٹر عزیز احسن

کے نام

جن کی تحریروں کے ذریعے میں
نعت اور تنقید کو سمجھنے کے قابل ہوا

Marfat.com

تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں جن کے علمی کام نے ہر ہر مرحلے پر میری رہنمائی کی۔

میرا ہدیہ تشکر "نعت رنگ" کے مدیر اور نعت ریسرچ سنٹر کے بانی، معروف نعت گو شاعر ، عالمی شہرت یافتہ نعت خوان، نقاد اور محقق جناب سید صبیح رحمانی کے لیے بھی ہے کہ جن کی شفقت ہر ہر لمحے میرے لیے رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی رہی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اِس کتاب کی اشاعت انہی کی بے پایاں محبتوں کا نتیجہ ہے جو وہ نعت اور شعراء و نقادان نعت سے کرتے ہیں۔ میرا ہدیہ تشکر جناب ناصر عباس نیرّ اور محترم مبین مرزا کے لیے بھی ہے۔ جنہوں نے میری کتاب پر اپنی قیمتی آراء کا اظہار کیا اور میرے اظہارِ خیال کو وقیع کر دیا۔

میں اپنے تمام اعزاء و احباب کو بھی شکریہ کہنا چاہوں گا جن کی دعائیں ہمیشہ میرے لیے سائبان کا کام کرتی ہیں۔ بالخصوص اپنے بھانجے محمد عادل نجیب کا جنہوں نے اپنی بہت مصروف زندگی میں سے اِس کتاب کی کمپوزنگ کے لیے وقت نکالا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اِس نوجوان کا ساتھ مجھے ایسے ہی میسر رہا تو میں اپنی تخلیقات آپ تک زیادہ بہتر طریقے سے پیش کرنے کا اہل ہو سکوں گا۔

آخر میں اپنے اہل خانہ کے لیے بھی محبتوں کے یہ لفظ پیش کرنا چاہوں گا کہ جن کے حصے کی زندگی سے میں کچھ لمحے بچا کر اپنی ادبی زندگی کو سانسیں فراہم کرتا ہوں اور یہ میرے لیے آسانیاں بہم پہنچاتے ہیں اور میری مصروفیات سے گریزاں نہیں ہوتے۔ کبھی یہ شعر کہا تھا لیکن اس کی معنوی تہیں اب مجھ پر کھلتی ہیں

میں کیا کہوں کہ یہ برکت کہاں سے آئی ہے
کسی نے ہاتھ اٹھائے تھے بس دعا کے لیے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی طرح محبتیں اور آسانیاں تقسیم کرتا رکھے (آمین)

نیازمند
کاشف عرفان
اسلام آباد

۷/اپریل ۲۰۱۶ء

Marfat.com

''نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات'' - ایک مطالعہ

کاشف عرفان کی زیرِ نظر کتاب اس عمومی احساس کے تحت لکھی گئی ہے کہ اردو نعت کی تنقید، اس کے تخلیقی ارتقا کا ساتھ دینے سے قاصر رہی ہے۔ اردو نعت میں ہیئت، اسلوب، تیکنیک کی سطحوں پر جو ارتقائی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، انھیں سمجھنے، ان کی فنی حیثیتوں کا مطالعہ کرنے، اور نئے تنقیدی نظریات کی روشنی میں ان کی تعبیر کرنے کی کوششیں خال خال ہوئی ہیں۔ واضح رہے کہ اردو نعت کے تنقیدی مطالعات کی کوئی کمی نہیں، مگر یہ مطالعات چند بندھے ٹکے، پامال تنقیدی اصولوں کی روشنی میں کیے گئے ہیں۔ چناں چہ یہ مطالعات اردو نعت کی شعریات کی گہرائی اور وسعت سے متعلق ہمارے علم میں کوئی اضافہ نہیں کرتے۔ دوسری طرف نعت کا تنقیدی مطالعہ، دیگر شعری اصناف کے مطالعے سے خاصا مختلف، اور کہیں زیادہ ذمہ داری کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ ذمہ داری صرف ان تلمیحات کے مستند علم، اور ان کے سلسلے میں تقدیس واحترام سے عبارت نہیں، جن کا تعلق سیرت رسول ﷺ سے ہے، بلکہ اس کا تعلق اس امر کے انکشاف سے بھی ہے کہ کس طرح مذہبی و مدحیہ و تحسینی تجربہ، ایک شعری تجربے میں منقلب ہوتا ہے، اور کس طرح یہ شعری تجربہ وقت کے ساتھ نئے نئے اسالیب میں ظاہر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے نقاد کا یہ انکشاف اپنی نوعیت کے اعتبار سے علمی ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے، جب نقاد ان علوم اور بصیرتوں سے اچھی طرح آگاہ ہو، جن کا تعلق انسان کی ذہنی و نفسی دنیا کی تفہیم سے ہے۔ کاشف عرفان نے مذکورہ ذمہ داری کو محسوس کیا ہے، اور اس لیے اردو نعت کا مطالعہ جدید تنقیدی رجحانات کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی ہے۔

کاشف عرفان نے پہلے اردو نعت کی روایت کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا ہے، اور اس کے بعد

Marfat.com

جدیدیت، مابعد جدیدیت، وقت کی ماورائی جہات، ساختیات، اور نفسیات کی روشنی میں اردو نعت کو سمجھنے، سمجھانے کی سعی کی ہے۔ بلاشبہ یہ عالی ہمتی اور الوالعزمی (Ambitious) سے عبارت علمی مہم ہے۔ نفسیات و ساختیات، جدیدیت و مابعد جدیدیت اور وقت کے ماورائی تصورات ،معاصر علمی دنیا کے اہم ترین مباحث ہیں، مگر کافی بسیط، پیچیدہ اور ایک قسم کی بین العلومیت کے حامل ہیں۔ ان سب نظریات کو بہ یک وقت نعت کے مطالعے کا تناظر بنانا عالی ہمتی ہی ہے۔ بہ ہر کیف مصنف کا بنیادی مؤقف بہ طور خاص توجہ طلب ہے۔ عموماً ان نظریات کو سامراج کی سازش، یا ہمارے ادب سے غیر متعلق نظریات سمجھ کر مسترد کر دیا جاتا ہے؛ ہماری مذہبی اشرافیہ تو خاص طور پر انھیں 'کافرانہ' قرار دے کر، انھیں مسترد کرنے میں مصروف رہتی ہے، مگر کاشف عرفان نے نعت کی شعریات کے بنیادی مذہبی مدحیہ اصول کو مسلسل تسلیم کرتے ہوئے، مذکورہ نظریات کو تفہیم کے لیے بروے کار لانے میں حرج نہیں سمجھا۔ مثلاً وہ نفسیات کے نظریہء لاشعور کو اس لیے کار آمد تصور کرتے ہیں کہ اس سے ہمیں انسان کے ان اوّلین تجربات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، جن پر اس کی ملی و مذہبی شناخت استوار ہوتی ہے۔ تاہم وہ نفسیات کی اس معذوری کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ وہ قبل پیدائش کے تجربات سے آگاہ نہیں۔ ویسے اب کچھ ماہرین نفسیات نے قبل پیدائش کے شعور تک رسائی کے تجربات بھی کیے ہیں۔ اسی طرح وہ جدیدیت کے اس پہلو کو اہمیت دیتے ہیں کہ اس نے شناخت کے سوال کو اہمیت دی۔ وہ مسلمانوں کی ملی شناخت کو جدیدیت سے وابستہ تصور کرتے ہیں۔ نیز وہ نعت میں اسلوب و ہیئت کے ان تجربات کی توضیح بھی جدیدیت کی روشنی میں کرتے ہیں، جو 'روایت' سے مختلف ہیں۔ واضح رہے کہ وہ روایت کا ماورائی تصور کرتے ہیں، مگر اسے متحرک بھی سمجھتے ہیں، اور اس کی ایک سے زیادہ سطحیں دیکھتے ہیں۔ غزل کی ہیئت میں مخصوص اسلوب میں نعت لکھنا، روایت ہے، لیکن جن شعرا نے آزاد نظم کی ہیئت میں، نئے اسلوب میں نعتیں لکھی ہیں، وہ نعت کی مذکورہ روایت سے انحراف ہے، اور ایسا انحراف جو نعت کو بہ طور ایک صنف شعر کے ارتقا کے راستے پر گامزن کرتا ہے۔ وہ اس حقیقت کا احساس کرتے ہیں کہ اگر نعت ،بہ ہر حال ایک انسانی تخلیقی تجربہ ہے، اور اسے اگر باقی رہنا ہے، اور آگے بڑھنا ہے تو اسے انسان کے بدلتے ہوئے حالات و احساسات کا ساتھ دینا چاہیے۔

Marfat.com

وقت کی ماورائیت کے تناظر میں ان کا مطالعہ نعت اچھا مطالعہ ہے۔ انھوں نے وقت سے متعلق نئے سائنسی نظریات کو پیش کرتے ہوئے، واقعۂ معراج سے متعلق لکھے گئے نعتیہ اشعار کا خصوصاً فکر انگیز مطالعہ کیا ہے۔ البتہ ساختیات و مابعد جدیدیت سے متعلق ان کے مطالعات مختصر اور قدرے سرسری ہیں۔ ساختیات، تخلیقی تجربے کو ثقافتی تشکیل قرار دیتی ہے، لہٰذا اس کی روشنی میں نعت کا مطالعہ کافی فکر انگیز ہوسکتا ہے۔ کاشف عرفان نے چند اشارے ضرور کیے ہیں، مثلاً جہاں انھوں نے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی اردو نعت لکھتے ہیں؟ ساختیات کی رو سے کوئی شخص چاہے بھی تو زبان کے نظام سے باہر نہیں جاسکتا؛ وہ زبان ہی نہیں سیکھتا، اس زبان کے ذریعے وہ علامتی نظام بھی جذب کرتا ہے، جس میں ثقافتی رسمیات واقدار سے لے کر تصور کائنات تک 'کوڈ' صورت میں موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا ہندو شعرا نے اگر نعت لکھی ہے تو اردو زبان کی ثقافتی رسمیات کے تحت لکھی ہے، جن کا تعلق خصوصاً مذہبی اقدار سے ہے۔ اسی طرح مابعد جدیدیت میں مطالعے کے کئی طریقے متعارف کروائے گئے ہیں۔ ان میں دریدا کی ردِ تشکیل کے علاوہ تانیثیت اور مابعد نوآبادیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اردو نعت کے مطالعے میں ان سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ مثلاً نعت میں کس طرح معنی ملتوی ہوتا ہے؟ نعت تاریخ وسیرت رسول ﷺ کے حقائق کو ان کی اصلی شکل میں قائم رکھتے ہوئے، شاعری کے مرتبے کو پہنچتی ہے۔ لہٰذا اس میں معنی کا التوا، دراصل معنی کی تنسیخ نہیں، معنی کی فراوانی ہے؛ ایک بنیادی معنی کی کئی کرنیں ہوسکتی ہیں، یا ایک معنی کے کئی ذیلی معانی ہوسکتے ہیں، اور ان معانی کی وجہ سے نعتیہ شعری تجربہ اسی طرح علامتی ہوسکتا ہے، جس طرح دیگر شعری تجربات۔ ویسے کوئی شعری تجربہ محض تخیل وفنتاسی نہیں ہوتا؛ ہر شعری تجربے کی جڑ 'حقیقت' کے کسی نہ کسی ایسے تصور میں ہوتی ہے ، جسے ہم سمجھ سکتے ہیں؛ تخیل وفنتاسی حقیقت کے تصور کی توسیع کرتے ہیں۔ اسی طرح مابعد نوآبادیاتی مطالعے کی مدد سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کس طرح نوآبادیاتی عہد کی ثقافتی ومذہبی استحصال کا جوابی بیانیہ نعت کی صورت میں سامنے آیا۔ خاص طور پر حالی وظفر واقبال کی نعتیہ شاعری اس ضمن میں اہمیت کی حامل ہے۔ تانیثیت کی مدد سے یہ سمجھنے کی کوشش کی جاسکتی ہے کہ خواتین نعت گو شعرا کی زبان ومافیہ کے کیا خصوصی نسائی امتیازات ہیں؟ ایک خاتون کے مذہبی مدحیہ جذبے میں

Marfat.com

کیوں کر گہرائی ہوتی ہے؟ آخر تصوف کی شاعری میں متکلم عورت کیوں تھی؟ مذہبی مدحیہ جذبے کی سپردگی کیوں نسائی تکلم اختیار کرتی ہے؟ اس طرح کے سوالات کی مدد سے نعت کی تنقید میں نئے مباحث سامنے آسکتے ہیں، اور اسے دیگر شعری اصناف کی مانند ہی ایک وسیع تنقیدی تناظر میسر آسکتا ہے! ان معروضات کا مقصد، کاشف عرفان کی اس تصنیف کی اہمیت جتانا ہے۔ بعض باتوں کو اس میں تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، مگر بعض کی تحریک دلائی گئی ہے۔ امید ہے اہل نظر اسے توجہ سے پڑھیں گے، اور مصنف کی محنت اور نقطۂ نظر کی وسعت کی داد دیں گے۔

ناصر عباس نیّر

شعبۂ اُردو، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور

۱۰/اپریل ۲۰۱۶ء

Marfat.com

تنقیدِ نعت ـــــــ نئے مکالمے کا آغاز

نعت کے تخلیقی نقوش تو اُردو شاعری کے آغاز ہی سے واضح ہونا شروع ہو گئے تھے، مگر نعت پر تنقیدی زاویوں سے گفتگو کا سلسلہ ذرا کچھ وقت بعد آغاز ہوا۔ ظاہر ہے تنقید کا عمل تخلیق کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔ تاہم نعت کے تنقیدی مطالعات خاصے عرصے تک ہماری تنقید کے مرکزی دھارے کا اُس طرح حصہ نہ بن سکے، جیسے کہ ادب وفن کے دوسرے شعبوں میں بن گئے تھے اور ان کی وقعت و معنویت کو تسلیم بھی کر لیا گیا تھا۔ اس کے یقیناً متعدد اسباب رہے، جن سے اب ہم سبھی بخوبی آگاہ ہیں۔ دیکھا جائے تو نعت کے سنجیدہ اور باضابطہ فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مطالعات کا عمل باضابطہ طور پر اور ایک تسلسل کے ساتھ ہمارے عہد میں آ کر شروع ہوا۔ تنقید کی اس طویل عدم توجہی نے نعت کی تفہیم اور اُس کی ترویج کے حوالے سے کئی مسائل کو جنم دیا۔ مثال کے طور پر نعت کے اکثر شعرا نعت کی فکری اور جمالیاتی قدروں سے غافل ہو گئے جس نے عام طور پر نعتیہ شاعری کو متن اور اسلوب کے مطلوبہ معیارات سے دور کر دیا۔

تخلیقی اعتبار سے کمزور نعت نگاروں کے ان غیر محتاط رویوں کے باعث ادب کے سنجیدہ لوگوں نے نعت کو غیر ادبی شاعری کے کھاتے میں ڈال دیا۔ اس کے ساتھ دوسری خرابی یہ ہوئی کہ اہلِ نقد و نظر نے بھی اس تأثر کو زائل کرنے کی کوشش نہ کی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابھی کچھ عرصے پہلے تک ہمارے ہاں یہ مسئلہ اس طرح توجہ کا مستحق ہی نہ سمجھا گیا جیسا کہ اسے بجا طور پر سمجھا جانا چاہیے تھا۔ اس کی وجوہ تو کئی ایک تھیں، لیکن ان میں ایک اہم وجہ یہ بھی رہی کہ ہمارے ادبی منظرنامے پر ایسے ناقدین کی تعداد زیادہ رہی ہے جو مذہب مخالف رویے سے کچھ اس قدر متاثر تھے کہ نعت کے صنفِ سخن ہونے کے سوال ہی پر چراغ پا ہو جایا کرتے تھے۔ ان میں معتد بہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو نعتیہ شاعری کو ادبی سطح پر متعارف کروانے کی کوششوں کو بھی اُردو کا سیکولر امیج تباہ

Marfat.com

کرنے کے مترادف سمجھتے تھے۔ انھوں نے کبھی تو نعت کو محض شعرِ عقیدت کہہ کر ادب کے مرکزی دھارے سے دور رکھنے کی کوشش کی، کبھی اس کی ایک مخصوص فارم [ہیئت] کے طے نہ ہونے پر معترض رہے اور کہیں ان کے خیال کی سوئی اس بات پر اٹکی رہی کہ نعت تو صرف لوگوں کی ذاتی اور جذباتی عقیدت کے اظہار کا ذریعہ بننے والی شاعری ہے، لہٰذا اسے تنقیدی کسوٹی پر پرکھنا مناسب نہیں۔ اس خیال کے حق میں اُن کے پاس دلیل یہ تھی کہ مطالعۂ نعت کے تنقیدی معیارات کا تعین ان بنیادوں پر نہیں کیا جاسکتا جن پر ادب کے دوسرے شعبوں کا کیا جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ اعتراض ذرا مختلف انداز سے ہی سہی مگر ہمارے اس طبقے کی طرف سے بھی سامنے آتا رہا جو مذہب کے لیے یوں تو ایک نرم گوشہ رکھتا ہے اور خود نعتیہ شاعری کا دل دادہ اور اس کے فروغ کا خواہاں بھی ہے، لیکن وہ نعت کی ادبی حیثیت اور اس کی فکری و جمالیاتی جہت سے کوئی دل چسپی نہیں رکھتا، لہٰذا اس کی فنی جانچ پرکھ کو توجہ طلب نہیں گردانتا۔

اس صورتِ حال میں نعتیہ ادب پر تنقیدی رائے کے اظہار کے لگ بھگ سارے ہی راستے مسدود ہو کر رہ گئے۔ تاہم سورج نکلتا ہے تو روشنی خود اپنے ہونے کا احساس دلا دیتی ہے۔ اس فضا کو بدلنا تھا اور یہ بدلی بھی۔ وقت نے ایک کروٹ لی اور ہمارے معاشرے میں مذہبی ادب ایک تہذیبی تحریک کے طور پر اُبھرنا شروع ہوا اور بدلتی ہوئی ذہنی اور سماجی صورتِ حال نے جس ابتدائی مگر اہم ترین اقدام کا تقاضا کیا، اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ادب میں مذہب بیزاری کی جو گرد ایک طویل مدت سے ہمارے سماجی آئینۂ فکر کو دھندلائے ہوئے ہے، اُس کو صاف کر دیا جائے اور آئندہ کے لیے اس رویے کا تدارک کیا جائے۔ چناں چہ کچھ دین دار اہلِ دانش و ادب نے گہرے تہذیبی و مذہبی شعور کے ساتھ ادب و تنقید کے میدان میں اظہار و ابلاغ کی سرگرمی پر توجہ دی۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اُردو ادب کا مطالعہ اسلام کی حرکی توانائی سے مہمیز پانے والی تخلیقی سرگرمیوں، جمالیاتی اقدار اور معاشرتی معیارات کی روشنی میں کیا۔ اس عمل کے نتیجے میں مذہب سے براہِ راست وابستہ اصناف کو بھی تخلیقی سطح پر فائدہ پہنچا، بالخصوص نعتیہ شاعری کو، جسے جدید ہیئتی تجربوں، فکر و فن کے متوازن امتزاج اور عصری تبدیلیوں کے شعور کے ساتھ تازہ تر اسالیب میں پیش کیا جانے لگا۔ اس طرح ہمارے عہد کے نئے اسالیبِ اظہار میں اسلامی فکر کی نمود بھی ممکن ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے ادبی محاسن بھی نمایاں ہوئے۔ چناں چہ اس دور میں نعت گوئی نے اُردو ادب کے اُفق پر ایک الگ ہی رنگ کی جاذبیت اور معنویت کے ساتھ ظہور کیا۔

Marfat.com

قدرے حیرت کا مقام ہے کہ اسلامی ادب کی اس نئی فضا میں بھی ماسبق ادوار کی طرح نعت کے ادبی وفکری پہلوؤں کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے کا کام نظرانداز ہوتا رہا۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو، لیکن یہ کام بہر حال اس طرح مرکزِ نگاہ نہ بن سکا جیسا کہ اب اسے بن جانا چاہیے تھا۔ یہی سبب ہے کہ کہیں اس باب میں کوئی بات ہوئی بھی تو وہ مختلف نعتیہ مجموعوں کے دیباچوں وغیرہ میں ہوئی اور محض چند تنقیدی اشاروں تک ہی محدود رہی۔ مذہبی حلقوں کی طرف سے نعتیہ شاعری کے چند شرعی تنقیدی جائزے پیش کیے گئے، لیکن ان میں لکھنے والوں کی توجہ مسلکی مسائل پر زیادہ مرکوز رہی۔ اس لیے ان کی اثر آفرینی کا دائرہ زیادہ وسیع نہ ہو سکا۔ نعت پر لکھے جانے والے بعض تحقیقی مقالوں میں بھی کچھ نئے پہلوؤں کو چھیڑا گیا، مثلاً ہندو تہذیب کے اثرات اور معاشرتی نقوش کی ہماری شاعری میں موجودگی کا معاملہ تنقیدی زاویوں سے سامنے لایا گیا اور اس سے گریز کی طرف توجہ دلائی گئی، لیکن خالص ادبی تنقید یہاں بھی زیادہ راہ نہ پا سکی۔ غالباً جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ باقاعدہ تنقید ان مقالات کے بنیادی خاکے کی ضابطہ بندی میں مطالعاتی ضرورت کے طور پر شامل ہی نہیں تھی۔

بعدازاں حالات کی تبدیلی کا عمل شروع ہوا تو نہ صرف یہ کہ سنجیدہ ادبی حیثیت رکھنے والے شعرا نے نعت گوئی کی جانب بھرپور توجہ دی، بلکہ ہماری تنقید نے بھی نعت کا مطالعہ اس کی ادبی، فکری اور جمالیاتی جہات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شروع کیا۔ جب ایک بار اس کام کا آغاز ہوا تو پھر اس کے معیارات کے حوالے سے بھی سوال اٹھائے جانے لگے۔ مذہبی رُخ پر بھی مباحث قائم ہوئے۔ یوں کسی قدر تاخیر سے ہی سہی، لیکن اب وہ ڈِس کورس تشکیل پایا جو نعتیہ ادب کی تفہیم اور فروغ میں مؤثر کردار ادا کر سکے۔ آج بفضلہٖ تعالیٰ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ مطالعۂ نعت کا کام اُس نہج پر اور اُن معیارات کے ساتھ سامنے آ رہا ہے، جو دیگر اصنافِ ادب میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس طرح کا کام مقدار میں کم ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی کام کی بہت گنجائش، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ضرورت ہے۔ تاہم یہ امر اپنی جگہ طمانیت بخش ہے کہ آج اس شعبے میں بھی اس سطح کا کام ہو رہا ہے، جس طرح کا ہونا چاہیے۔ یہی نہیں، بلکہ ممتاز ناقدین سے لے کر نئے نقادوں تک اب یہ سلسلہ ہمیں آگے بڑھتا ہوا نظر آ رہا ہے، جو یقیناً خوش آئند بات ہے۔

کاشف عرفان جیسے جواں سال تنقید نگار کا ''نعت رنگ'' کی تحریک سے وابستہ ہونا اور اپنے تنقیدی افکار میں ایک تسلسل کے ساتھ جدید ادبی رُجحانات کو مذہبی روایت کے ساتھ پیش کرنا

Marfat.com

اپنے اندر وسیع امکانات رکھتا ہے۔ کاشف عرفان کی شہرت کا بنیادی حوالہ تو ان کی شاعری اور افسانہ نگاری ہے، لیکن وہ بطور ناقد و محقق بھی اپنے اعتماد اور اعتبار کی سرحدوں کو وسیع کرتے جا رہے ہیں۔ معروف افسانہ نگار مرزا حامد بیگ پر ان کا تنقیدی و تحقیقی مقالہ زیرِ اشاعت ہے۔ جبکہ ''اُردو افسانے کے اسالیبِ بیاں'' پر پی ایچ ڈی کی سطح کا ایک تنقیدی و تحقیقی مقالہ تکمیلی مراحل میں ہے۔ ان کا علمی سفر اس بات کا واضح اشارہ دیتا ہے کہ وہ ادبی تنقید و تحقیق کا اچھا ذوق اور شعور رکھتے ہیں۔ ہر چند کہ نعتیہ ادب کی بساطِ تنقید پر ان کا شمار واردانِ تازہ کے زمرے میں ہوتا ہے مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ ''نعت اور جدید تنقیدی رجحانات'' میں موضوعات کا تنوع، ذہنی تازگی، معانی کی جستجو اور ابلاغ و تفہیم کی خواہش اُن کے اسلوبِ اظہار اور تنقیدی منہاج دونوں سطحوں پر اطلاقی جہت کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے۔ علاوہ ازیں خوبی کی بات یہ بھی ہے کہ وہ ادبی مسائل پر سنجیدگی سے سوچتے ہیں۔ انھوں نے ادب اور اس سے متعلق بعض دوسرے علوم کا مطالعہ بھی قدرے توجہ اور محنت سے کیا ہے۔ اس سے ان کی تنقید میں گہرائی پیدا ہوئی ہے جو پڑھنے والوں کو مزید سوچنے اور خود اپنے نتائج بھی اخذ کرنے میں مدد دیتی ہے۔

عالمی سطح پر دیکھا جائے تو یہ احساس واضح طور سے پایا جاتا ہے کہ آج کی علمیاتی دُنیا بھی تہذیب و سماج کے دوسرے مظاہر کی طرح ایک پیچیدہ صورتِ حال سے دوچار ہے۔ اس کا سبب صرف یہ نہیں کہ علم و فکر کے جہانِ معنی میں بہت سے نئے مسائل اور نظریات در آئے ہیں، بلکہ اس وقت بھی عالمی منظرنامہ بعض ایسے ادق سوالات اور گمبھیر مسائل کو سامنے لا رہا ہے، جن کا اس سے پہلے کی دنیا میں جواب تو کیا، خیال تک نہ کیا گیا تھا۔ یہ مسائل تہذیب و تمدن، سماجی و سیاسی اخلاقیات اور انسانی رویوں سے بہ یک وقت تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی نوعیت خاصی پیچیدہ ہے۔ اس پیچیدگی کا اثر فکر و دانش اور علم و ادب کے شعبوں پر بھی واضح انداز سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اہلِ ادب کا یہ پہلا اور اہم تر فریضہ ہے کہ وہ اپنے تہذیبی تناظر میں اپنی خاص فکری، اخلاقی اور جمالیاتی اقدار پر اصرار کرتے ہوئے ایک ایسا ڈِس کورس تشکیل دیں جس میں روحِ عصر کو سمجھا اور بیان کیا جا سکے۔ ہمارے ہاں یہ کام اُسی وقت ممکن ہے جب اہلِ ادب و نقد اپنی تہذیب اور اس کی روایت کے شعور سے بہرہ مند ہو کر اس فریضے کی بجا آوری پر کمربستہ ہوں۔ اب رہا سوال ہماری تہذیبی روایت کا تو ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد مذہب (دینِ اسلام) پر ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے جو اپنے ساتھ امن اور سلامتی لایا ہے۔ مذہبی ادبیات عموماً اور مذہبی

Marfat.com

شاعری خصوصی طور پر محبت اور امن کا پرچار کرتی ہے۔اس کے ذریعے فرد کی بہ یک وقت روحانی اور سماجی ضرورتوں اور مذہبی فرائض کے درمیان اس ذہنی خلا کو پُر کیا جا سکتا ہے جو مذہب اور سماج کے درمیان ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث اُس تہذیبی بحران کا ذریعہ بن جاتا ہے جو آگے چل کر بالآخر تہذیب کے انہدام کی بنیاد بنتا ہے۔

''نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات'' جیسے تنقیدی مجموعے، مثبت انداز میں ایک بنیادی ضرورت کے مظہر تو ہیں ہی، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ دراصل اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش سے بھی عبارت ہیں۔ یہ پیچیدہ انسانی صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے آج کے فرد کے باطنی اور روحانی تقاضوں کے شعور کے ساتھ ادب وفن کی معنویت کے تعین کی جستجو کا عمل ہے۔آج ہم سب کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ دُنیا اور اس میں آباد سماجی گروہ بہ یک وقت مختلف نظریات کے زیرِ اثر بے معنویت کے گہرے احساس سے آلودہ ہیں۔کاشف عرفان نے جو کام کیا ہے، اس کو اِس زاویے سے بھی دیکھا جانا چاہیے کہ فکری مسائل اور بحران کے اس دور میں روایت اور جدیدیت دونوں کے بنیادی تصورات کو سمجھتے ہوئے نعت اور اس کے فکری وفنی معیارات کو موضوع بنانا اور اُن کی طرف جدید رُجحانات کے فکری طرزِ عمل کا تعین کرنا، یقیناً ایک قابلِ قدر کام ہے۔ ایک ایسا کام جس میں بیک وقت نعت کے تاریخی تناظر کو گرفت میں لینے اور نعت کے مستقبل کو جاننے کی کوشش کی گئی ہے اور ایسا کرتے وقت مصنف علوم کی اس پیچیدہ اور مرکب فضا سے بھی نبرد آزما رہا ہے جو اسے بین العلومیت کی طرف لے جاتی ہے۔اس فضا کے مسائل کو سمجھے بغیر اور اُن کے لیے بین العلومی طرزِ فکر اختیار کیے بغیر اس کاوش وجستجو کو نہ تو بامعنی بنایا جا سکتا تھا اور نہ اپنے عہد سے مربوط کیا جا سکتا تھا۔

جدیدیت کے سائنسی رویے کو مذہبی ادب اور مدحیہ شاعری میں بروئے کار لانے کی یہ سعی بین الاقوامی ادب کے تناظر میں نعتیہ شاعری کا جواز پیش کرنے کے ساتھ مذاہب کے تخلیقی ادب پر اثرات کا تجزیہ بھی کرتی ہے۔وقت کی مختلف جہات کو مذہب اور سائنس کے دوراہے پر کھڑے ہو کر سمجھنے اور نتائج اخذ کرنے کا عمل اس مجموعۂ تنقید کا اختصاص ہے۔وقت کے اسرار کو سمجھنے کی ہمیشہ سے انسان کو خواہش رہی ہے۔سائنسی اور منطقی تجربات کی بنیاد پر معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعری کے تناظر میں دیکھنے کا عمل بھی مصنف کے زاویۂ اظہار کے لیے معیار اور فلسفیانہ گہرائی کا جواز بنا ہے۔کاشف عرفان نے تنقید وتفہیم کے لیے جو راستہ اختیار کیا ہے، وہ آسان نہیں، بلکہ

Marfat.com

خاصا مشکل ہے۔ تاہم یہ بات اطمینان کا باعث ہے کہ مزاجاً وہ عامی اور اوسط درجے کا آدمی نہیں ہے۔ قدرت نے اُسے بہتر صلاحیتوں سے نوازا ہے اور وہ نئے راستوں کا مسافر ہے۔ کچھ نیا کرنے کی دُھن اُس کے لیے آئندہ زیادہ بڑی اور زیادہ بامعنی منزلوں تک رسائی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ ان شاءاللہ۔

''نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات'' نعتیہ ادب کی تنقید میں ایک نئے علمی مکالمے کو روشن کرنے کی عمدہ کوشش ہے۔ تنقیدِ نعت کے مروّجہ عمومی مزاج سے مختلف یہ کتاب اپنے تجزیے، تفہیم اور بیانیے میں خاصی نئی اور بعض مباحث میں کسی حد تک پیچیدہ ہونے کے باوجود نعتیہ ادب و تنقید کے نئے در وا ہونے کی نوید لے کر آئی ہے۔

صبیح رحمانی

Marfat.com

اُردو نعت اور روایت کا ارتقاء

اُردو نعت نگاری کو روایت کے تناظر میں دیکھنے سے قبل جس اہم سوال کا جواب جاننا ضروری ہے، وہ خود روایت کے عناصرِ ترکیبی سے متعلق ہے؟ سوال ہے روایت کیا ہے؟ سوال سادہ لیکن جواب پیچیدہ ہے، اس کی بڑی اور بنیادی وجہ خود روایت کے عمل کا پیچیدہ اور مرکب ہونا ہے، روایت ہمہ سمتی (MultiDimensional) عمل ہے جس کا تعلق ادب، تہذیب، تاریخ اور ثقافت سے یکساں ہے۔ روایت کا تعلق ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں سے ہے۔ بلکہ ایک چوتھی سمت (Fourth Dimension) بھی اس پر اثر انداز ہوتی ہے، اور وہ سمت ہے ماورائی یا مابعد الطبیعاتی سمت، ماورائی یا مابعد الطبیعاتی حقائق خود روایت کو زمان و مکان (Time & space) ایک نئی جہت عطا کرتے ہیں۔ جہاں وقت کی ماہیت کو سمجھ کر ادب کے آفاقی پیمانوں پر بات ہو سکتی ہے لیکن یہ موضوع کسی دوسرے مضمون کا متقاضی ہے۔

روایت کے ارتقاء کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کو ماننا پڑے گا کہ ادب میں روایت موجود کو ماوراء سے جوڑنے کا عمل ہے روایت ہمارے ادبی و تاریخی تناظر کو موجود کی جانب راہ فراہم کرتی ہے۔ ایلیٹ اس سلسلے میں ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہتے ہیں

”جب تک روایت کا تعلق آثار قدیمہ سے قائم نہ کیا جائے زبان میں
اس کا استعمال تحسین کے انداز میں نہیں ہو سکتا“ (۱)

ادبی روایت کا تعلق زبان سے ہے اور یہ ایسا ثقافتی ورثہ ہوتی ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا ہے۔ یہ ماضی حال اور مستقبل کے درمیان ایسا پل بناتی ہے، جو زمانوں کو ان کی مشترک اور مختلف ہر دو خصوصیات کے باعث ایک دوسرے سے جوڑتی ہے۔

Marfat.com

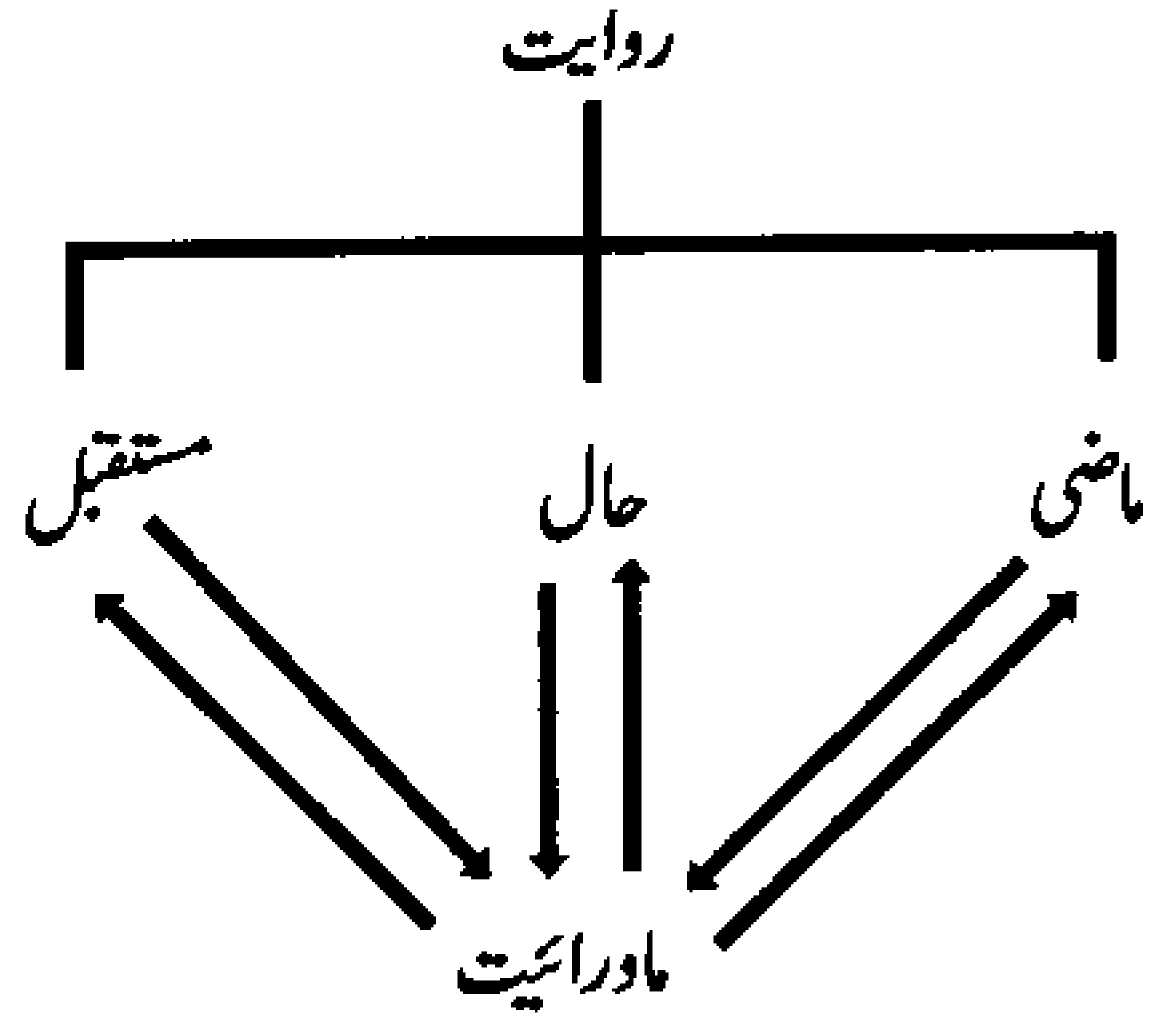

اوپر دیا گیا گرافیکل نوٹ اس بات کی نشان دہی کر رہا ہے کہ روایت موجود سے ناموجود کی جانب سفر ہے اور یہ سفر یک سمتی نہیں ہوتا۔ روایت کا تعلق تاریخ سے گہرا ہے یہی وجہ ہے کہ ایلیٹ کو اس کا تعلق آثار قدیمہ سے قائم کرنا پڑا۔ یہ بات قطعی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ ہر قوم اور نسل کا اپنا تخلیقی پیرایۂ بیان ہوتا ہے، اس خصوصیت پر اس عہد کی لسانیات کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ لسانی ارتقاء ہر عہد کا خاصہ ہے زبان کوئی سی بھی ہو اس میں ارتقائی عمل ہمیشہ جاری و ساری رہتا ہے جو نہ صرف زبان و بیان کے عمل کو ندرت دیتا ہے بلکہ خود روایت کا عمل بھی اسی کے ساتھ ساتھ ارتقائی منازل طے کرتا ہے۔

روایت کا براہ راست تعلق تہذیب سے ہے اور تہذیب کو اچھا ادب، اچھی تعلیم اور ثقافتی اقدار سنوارتی ہیں۔

ڈاکٹر مشتاق الرحمان نے اس بات کو کتنی خوبی سے بیان کیا ہے

''اچھے ادب اور اچھی تعلیم دونوں کا سر چشمہ براہ راست دائمی اقدارِ حیات ہیں اور پھر مقاصدِ تعلیم کی تشکیل میں بھی ان ہی اقدار کا اہم کردار ہوتا ہے......اچھے ادیب کی تعلیم غیر محسوس انداز میں ہوتی ہے۔''(۲)

روایت کا تعلق کسی عہد کے لسانی ارتقاء سے بہت گہرا ہے لیکن ذرا ٹھہریے! روایت کے وسیع عمل کو ہم صرف لسانی ارتقاء سے جوڑ کر غلطی تو نہیں کر رہے؟۔۔۔۔۔شاید ایسا ہی ہے۔ روایت کا تعلق صرف عہد کے لسانی ارتقاء سے نہیں بلکہ کچھ اور تقاضے بھی ہیں جنہیں سمجھ کر ہم روایت کے ارتقائی عمل کا مطالعہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

Marfat.com

مرزا حامد بیگ نے ایک جگہ انسانی شخصیت کو حصار میں لینے والے مختلف مظاہر وعوامل کی ایک فہرست مرتب کی ہے۔ ذرا آپ بھی اس پر نظر ڈالیے

> ''برقی قوت، آوازیں، روشنی کی شعاعیں، بو، ہمارے اندر کی کیمیائی اور برقی روئیں، مقناطیسیت، خیالات ، اندرونی عضلاتی تحسسات اور بہت کچھ مستقل طور پر کس ڈھب سے ہمیں اپنے حصار میں لیے رہتے ہیں'' (۳)

اگر انسانی شخصیت پر کسی خاص لمحے میں اتنے عوامل و مظاہر اثر انداز ہوتے ہیں تو خود روایت جو ماضی سے مستقبل اور موجود سے ماوراء تک ادب کے ارتقائی عمل کو شعوری سطح پر ظاہر کرتی ہے، پر اثر انداز ہونے والے عوامل و مظاہر کی تعداد اور شدت یقیناً اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔ ان مظاہر وعوامل کو ارتقاء کے بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے تاریخی شعور کو کام میں لا کر سمجھنا ضروری ہے۔ چلیے! بات کو کچھ آسان بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور روایت کے ارتقائی عمل پر اثر انداز عوامل کی فہرست سازی کرتے ہیں:

(۱) تاریخی تناظر (۲) مذہبی اثرات
(۳) لسانی دائرہ (۴) معنی کی مختلف جہات
(۵) سائنس اور منطق کا ارتقائی عمل (۶) اجتماعی ادبی تغیرات
(۷) انفرادی صلاحیت (۸) تقابلی منطقہ
(۹) مابعدالطبیعاتی عوامل (موجود سے ماوراء کو سمجھنے کا عمل) (۱۰) تصورِ کائنات

یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ یہ فہرست مکمل ہو بھی نہیں سکتی کہ روایت کا ارتقائی عمل پیچیدہ اور وسیع ہے۔

روایت کے ارتقائی عمل کو جو مظہر سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے وہ تاریخی شعور ہے یہ مضبوط تاریخی شعور پختہ تہذیبوں کو حاصل ہوتا ہے اور ایسی تہذیبوں سے روایت کے مثبت سوتے پھوٹتے ہیں اور ادب کا عظیم ورثہ وجود میں آتا ہے۔

ایلیٹ لکھتا ہے:

> ''کلاسیک (آفاقی اور عظیم فن پارہ) اس وقت وجود میں آتا ہے جب کوئی تہذیب کامل یا پختہ ہو چکی ہوتی ہے۔'' (۴)

عظیم فن پارے کا وجود صرف فن کار کا ذاتی فعل نہیں رہتا بلکہ پورا معاشرہ اس میں شامل

Marfat.com

ہو جاتا ہے یوں فن کار روایت کے عظیم دھارے کا حصہ بن جاتا ہے اور اس کی شخصیت پر پڑنے والے تہذیبی اثرات کی جھلک اجتماعی طور پر فن پارے میں نظر آتی ہے۔ تاریخ اور روایت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بنیادی طور پر تاریخ ماضی کے واقعات و عوامل کا شعوری سطح پر اظہار ہے۔ خود روایت کا تعلق بھی ماضی کے دھارے سے گہرا ہوتا ہے اردو غزل کے ڈانڈے فارس (ایران) سے قصیدہ عرب سے اور نعت بھی عرب سے ہوتی ہوئی فارس کے راستے برصغیر میں داخل ہوئی۔ مسلمان کی روح عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ ہی سرشار رہی ہے لہٰذا شعر میں اظہار محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معاشرے میں پھیلانے کا سبب بنا اور وہ محبت جو دلوں میں ابتداء سے موجود تھی آہستہ آہستہ لفظ و معنی کے پیراہن میں ملبوس محفلوں کی زینت بننے لگی نعت کی طرح گیت اور دوہا ایسی اصناف ہیں جن کے سوتے برصغیر کی مٹی سے پھوٹتے ہیں۔

روایت کا تاریخ سے تعلق صرف زمانوں کے تبدل و تغیر تک محدود نہیں بلکہ اس عمل میں تہذیبی ارتقاء کی بھی اہمیت ہے۔ روایت کے تاریخ سے تعلق کو ایلیٹ ایک اور نظر سے دیکھتا ہے:

> ''کوئی شاعر کوئی فن کار خواہ وہ کس بھی فن سے تعلق رکھتا ہو تن تنہا اپنی کوئی مکمل حیثیت نہیں رکھتا۔ اس کی اہمیت اور بڑائی اس میں مضمر ہے کہ پچھلے شعراء اور فن کاروں سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ اسے پچھلے شعراء اور فن کاروں کے درمیان رکھ کر تقابل و تفاوت کرنا ہوگا '' (۵)

ایلیٹ روایت کو تقابل سے جوڑتا ہے اور تقابل خود تاریخ کے دو حصوں کے درمیان مقابلہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایلیٹ روایت سے جڑنے اور پچھلے شعراء سے تقابل سے کیا مراد لیتا ہے ؟ کیا قدیم شعراء کے اندازِ سخن کو مثال بنا کر ان کی پیروی کی جائے (گویا مکھی پر مکھی ماری جائے) سچ پوچھیں تو اردو ادب میں یہ عمل عام بلکہ خاصی حد تک عامیانہ انداز اختیار کر چکا ہے (اس کی بڑی وجہ روایت کے ارتقائی عمل کو نہ سمجھنا ہے)۔ میری ذاتی رائے میں روایت کی پیروی سے اُس کی مراد اُس تہذیبی ورثے کی بازیافت ہے جو سب کا مشترکہ اثاثہ ہوتا ہے۔ ہر دور اپنا فکری اور لسانی ڈھانچہ خود مرتب کرتا ہے جس میں زبان کا ارتقائی عمل بھی حصہ لیتا ہے یوں ساتھ ہی ساتھ زبان کو نئے الفاظ کا خزانہ بھی ملتا ہے اور ہر دور روایت سے منسلک ہو کر زبان اور ادب میں نت نئے لسانی اضافے بھی کرتا ہے۔

اردو ادب میں ہر بڑے ادیب اور شاعر نے روایت کی پیروی کی ہے۔ غالب نے جو کہا تھا

Marfat.com

طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا اسد اللہ خاں قیامت ہے

تو ایک طرف وہ بیدؔل کو خراج تحسین پیش کر رہا تھا جبکہ دوسری طرف وہ بیدل کو علامت بنا کر اُس تہذیبی بازیافت کے عمل میں شریک ہو رہا تھا جس کا وہ وارث بھی تھا اور اُسے آگے لے کر چلنے کی شعوری کوششوں کا علم بردار بھی۔ اگر غور کیا جائے تو روایت ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ فکرِ انسانی کا ارتقاء دو نسلوں کے افکار کے درمیان تقابل سے جڑا ہے۔ یہی روایت ہے جس سے جُو کر ہر بڑے شاعر نے اپنا فکری اور لسانی ڈھانچہ ترتیب دیا ہے۔ ولی، میر، غالب، اقبال، فیض، راشد، میرا جی اور ناصؔر تک تمام بڑے شعراء نے روایت کے اسی ارتقائی عمل کو ادب کا حصہ بنانے کی سعی کی۔

ایلیٹ نے روایت میں تقابل کو نہایت اہم قرار دیا ہے۔ تقابل کی سطح دو حصوں پر مشتمل ہے

۱) انفرادی تقابل: (فن پارے سے فن پارے کا تقابل)

۱) ہیر وارث شاہ اور رومیو جولیٹ کا تقابل

۲) منٹو کے افسانے " کھول دو " اور قدرت اللہ شہاب کے افسانے "یا خدا" کا تقابل

۳) میؔر کی کسی غزل کا ناصؔر کی کسی غزل سے تقابل

۴) حفیظ تائب کی نعت کا بشیر ناظم کی نعت سے تقابل

یہ کچھ مثالیں فوری طور پر ذہن میں آئی ہیں

فن پارے کا فن پارے سے تقابل کے دوران عام طور پر معاشرتی اور تاریخی عوامل بھی نظر میں آتے ہیں۔ یوں فن پاروں کے درمیان مختلفات اور مشترکات کا سراغ لگا کر ادب عالیہ کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں فن پاروں کی قدر و قیمت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ کسی بھی فن پارے کی قدر و قیمت کے تعین میں روایت کا کردار کلیدی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے نقاد کی نظر اگر اپنے سے پچھلے شعراء اور فن کاروں کے کام پر نہیں ہے (جس کی طرف ایلیٹ نے اشارہ کیا) تو وہ تقابل کے بعد قدر و قیمت متعین نہیں کر پائے گا۔

فن پارے کا فن پارے سے تقابل عام طور پر ان شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ بحث کرتا ہے۔

۱) انفرادی فکری سطح ۲) تاریخی تناظر

۳) معاشرتی عوامل ۴) انفرادی زبان و بیان

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ادب پارہ صرف ان ہی مظاہر پر مشتمل ہو سکتا ہے؟ تخلیق

Marfat.com

بہت پیچیدہ عمل ہے جس پر بہت سے انفرادی واجتماعی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں اور کسی آفاقی فن پارے کی تخلیق میں تو پوری تہذیب کا جوہر نگینے کی طرح چمکتا ہے ڈاکٹر کشفی لکھتے ہیں

''ادیب اور شاعر کا وسیلۂ اظہار اور متاعِ ہنر لفظ ہیں'' (٦)

ادب پارے کے ادب پارے سے تقابل میں لفظ و معنی اور انفرادی فکری و فنی سطح کے ساتھ ساتھ آفاقی فن پاروں کا وہ معیار جو روایت قائم کرتی ہے نقاد کی نظر میں رہنا ضروری ہے۔ آیئے ایک نعتیہ فن پارے کا تقابل دوسرے فن پارے سے کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں فن پاروں کے درمیان کون سے معیارات ہیں جن پر نقاد کی نظر رہنی ضروری ہے۔

پہلی نعت

اور کیا بخت کا ہوتا ہے رسا ہو جانا
شمعِ ناموسِ رسالت پہ فدا ہو جانا

میری قسمت میں بھی تقدیر کے مالک لکھ دے
عمر بھر کے لیے اُس در کا گدا ہو جانا

جان جانے سے کہیں بڑھ کے گراں گزرے گا
نام ِ نامی کا مرے لب سے جدا ہو جانا

آپ کے قرب میں ہے بندہ مومن کی حیات
موت ہے آپ کے قدموں سے جدا ہو جانا

یہ تو مسرور علامت ہے تیری بخشش کی
درد کا آپ کی فرقت میں سوا ہو جانا (٧)

دوسری نعت

جسم کو تھامے ہوئے جان سنبھالے ہوئے ہے
آپ کا دم مجھے ہر آن سنبھالے ہوئے ہے

ہر قدم پر ہے مجھے پیش گمان ہستی
ہر قدم پر ترا ایقان سنبھالے ہوئے ہے

اے مرے عمر کے پلکوں پہ لرزتے ہوئے خواب
تجھ کو سرکار کا فیضان سنبھالے ہوئے ہے

لمحہ لمحہ مرے اس ٹوٹتے دن کو ہر دم
تیری رحمت، تیرا احسان سنبھالے ہوئے ہے

میرے آقا! مری گرتی ہوئی بینائی کو
بس تیریؑ دید کا ارمان سنبھالے ہوئے ہے (٨)

پہلی نعت بزرگ غزل اور نعت گو جناب مسرور جالندھری کی ہے جبکہ دوسری نعت جدید لب ولہجے کے شاعر جنید آزر کی ہے۔

دونوں نعتیں آپ نے ملاحظہ کیں۔ آئیں نعت پر تنقید کے اصول و ضوابط کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں فن پاروں کی تفہیم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ آج مغرب میں تنقید کے حوالے سے صرف متن (Text) پر زور دیا جارہا ہے

یعنی صرف فن پارے پر گفتگو کرنے کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے لیکن میری دانست میں

Marfat.com

کوئی بھی فن پارہ صرف فن پارہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے فن کار کی ملفوظاتی تصویر (Wordic Picture) ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی تخلیق میں تخلیق کار کا عکس شامل نہ ہو بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ تخلیق، تخلیق کار کے جنیاتی کوڈ (Genetic Code) ذہنی ساخت، حالات ،عہد اور فنی دلچسپیوں کے بارے میں بھی معلومات دیتی ہے۔

نعت پر تنقید کے اصول عام ادبی تنقید سے ذرا مختلف ہوتے ہیں۔ عام ادبی تنقید میں

(۱) فکر (۲) فنی محاسن (۳) عہد (۴) زبان و بیان (۵) تاریخی تناظر وغیرہ کی طرف توجہ ہوتی ہے لیکن نعت پر تنقید میں ان تمام ضوابط کے ساتھ ساتھ:

(۱) قرآن و حدیث کے مطابق (۲) ادب و احترام (۳) درست تلمیحات کا استعمال (۴) شانِ رسول ﷺ کا صحیح ادراک وغیرہ شامل ہوں گے۔

پہلی نعت کے شاعر کے ہاں زبان کا پختہ استعمال ہے۔ ردیف نسبتاً مشکل ہے لیکن شاعر نے اسے تقریباً نبھایا ہے۔ شاعر نے پانچوں اشعار میں کسی تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ قرآن و سنت کے بنائے ہوئے دائرے کے اندر رہ کر محبت رسول ﷺ کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ زبان نہایت خوبصورت استعمال کی ہے۔ رسا ہو جانا، ہوا ہو جانا جیسے الفاظ کا استعمال عمدہ ہے۔ لیکن خاصی حد تک روایتی ہے۔ پوری نعت میں روایت سے جڑت کا احساس ہوتا ہے۔ اور روایت سے جُڑت سے میری مراد وہی ہے:

"قدماء کی پیروی اور کسی نئے راستے کی تلاش کے بجائے انہی بنے بنائے
قدموں کے نشانات (Foot mark) پر پیر رکھ کر گزرنا اور کسی
دوسرے راستے پر چلتے ہوئے خوفزدہ ہونا"

شاید میرے یہ الفاظ خود شاعر یا شاعر سے محبت کرنے والوں پر گراں گزریں لیکن ہمیں نعت کو اصناف ادب میں ایک مضبوط صنف بنانا ہے تو بحیثیت مجموعی تمام نعت گو حضرات کو اُس ادبی ثقافتی ورثے کی بازیافت کی کوشش کرنی ہوگی اور نئے راستے تلاش کرنے پڑیں گے۔ نئے راستے سے میری مراد روایت سے جُڑ کر جدت یعنی نئے علوم سے وابستہ ہو کر نعت کو ایک نیا پیراہن دینا ہے۔ اِس پیراہن کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ مجھ سے ان اشعار پر اختلاف کریں لیکن اب ہمیں یہ دو جمع دو چار کی طرح تسلیم کرنا پڑے گا کہ نعت کی تخلیق و تنقید دونوں میں ہمیں نئی راہیں تلاش کرنی پڑیں گی۔ شعر دیکھیے

Marfat.com

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب (اقبال)

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا (احمد ندیم قاسمی)

ہے تری ذات پہ سو ناز گنہ گاروں کو
کیسے بے ساختہ کہتے ہیں کہ ہم تیرے ہیں (حفیظ تائب)

تجھ سے پہلے کچھ ایسا عالم تھا
زندگی رو رہی تھی سر کھولے (جنید آزر)

خیمہ افلاک کا استادہ اُسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اُسی نام سے ہے (اقبال)

اب اگر پہلی نعت پر تنقیدِ ادب کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر حکم لگایا جائے تو فن پارے کے مطابق:

۱) شاعر کا لسانی شعور پختہ ہے
۲) مذہبی تاریخی شعور مناسب ہے لیکن شاعر کو نعت میں اپنی حدود کا ادراک ہے
۳) لفظوں کا در و بست شاعر کے روایت سے جُڑے ہونے کا احساس پیدا کرتا ہے۔نعت کا عمومی لہجہ روایت سے منسلک ہونے کے باوجود شاعر کی جانب سے کسی نئے راستے کی تلاش یا مستقبل کے ادبی شعور کو حاصل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھانے کا عمل نظر نہیں آتا گویا شاعر کے ہاں زندہ ماضی تو موجود ہے جو حال سے رشتہ جوڑتا نظر آتا ہے لیکن مستقبل کا حوالہ کمزور ہے۔
۴) فن کے لحاظ سے نعتیہ شاعری بہت مضبوط ہے۔اور شاعر کی فن شاعری پر گرفت پائیدار ہے
۵) فکری لحاظ سے شاعر مذہبی ادب کی طرف زیادہ راغب نظر نہیں آتا لیکن فکر میں حسن ازلی کا ادراک نمایاں نظر آتا ہے۔یہ حسنِ ازلی وہی ہے جس کے متعلق کروشے نے کہا تھا ''فن

Marfat.com

وجدان یا تاثرات کے اظہار کے سوا کچھ بھی نہیں۔وجدان اِس وقت فن بنتا ہے جب روح اس میں غرق رہتی ہے تا کہ مکمل اظہار معرض وجود میں آسکے۔اِس عالم وجدان میں جھوٹ اور سچ کا مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ حسن کا احساس ضروری ہوتا ہے۔" (۹)

۶) نعت کی قرات کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ شاعر نے اپنے فن کے گرد کچھ مخصوص دائرے کھینچے ہیں اور ان دائروں کے اندر سفر کرنے میں آسانی محسوس کرتا ہے اِس طرح کا مسئلہ ہر ایسے شاعر کے ہاں ہے جو قدیم رنگِ شعر سے وابستہ رہا ہے

۷) نعت کی قرات کے دوران کسی طرح کے تشبیہاتی ،علامتی یا استعاراتی رنگ کا احساس نہیں ہوتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر لفظوں سے نگینے کا کام نہیں لے سکا یہاں مجھے ڈاکٹر کشفی کے وہ الفاظ یاد آرہے ہیں"ادب لفظوں کا فن ہے" (۱۰)

لفظ کا عمدہ استعمال کسی بھی فن پارے کی قدر و قیمت متعین کرتا ہے۔

مجموعی طور پر فن پارہ شاعری کے فکری وفنی محاسن سے ممیز ہے اور ایک خاص طرح کی فکری سطح پر اسے عمدہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

اب آیئے دوسری نعت کی جانب۔۔اِس نعت میں جدید رنگ تغزل کا استعمال کامیابی سے کیا گیا ہے اِس تخلیق کے شاعر کا رشتہ ادب کی روایت سے پختہ محسوس نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں مصنوعیت کا گمان بھی ہوتا ہے۔اگر صرف متن (Text) کی تفہیم کی جائے تو کچھ نکات سامنے آتے ہیں

۱) فن پارے کی فکری سطح ابھری نہیں ہے۔دوسری سطح پر لفظوں کے معنی کا تناظر پہلی سطح سے مختلف ہو جاتا ہے۔

۲) گمان ہستی ،عمر کی پلکوں پہ لرزتے ہوئے خواب،ٹوٹتے دن کو ہر دم جیسے الفاظ وتراکیب فن پارے کو جدیدیت کے قریب کر دیتے ہیں

۳) اس کے ساتھ ساتھ دید کا ارمان جیسے الفاظ فن پارے کو نعت کی رواں روایت سے بھی منسلک کر دیتے ہیں:

شعر

میرے آقا ! مری گرتی ہوئی بینائی کو
بس تیریؑ دید کا ارمان سنبھالے ہوئے ہے

Marfat.com

کوشاعر

میرے آقا ! مری گرتی ہوئی بینائی کو
آپ کی دید کا ارمان سنبھالے ہوئے ہے

کہہ سکتا تھا۔اِس سے سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کے لیے آپ کا لفظ استعمال ہوتا اور ادب و احترام کی فضاء قائم ہوتی جو سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت کے شایانِ شان ہوتی۔یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے نعت میں تُو، تُم یا اُس کے الفاظ ممنوع نہیں ہیں لیکن اگر اِس سے پرہیز کیا جائے تو مناسب ہے۔یہاں تنویر پھول کے ایک مضمون ''حمد و نعت میں الفاظ کا مناسب استعمال'' کا اقتباس دیکھیں:

''نعت گو شعراء میں ایک طبقہ نعت کہتے وقت حضورؐ کے لیے تُو، تُم، اس وغیرہ کے استعمال کو یکسر ممنوع سمجھتا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں اُن کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ ہمارے اکابرین نے اسے معیوب اور خلافِ ادب نہیں سمجھا ہے'' (۱۱)

میرا ذاتی خیال بھی تنویر پھول صاحب کے خیالات سے قریب ہی ہے لیکن میں پھر بھی اس بات کو بہتر سمجھتا ہوں کہ آپؐ کے لیے عزت و احترام کا معیار شاعر کے لفظوں میں بھی جھلکنا چاہیے ہاں! قوافی و ردیف کی مجبوریاں بہر حال ہوتی ہیں جو تخلیق کار ہی سمجھ سکتا ہے۔لفظ آپؐ کے استعمال پر مجھے اپنے چار مصرے یاد آ رہے ہیں

کائناتِ حُسن میں پھیلا اُجالا آپؐ ہیں
میری نسبت آپؐ ہیں میرا حوالہ آپؐ ہیں
باعثِ ردِ مصائب نام نامی آپؐ کا
درد کا درماں ہر اِک غم کا ازالہ آپؐ ہیں

لفظ اُن کا استعمال جناب سرو سہارنپوری کے ہاں دیکھیے:

ہمارے پاس کیا ہے ایک اُن کے نام کے سوا
مگر یہ ان کا نام ہے کہ زندگی ہی زندگی

فن پاروں کے تقابل کو آج جدید سائنس کسی اور پیرائے میں دیکھ رہی ہے۔مغربی تنقید

Marfat.com

روایت کے ارتقائی عمل کو سمجھنے اور آگے بڑھانے کے لیے ''اسلوبیات'' کی اصطلاح استعمال کر رہی ہے۔ اسلوبیات بنیادی طور پر کسی فن کار کے اندازِ تحریر کو دوسرے فن پاروں سے الگ کر کے سائنسی طور پر سمجھنے کا عمل ہے۔ اسلوبیات (Stylistics) کی اصطلاح تنقید میں زیادہ پرانی نہیں ہے اور یہ اصطلاح اسلوب (Style) کو مشرقی طرزِ فکر کے مطابق دیکھنے سے مختلف ہے۔ مشرقی تنقید میں اسلوب کو سمجھنے میں سائنسی طرزِ فکر سے زیادہ ذاتی رائے اہمیت رکھتی ہے یوں یہ عمل تاثراتی تنقید کے سانچے میں ڈھل کر صرف تاثر پیش کرتا ہے، کوئی حتمی رائے قائم کر کے حکم جاری نہیں کر سکتا۔

اسلوبیات کا استعمال بیسویں صدی کی چھٹی دہائی سے اُس طریق کار کے لیے کیا جانے لگا جس میں فن پارے کے اسلوب کا تجزیہ موضوعی یا تاثراتی انداز کے بجائے معروضی، سائنسی، منطقی اور لسانی بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔ لسانیات، سماجیات اور نفسیات سے جو نئی روشنی حاصل ہوئی بالخصوص نظریہ ترسیل (Communication Theory) میں جو اضافے ہوئے ہیں اُن سے ادبی تنقید نے گہرا اثر قبول کیا۔ تنقید کے دو نئے ضابطے جو اسلوبیات (Stylistics) اور ساختیات (Structuralism) کے نام سے جانے جاتے ہیں، انہی اثرات کا نتیجہ ہیں۔ تاریخی اعتبار سے اسلوبیات مقدم ہے۔ اسلوبیات اور نظریہ ساختیات اگرچہ دونوں اپنے بنیادی فلسفیانہ اصول وضوابط لسانیات (Linguistics) سے اخذ کرتے ہیں۔ تاہم ادبی اسلوبیات کا دائرہ کارِ ادب اظہار کی ماہیت ہے۔ خود ساختیات کا دائرہ کارِ عمل تمدن انسانی کے تمام پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے۔ بنیادی طور پر ساختیات ترسیل وابلاغ کے ذریعے تمدن میں ہونے والی تبدیلیوں کا مطالعہ ہے۔

اسلوبیات کا بنیادی تصور اسلوب (Style) سے ہی وابستہ ہے جس کا مطلب ہے کسی ادیب کا ایسا خاص اندازِ تحریر جو دوسرے فن کاروں کے درمیان آسانی سے پہچانا جا سکے۔ اردو ادب میں یہ تصور نسبتاً نیا ہے تاہم زمانہ قدیم سے ہی اس کا تصور ادب سے وابستہ لوگوں کے اذہان میں مختلف لفظوں کی شکل میں تھا۔ ان میں زبان و بیان، انداز، اندازِ بیان، طرزِ بیان، طرزِ تحریر، لہجہ، رنگ، یا رنگِ سخن جیسے الفاظ مستعمل تھے اور غور وفکر کرنے والے ادیب اور شاعر اپنے ہم عصروں کی تحریروں کو دوسروں سے الگ کر کے دیکھنے کی کوشش کرتے تھے تاہم یہ انداز زیادہ تر ذاتی تاثر پر مبنی ہوتا تھا جس میں ذاتی پسند ناپسند، گروہ بندی اور ادبی فرقہ بندی کے اثرات نمایاں

Marfat.com

ہوتے تھے۔محمد حسین آزاد جیسا عظیم انشاء پرداز اور نقاد بھی خود کو ذاتی پسند ناپسند سے بالا نہ کر سکا اور غالب کے مقابلے میں ذوقؔ کے کلام کو زیادہ بلند قرار دیتا رہا۔ایک محفل میں میں نے علامہ بشیر حسین ناظم سے ذوقؔ اور غالب کے بارے میں اُن کی رائے جاننا چاہی تو انہوں نے معاملے کا ایک نیا پہلو روشن کیا۔فرمانے لگے "غالب ساتویں آسمان کا شاعر تھا اور ذوقؔ پہلے آسمان کا دونوں کے درمیان تقابل اِس لیے نہیں ہوسکتا کہ دونوں کا مقام پرواز ہی مختلف تھا۔ذوقؔ جان ہی نہیں سکتا تھا کہ ساتویں آسمان پر ہوا کا دباؤ اور درجہ حرارت کیا ہوسکتا تھا ہاں جس مقام پر وہ پرواز کر رہا تھا وہاں وہ استاد ہی تھا"

اسی موضوع پر مجھے اپنا ایک شعر یاد آیا:

بلندیوں پہ تھکن کا سبب بتاتی ہے
ہوا پرندوں کے نام و نسب بتاتی ہے

اسلوبیات کی رُو سے اسلوب کا تصور، اُس تصورِ اسلوب سے مختلف ہے جو مغربی تنقید کے اثر سے رائج رہا ہے اور یہ اُس تصور سے بھی مختلف ہے جو علم بدیع و بیان کے تحت مشرقی ادبی روایت کا حصہ رہا ہے مشرقی روایت کی رو سے اسلوب ادبی اظہار کا زیور ہے جس سے جاذبیت ،کشش اور تاثر میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ اسلوبیات کی رُو سے "اسلوب کی حیثیت ادبی اظہار میں اضافی نہیں بلکہ اصلی ہے جس میں تخلیقی عمل کا حصہ ناگزیر ہے جس کے ذریعے زبان ادبی اظہار کا درجہ حاصل کرتی ہے"

گویا یہ طے ہوا کہ اسلوبیات سجاوٹ یا زینت کی چیز نہیں جس کا رد یا اختیار میکانکی ہو بلکہ اسلوب فی نفسہ ادبی اظہار کے وجود سے جڑا ہوا ہے کوئی خیال تصور، جذبہ یا احساس زبان میں کئی طرح سے بیان کیا جاسکتا ہے۔شاعر یا مصنف پیرایہ بیان کی اِس آزادی کو شعوری یا غیر شعوری طور پر استعمال کرتا ہے۔اِس میں ذوق ،مزاج، ذاتی پسند و ناپسند ،صنف یا ہیئت کے تقاضوں نیز قاری کی نوعیت کے تصور کا بھی دخل ہوسکتا ہے۔اِس میں پوری شخصیت اپنے تمام عیوب ومحاسن سمیت نظر آتی ہے۔چلتے چلتے اِس حوالے سے ایک مثال ذہن میں آئی

میرؔ کا شعر ہے

یہ تو اہم کا کارخانہ ہے   یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

اسی موضوع پر یگانہ کا بھی ایک شعر ہے

Marfat.com

علم کیا علم کی حقیقت کیا　　جیسی جس کے گمان میں آئی

اوّل الذکر شعر میں لہجے کی نرمی، کہے ہوئے پر یقین اور تہذیبی ارتقاء بول رہا ہے جبکہ ثانی الذکر میں لہجے کی کرختگی، اپنی بات کے درست ہونے کا زعم اور معاشرتی انتشار۔ میر کے ہاں اُن کی اپنی شخصیت کی نرمی، مزاج کا دھیما پن اور احساس کی ندرت کا کچھ ایسے احساس ہو رہا ہے کہ کہے ہوئے پر صرف اِس لیے اعتبار کرنے کو جی چاہتا ہے کہ کہنے والے کا انداز تحریر کسی بھی طرح کے زعم سے خالی اور تہذیبی رچاؤ سے بھرپور ہے، (اگرچہ میر خود بھی تمام زندگی کرخت شخصیت کے مالک رہے)

آیئے اب دوسرے شعر کی طرف، کیا آپ کو لفظوں کی کرختگی سے شخصیت کا اندازہ کرنے میں کوئی دشواری ہو رہی ہے؟ یقین کیجیے یگانہ کے لفظوں کی بنت نے اُن کی شخصیت کے معاشرتی پہلوؤں کو ایسے کھول دیا کہ اس آیئنے میں اُس تہذیبی انتشار کو دیکھا جا سکتا ہے جس سے یگانہ کا عہد گزر رہا تھا۔ پھر اِس کے ساتھ علمی زعم اور بزعم خود عظیم ہونے کا احساس بھی پوری طرح نمایاں ہے۔ آپ نے دیکھا کہ اسلوب کس طرح انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطحوں پر لکھنے والے کی شخصیت کو نمایاں کر دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری بات سے کچھ لوگ اتفاق نہ کریں لیکن غور کیا جائے تو دونوں اشعار کی بُنت اُس تہذیبی فرق کو واضح کر رہی ہے جس میں دونوں شخصیات اپنے اپنے عہد میں گزری تھیں۔

اب اگر اسلوب کی تعریف دو جملوں میں کی جائے تو کچھ یوں ہو سکتی ہے
(ظاہر ہے یہ حتمی تعریف نہیں)

"تخلیقی اظہار کے جُملہ ممکنہ امکانات جو وجود میں آ چکے ہیں اور وہ جو وقوع پذیر ہو سکتے ہیں اِن میں سے اپنی شخصیت، مزاج یا ضرورت کے تحت کسی ایک کا انتخاب کرنا دراصل اسلوب ہے"

شخصیت، مزاج یا عہد کی ضرورت کی وضاحت ابھی میر اور یگانہ کی مثال سے ہوئی ہے۔ اب تھوڑی سی بات ادبی اسلوبیات (Stylistics) کے اُس مغربی پہلو کی جانب جو سائنس اور منطق سے اظہار پاتی ہے۔ ادبی اسلوبیات تجزیاتی طریقۂ کار کے استعمال سے تخلیقی اظہار کے پیرائیوں کا تعین کر کے ان کی درجہ بندی کرتی ہے یعنی وہ کون سی لسانی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے کسی پیرایۂ بیان کی الگ سے شناخت ممکن ہے؟۔ اسلوبیات میں لسانی اظہار کا

Marfat.com

فطری انداز NORM ہے نقاد اِس طریقۂ کار میں جائزہ لیتا ہے کہ کسی فن پارے میں فطری اندازِ تحریر سے کتنی مماثلت ہے یا فرق اور پھر ان مشترکات یا مختلفات کی بنیاد پر کسی تحریر کے اسلوب کی شناخت کی جاتی ہے۔

اسلوبیات کا فن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ فن پارے کے کون سے لسانی خصائص پیش منظر میں موجود ہیں اور کون سے خصائص پس منظر میں۔ اسلوبیات میں اس عمل کو فور گراوٴنڈنگ (Fore Grounding) کہتے ہیں۔

زبان کے اِسی فطری انداز کی درجہ بندی کی روشنی میں کسی خاص متن کو پرکھا جاسکتا ہے یا منتخب متن کا تقابلی مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔اسلوبیاتی تجزیہ زبان کی کسی بھی سطح کو لے کر کیا جاسکتا ہے۔لسانیات میں زبان کی چار سطحیں ہوتی ہیں

۱)صوتیات (Phonology)

۲)لفظیات (Morphology)

۳)نحویات (Syntax)

۴)معنیات (Semantics)

کوئی بھی زبان اِن چاروں عناصر سے مل کر متشکل ہوتی ہے خالص لسانیاتی تجزیوں میں کسی بھی سطح کو الگ سے بھی لیا جاسکتا ہے لیکن ادبی اظہار کے تجزیے میں ہر سطح کے تصور میں زبان کا کُلی تصور شامل رہتا ہے۔

اسلوبیاتی تجزیہ میں ان لسانی امتیازات کو نشان زد کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے کسی فن پارے ،مصنف،شاعر،ہیئت،صنف یا عہد کی شناخت ممکن ہو۔

اگرچہ اسلوبیاتی تجزیہ ہمارے ادب میں تحقیقی سطح پر کیا جاتا رہا ہے۔ کسی عہد کی شناخت یا کسی ادیب کے اسلوب کی پہچان اسلوبیاتی تحقیق کے ضمن میں آتا ہے۔دو تین مثالوں سے شاید بات واضح ہو۔

۱) اردو ادب و زبان کے معروف محقق حافظ محمود شیرانی نے ''خالق باری'' جسے ایک زمانے تک امیر خسروؒ کی تصنیف سمجھا جاتا رہا، کو اُن کی تصنیف ماننے سے انکار کیا اور اسے الحاقی تصنیف قرار دیا۔یاد رہے کہ انہوں نے نسخے کی تحقیق کے دوران دو داخلی شہادتیں پیش کیں

ا۔سکہ (جیتل) کے بارے میں نسخے میں موجود تھا اور یہ سکہ امیر خسروؒ کے زمانے میں

Marfat.com

نہیں تھا۔

۲۔نسخہ میں انہوں نے ایسی بحُور کا سراغ لگایا جو امیر خسروؒ کے زمانے میں مستعمل نہ تھیں عہد کی شناخت داخلی سطح پر کرنے کے لیے خود نسخہ کی قرأت کے ساتھ ساتھ تاریخ کا علم رکھنا بھی ضروری تھا گویا نقاد یا محقق کا ادب کی روایت سے منسلک ہونا ضروری ہے (یادرہے کہ خسرو سے منسوب یہ نسخہ جعلی نہیں کہلائے گا بلکہ اِس کی حیثیت الحاقی ہوگی۔جعلی نسخہ خود مصنف کی جانب سے جعلسازی کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے جبکہ الحاقی نسخہ ارادت مندوں کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدت کا شاخسانہ ہوسکتا ہے)

۲) دوسری مثال اردو ادب کی شاید دلچسپ ترین مثال ہو۔علامہ اقبالؒ ایک مجلسی شخصیت تھے اور اُن کے ارادت مند برصغیر کے کونے کونے میں موجود تھے جو انہیں خط بھی لکھا کرتے تھے۔علامہ اقبال انہیں نہایت محبت سے خطوط کے جواب دیتے تھے اقبال کی معروف شخصیت اور خوش مزاجی کے باعث بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے اقبال کے نام پر بھی ادبی جعل سازی کی کوشش کی۔انہی میں ایک نام عباس لم عا کا بھی ہے۔عباس لم عا سے اقبال کے مراسم تھے۔اقبال کی جانب سے چند خطوط بھی ان کے نام لکھے گئے۔اقبال کی وفات کے بعد عباس صاحب نے اپنی جانب سے چند خطوط اقبال کے نام سے مرتب کیے۔مزے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی طرف سے کوئی جملہ نہیں لکھا بلکہ اقبال کی تحریروں سے ہی مختلف جملے اٹھا کر خطوط مرتب کیے۔نہ صرف مرتب کیے بلکہ شیخ عطاء اللہ نے جب (اقبال نامہ) اقبال کے خطوط مرتب کیے تو عباس لم عا والے خطوط بھی شامل کیے۔ماسٹر اختر نامی ایک گمنام محقق نے عباس لم عا کی جعلسازی کو داخلی شہادت کی مدد سے پکڑا۔ہُوا یہ کہ عباس لم عا نے باقی کام تو نہایت چالاکی سے کرلیا لیکن زمانی ترتیب میں مار کھا گئے۔انہوں نے ایک خط میں اقبال کی جانب سے عید کی مبارکباد دی۔خط ۲۲ یا ۲۳ مارچ کو لکھا گیا تھا ماسٹر اختر نے تقویم کے ذریعے عید کا سراغ لگایا تو وہ جنوری میں گزری تھی اور پھر انہوں نے مختلف داخلی شہادتوں سے اِس جعلسازی کی قلعی کھول دی۔(۱۲)

اسلوبیاتی تحقیق میں مختلف داخلی امتیازات کو بنیاد بنا کر فن پارے، مصنف، صنف یا عہد کی شناخت کی جاتی ہے۔یہ امتیازات کئی طرح کے ہوسکتے ہیں۔

ا۔صوتیاتی امتیازات: ردیف وقوافی کی خصوصیات یا معکوسیت ہکاریت یاغنیت کے امتیازات یا

Marfat.com

مصوتوں کا تناسب وغیرہ پیچھے کہیں میں یہ لکھ چکا ہوں کہ ہر عہد اپنا لسانی نصاب خود مرتب کرتا ہے اور یہ ایک دو دن کی مساعی کا نتیجہ نہیں ہوتا اور یہ کوشش اُن معنوں میں شعوری نہیں ہوتی جس سے کسی طرح کی ترتیب و تنظیم اور مصنوعیت کا شائبہ ہو۔

آیئے صوتیاتی امتیازات کے ضمن میں کچھ قدیم و جدید شعراء کے نعتیہ اشعار دیکھتے ہیں۔ یہ تمام اشعار شاید نعت کے نہ ہوں لیکن لفظوں کی دروبست صرف محبوب خدا حضرت محمدؐ کی جانب اشارہ کرر ہے ہیں

کیا میرؔ تجھ کو نامہ سیاہی کی فکر ہے — ختمِ رسُلؐ سا شخص ہے ضامنِ نجات کا
(میرؔ)

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے — سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے
(غالبؔ)

خیمہ افلاک کا استادہ اسیؐ نام سے ہے — نبض ہستی تپش آمادہ اسیؐ نام سے ہے
(اقبال)

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا — سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہیؐ تو ہو
(مولانا ظفر علی خان)

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں — ترا نقشِ کفِ پا ڈھونڈنے کو
(احسان دانش)

یادِ رسول پاکؐ مرے ساتھ ہو گئی — میں سوچ ہی رہا تھا کوئی ہم سفر ملے
(قمر رعینی)

سیرت ہے تری جوہرِ آئینۂ تہذیب — روشن ترے جلووں سے جہانِ دل و دیدہ
(حفیظ تائب)

شمع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ — جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں
(فیض)

سارے عالم کو جزیرہ ٹھیراؤں — ایک انساں کو سمندر لکھوں
(ثروت حسین)

یہاں ان اشعار کو پیش کرنے کا مقصد اس صوتیاتی امتیاز کی وضاحت ہے جس کی بنیاد پر

Marfat.com

ایک متن دوسرے متن سے علیحدہ کر کے شناخت کیا جا سکتا ہے۔

۲) **لفظیاتی امتیازات:** خاص نوع کے الفاظ کا اضافی تواتر مثلاً اسماء، اسماء کے صفت، افعال وغیرہ کا تواتر و تناسب اور تراکیب وغیرہ۔

اقبال کے ہاں زبان و بیان کا تنوع اِس کی ایک اہم مثال ہے۔ اقبال کے ہاں مرغِ چمن، لوح قلم، شاہین، حجاز، جبینِ نیاز، آزری اور اِسی قبیل کے الفاظ سے ایک خاص طرح کا ماحول بن جاتا ہے۔ اِسی طرح امام احمد رضا خانؒ بریلوی کے ہاں بھی مخصوص ڈکشن کے ثبوت ملتے ہیں جس میں خاصی حد تک ہندو ملائی تہذیب کے اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کشفی اِس سلسلے میں اہم بات کہتے ہیں۔

> ''دولہا، برات، نوشہ، شادی کے تلازمے نہ جانے حضرت احمد رضا اور اُن کے دبستان کے بہت سے شاعروں اور مقرروں کو کیوں اس درجہ پسند ہیں۔ نوشہ بزم جنت کو مرکز بزم جنت شانِ بزم جنت، رونق بزم جنت، کعبہ بزم جنت کچھ بھی کہا جا سکتا تھا۔ پورا سلام اپنے شاعر کی قادرالکلامی کا گواہ ہے بلکہ یہ تلازمہ شاعر کی نفسیات کا حصہ ہے'' (۱۳)

۳۔ **نحویاتی امتیازات:** کلمے کی اقسام میں کسی لفظ کا خصوصی استعمال، کلمے میں لفظوں کا دروبست وغیرہ اِس نحویاتی امتیاز میں شامل ہے۔ خاص طرح کے لفظوں کا چناؤ اور پھر اُن کا ایک خاص ترتیب میں استعمال ہمیں کسی بھی فن کار کی خاص ذہنی کیفیات کے ساتھ ساتھ اُس کے عہد کے عام مذاق کے بارے میں بھی بتاتا ہے۔ اسلوبیات نحو اور صرف کے استعمال سے متن میں آنے والے خاص تغیرات کا مطالعہ بھی کرتا ہے۔

۴) **بدیعی (Rhetorical) امتیازات:** بدیع و بیان کی امتیازی شکلیں مثلاً تشبیہ، استعارہ، کنایہ، تمثیل، علامت، امیجری وغیرہ بدیعی امتیازات میں شامل ہیں۔ اسلوبیاتی مطالعہ ہمیں وہ اصول و ضوابط فراہم کرتا ہے جن کی مدد سے ہم دو متون میں امیجری (تمثیل سازی) کی بنیاد پر فرق قائم کرتے ہیں۔

۵) **عروضی امتیازات:** مخصوص بحروں اور زحافات وغیرہ کا خصوصی استعمال عروضی امتیاز کے ذیل میں آتا ہے۔ یہ عام طور پر شاعری کی تنقید کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

اسلوبیات کے ماہرین جو سائنسی طریقۂ کار اور معروضیت پر زور دیتے ہیں، لسانی

Marfat.com

خصائص کے اضافی تواتر اور تناسب کو معلوم کرنے کے لیے کمیتی اعداد و شمار کو بنیاد بناتے ہیں کچھ ماہرین صرف لسانی تصورات کو بھی تجزیے کی بنیاد بناتے ہیں مثلاً تعریفی پیراڈائمیٹک (Para Digmatic) اور کلماتی (Syntagmatic) شکلوں کا فرق یا چومسکی کی تشکیلی گرامر کی بنیاد پر ظاہری اور داخلی ساختوں کا فرق اور اُن کے امتیازات وغیرہ۔

اسلوبیاتی تجزیہ مکمل طور پر سائنسی اور منطقی بنیادوں پر کسی بھی متن سے منسوب فن کار کے نام کی پہچان کرتا ہے۔اسلوبیاتی تجزیے سے مصنف کی پہچان اِسی طرح ممکن ہے جس طرح انسان اپنے ہاتھ کی لکیروں یا انگوٹھے کے نشان سے علیحدہ پہچانا جاسکتا ہے۔اور اُس کی شناخت حتمی طور پر کی جاسکتی ہے ۔اشخاص کی طرح اصنافِ ادب کا بھی اپنا مزاج اور پہچان ہوتی ہے چنانچہ اسلوبیات کی مدد سے یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مختلف اصناف کا اسلوبیاتی امتیاز کیا ہے اور پیرایۂ بیان کی سطح پر وہ کس طرح ایک دوسرے سے الگ ہیں ۔اسلوبیات کی مدد سے یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کس عہد میں کون سا اسلوب رائج تھا یا کسی عہد کی زبان کے لسانی امتیازات کیا تھے ۔اردو ادب میں بالعموم اور اردو شاعری کی تنقید میں بالخصوص تاثراتی اندازِ فکر نمایاں رہا۔دوستوں کی ناز برداری، تعلقات پر ناموں کی فہرست سازی اردو تنقید کا طرۂ امتیاز رہا اگرچہ کچھ اچھی تنقید بھی لکھی گئی لیکن عمومی اندازِ فکر وہی تذکروں والا رہا۔اردو نعت کی تنقید بھی اِس انداز سے بچ نہ سکی بلکہ نعت کو مذہبی صنفِ ادب ہونے کے باعث تنقید سے ماوراء بھی سمجھا جاتا رہا۔نعت پر تنقید کو اگر تذکروں کی سطح سے بالا کرنا ہے تو ہمیں ادب اور تنقید کے آفاقی اصولوں کی پیروی کرنی پڑے گی ۔نعت پر تنقید کے لیے اِن اصولوں میں کسی قدر تبدیلی کی ضرورت بھی ہے جو عمومی شاعری کے لیے بنائے گئے، ملٹن نے شعر کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا

''شعر کی خوبی یہ ہے کہ سادہ ہو، جوش سے بھرا ہوا اور اصلیت پر مبنی ہو'' (۱۴)

شاعری میں لفظ اور معنی کے درمیان ایک نازک رشتہ ہوتا ہے۔شاعری میں ہر لفظ ایک مختلف تناظر میں استعمال ہوتا ہے۔ضروری نہیں کہ لفظ کے وہی معنی شاعری میں استعمال ہوں جو لغت طے کرے۔دریدا (Dareda) نے ایک جگہ کہا تھا

"Meaning is context_bound but context is bound less" (۱۵)

آسان زبان میں اِس کے معنی یہ ہیں کہ ہر لفظ کے معنی کا ایک تناظر ہوتا ہے لیکن تناظر کی کوئی حدود نہیں ہوتیں ۔روایت کے ارتقاء کو سمجھنے کے لیے معنی کے تناظر اور تناظر کی حدود کو سمجھنا

Marfat.com

ضروری ہے۔دریدا(Dareda) کی یہ لائن آج اسلوبیات (Stylistics) صورت لفظ اور معنی کے درمیان رشتے کو نئے پیراہن پہنا رہی ہے۔

لسانیات کا علمِ جدید ہمیں آج یہ بات بتا رہا ہے کہ لفظ خود ایک علامت ہے اور اس کے صرف ایک معنی متعین نہیں کیے جا سکتے۔ادب میں بالعموم اور شاعری میں بالخصوص لفظ ایک نگینے کی طرح ہزار ہا عکس دے سکتا ہے صرف لفظ کی تخلیقی حیثیت کو سمجھنا اور اس کا استعمال تخلیقی شعور کے ساتھ کرنا شرط ہے۔

لفظ کے معنی جغرافیائی تغیرات یا عہد کی تبدیلی کے ساتھ بھی بدلتے ہیں اور ہر بڑا شاعر یا ادیب روایت کے اس ارتقائی عمل کو سمجھتا ہے۔یہی بات ایذرا پاؤنڈ (مشہور امریکی شاعر) کو کہنا پڑی ''بڑا ادب صرف زبان ہوتی جو آخری حد تک پر معنی ہوتی ہے''۔

لفظ اور معنی کے تناظرات کا تعلق بھی براہ راست روایت کے ارتقاء کے ساتھ ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا معنی اور تناظر کے حوالے سے روایت کے ارتقائی عمل کو ایک نئے زاویے سے دیکھتے ہیں

> ''تناظر (Context) کے بغیر کوئی معنی مرتب نہیں ہو سکتے مگر تناظر کو حدود میں لانا ناممکن ہے۔اُس کے اندر کوئی نہ کوئی چوتھا کھونٹ ضرور جھلکتا ہے جو ایک تناظر کو وجود میں لا کر معنی میں توسیع کر دیتا ہے''(۱۶)

یہ چوتھا کھونٹ یا چوتھی سمت کیا ہے جس کی طرف وزیر آغا اشارہ کر رہے ہیں۔یہ زبان کا عہد بہ عہد ارتقائی عمل ہے جو معنی میں توسیع یا تبدیلی کرتا ہے اور روایت کے عمل کو بھی ساتھ ہی ساتھ توسیع دیتا رہتا ہے۔معنی میں توسیع کا تعلق بعض اوقات اُس شخصیت کے ساتھ جڑتا ہے جس کے لیے الفاظ کا استعمال کیا جا رہا ہو۔تناظر صرف عہد کا ہی نہیں ہوتا،جغرافیہ کے ساتھ ساتھ خود شخصیت کا تناظر بھی معنی میں تبدیلی یا وسعت پیدا کر سکتا ہے

احسان دانش کا شعر دیکھیے

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں   ترا نقشِ کفِ پا ڈھونڈنے کو

فیض کا اندازِ نگارش کس جانب اشارہ کر رہا ہے؟

شمعِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ   جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

فیض کا ہی ایک اور شعر

ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک   ہر حرفِ تمنا ترے قدموں کی صدا ہے

Marfat.com

غالب کے اِن اشعار کو تاریخ نے کس نظر سے دیکھا؟

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا　　کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے　　سفینہ چاہیے اِس بحرِ بیکراں کے لیے

غالب کا ہی ایک اور شعر

سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر　　تُو اِس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے

حسرت موہانی فرماتے ہیں

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کردیا آزاد　　ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

ان تمام اشعار میں شعراء کا مطمعِ نظر وہ نہیں جس کی طرف الفاظ کا دروبست اور اندازِ تحریر اشارہ کر رہا تھا۔ احسان دانش کا شعر غزل کا شعر ہے لیکن ہواؤں کا کسی کے نقشِ پا کی تلاش میں مارا مارا پھرنا جس ذات کی طرف اشارہ کر رہا ہے دنیاوی محبوب کی ذات اُس سے کہیں چھوٹی ہے لہذا لفظ کے معنی ایک نئے تناظر میں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں۔

فیض کے دونوں اشعار غزل کے اشعار ہیں لیکن لفظوں کے معنی ایک نئی جہت کی طرف قاری کو لے جاتے ہیں یوں فیض کے اِن اشعار کو نعتیہ اشعار کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

غالب نے چار مصرعے، تجمل حسین خان کے لیے لکھے تو انہیں اندازہ نہیں تھا کہ اشعار میں آنے والے الفاظ کا نگینہ جو عکس دکھا رہا ہے ممدوح کی ذات اُس سے بہت چھوٹی ہے۔ اشعار کا تناظر چیخ چیخ کر بتا رہا ہے کہ یہ اشعار دنیا کے سب سے بڑے مصلح محبوب خدا حضرت محمد ﷺ کی تعریف ہیں اور پھر دنیا نے دیکھا کہ ادب کے ناقدین و قارئین نے اِن اشعار کو عام آدمی کی تعریف سے بلند تر قرار دے کر نعت۔ کے اشعار بنا دیا۔ سچ پوچھیے تو اشعار میں آفاقیت پیدا ہی تب ہوتی ہے جب معنی کا تناظر بھی بلند ترین سطح پر ہو اور وہ نعت کا تناظر ہے۔

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی اس حوالے سے لکھتے ہیں

> ”جب غالب نے تجمل حسین خان کے لیے یہ شعر لکھے تھے تو انہیں کیا خبر تھی کہ ان کا ممدوح ان شعروں سے فروتر ہے اور ان شعروں کی نسبت اُس ذاتِ عالیہ سے قائم ہو جائے گی جس کے مرتبہ بلند کی ایک جھلک اِن الفاظ کے آئینوں میں نظر آتی ہے“(۱۷)

Marfat.com

بالکل ایسے ہی حسرت کا شعر بھی غزل سے تعلق رکھتا ہے لیکن تناظر اُسے نعت کا قرار دے رہا ہے۔

ان اشعار پر بحث سے ہمیں کم از کم چار باتوں کا پتہ چلتا ہے

۱) شعر پر شاعر کی گرفت شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر ہوتی ہے۔فن پر شعور کے اثرات بہت زیادہ لیکن لاشعور کی کارگزاریاں بھی گاہے گاہے نظر آتی رہتی ہیں

۲) صرف لفظ نہیں بلکہ معنی کی مختلف جہات کسی شعر کو آفاقی بناتی ہیں۔

۳) بلند شاعری میں غزل ہشت پہلو ہو کر معنی کے نئے جہان متعارف کرواتی ہے اور خود غزل لفظوں کے بڑے اور ہمہ جہتی استعمال میں ڈھل کر آفاقیت حاصل کر سکتی ہے لیکن اِس کا تعلق شعور و لاشعور دونوں سے یکساں ہوتا ہے۔

۴) نعت ہو، غزل، نظم یا قصیدہ، اشعار کو الفاظ و معنی کا تناظر آفاقیت عطا کرتا ہے اور یہ آفاقیت فکر کی سطح پر بلند خیالی سے اور فن کی سطح پر لفظوں کے دروبست سے ممیّز ہوتی ہے۔

ادبی روایت ہمیں فن پارے کی حیثیت متعین کرنے کا شعور دیتی ہے جس کے لیے تاریخی اور تہذیبی شناخت ضروری ہے۔غزل میں آفاقیت اور کلاسیکیت اُن شعراء کے ہاں ہے جہاں روایت کا شعور صرف انفرادی صلاحیت پر متعین نہیں کیا جاتا بلکہ اجتماعی ادبی روایت کو مذہبی اور تہذیبی شعور کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔شاعری میں آفاقی حیثیت ان اشعار کو حاصل ہوتی ہے جہاں شعر کی فکری سطح ماضی، حال اور مستقبل سے ماورا ہو کر کسی چوتھی سمت کی جانب بڑھے گویا

''موجود میں ماورا اور معلوم میں نامعلوم کو تلاشنے کا عمل آفاقیت ہے''

زمان و مکان سے ماورائیت کا تصور کسی حد تک تجریدی (Abstract) ہے لیکن سچ پوچھیے تو خود شاعری میں بھی تجریدی عناصر کے بغیر شعریت کا مزا نہیں بلکہ شعر ایک خبر کی طرح قاری کے دماغ کو چھوتا ہے اور ایسا شعر دل کے ساتھ تعلق قائم نہیں کر پاتا۔آفاقیت کی مثالیں شاعری سے دیکھیں

یہ توہّم کا کارخانہ ہے   یاں وہی ہے جو اعتبار کیا
(میرؔ)

باغِ بہشت سے مجھے اذنِ سفر دیا تھا کیوں   کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر
(اقبال)

Marfat.com

ہم نے بزمِ مکاں کو ایک نقشِ پا پایا　　　ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
(غالب)

ان اشعار کی آفاقیت ادبی ناقدین کے ہاں مُسلّم ہے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آفاقیت کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ ان اجزائے ترکیبی کی تلاش میں ہمیں ایک بار پھر روایت کی جانب رجوع کرنا پڑے گا۔روایت کے عناصرِ ترکیبی میں تاریخی تناظر کا ذکر آیا تھا لیکن آفاقیت ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کی طرف ہاتھ بڑھانے والے خیالات سے پیدا ہونے والا عمل ہے۔مرزا حامد بیگ نے اِس حوالے سے ایک جگہ نہایت اہم بات کی:

''ہر قدیم، قدیم نہیں اور نہ ہر جدید، جدید ہے۔حال کے باہر ماضی کے کوئی معنی نہیں، اِسی طرح ماضی سے رشتہ توڑ کر حال اور مستقبل دونوں فریب ہیں۔ہر مستقبل کا ایک ماضی ہے اور ہر ماضی مستقبل کی جھلک۔زندہ حال کی رگوں میں رفتارِ زمانہ کے ساتھ زندہ ماضی بھی رواں رہتا ہے۔'' (۱۸)

گویا زندہ ماضی اپنے حال اور مستقبل سے رشتہ قائم رکھتا ہے اور اسی رشتے کا توازن آفاقیت اور کلاسیکیت کو جنم دیتا ہے یہاں زندہ ماضی کے حال اور مستقبل سے تعلق کے حوالے سے مجھے مجید امجد کی ایک نظم یاد آرہی ہے نظم کا عنوان ہے''2942ء کا جنگی پوسٹر'' یہ نظم 1942ء میں لکھی گئی اور زندہ ماضی کی روشن آنکھ سے ایک ہزار سال بعد کے حالات کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے پہلے نظم پڑھیں

2942ء کا جنگی پوسٹر

اک محافظ ستارے نے کل شام　　　کرۂ ارض کو خبر دی ہے
ملک مریخ کے لٹیروں نے　　　وادیٔ مہ تباہ کردی ہے
جادۂ کہکشاں کے دونوں طرف　　　گھاٹی گھاٹی لہو سے بھر دی ہے
آندھیوں نے انہیں خرام دیا　　　بجلیوں نے اُنھیں نظر دی ہے
ڈوبتا سورج ان کا مغفر ہے　　　شفقِ سرخ اُن کی وردی ہے
آج اُنھوں نے نظامِ عالم کو　　　دعوتِ آتش و شرر دی ہے
آن پہنچی ہے امتحاں کی گھڑی　　　خاکیو! وقت پائے مردی ہے (۱۹)

Marfat.com

ماضی، حال اور مستقبل کا ایک دوسرے سے رشتہ اِس نظم کے ذریعے واضح ہو رہا ہے 1942ء میں خلاء کی تحقیقات ابھی ابتدائی مراحل میں تھیں۔ یہ بات یاد رہے کہ پہلا مصنوعی سیارہ ''سپوتنک ''روس نے 1958ء میں خلاء میں زمین کے اردگرد بھیجا تھا اور اُس سال یعنی 1958ء تک دنیا میں خلاء میں خلائی جہاز کے بھیجے جانے کا علم کسی کو نہ تھا کہ روس نے کچھ وجوہات کی بناء پر اِس بات کو دنیا سے چھپا رکھا تھا کہ روسی سائنسدان ایسی کسی کوشش میں مصروف ہیں۔ اِس واقعے سے سولہ برس قبل خلائی جنگوں کے بارے میں سوچنا اور کائنات کے دوسرے باسیوں کے ساتھ جنگ کو بیان کرنا اُسی زندہ ماضی کے ساتھ جڑ کر حال اور مستقبل کی طرف ہاتھ بڑھانا ہے۔ یہاں اِس بات کا اعادہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ

> ''روایت زندہ ماضی کے ساتھ اِس طرح جڑنے کا عمل ہے کہ حال میں کھڑے
> ہو کر پیچھے ماضی کی جانب اور آگے مستقبل کی طرف ہاتھ بڑھائے جاسکیں''

آفاقیت مندرجہ ذیل خصوصیات سے متصف ہو سکتی ہے تاہم ادب کی زیادہ تر تعریفوں کی طرح یہ تعریف بھی مکمل نہیں کہ خود آفاقیت کا بہت سا حصہ ماورائیت پر مشتمل ہے جس کو آنکھ سے دیکھنا ممکن نہیں بلکہ صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔

شاعری میں آفاقیت کے عناصر مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں:

۱) ماورائیت

۲) زمان و مکان کی قید سے آزادی

۳) وقت کے کسی نئے منطقے کی تلاش

۴) انسانی زندگی سے اخذ کردہ موضوعات

۵) شعریت اور فنی گرفت

۶) فکری پختگی

۷) تہذیبی اثرات

۸) تائید غیبی

لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اِن تمام اجزاء کے ہوتے ہوئے بھی شعر عظیم یا آفاقی نہیں ہو پاتا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اجزاء کا تناسب اور تائید غیبی دو ایسے عناصر ہیں جن پر شعر کی آفاقی حیثیت کا دارومدار ہوتا ہے۔

Marfat.com

اردو نعت کا تعلق دینِ اسلام کی ابتدائی رحمت بھری ساعتوں کے ساتھ گہرا ہے۔شاندار ماضی کی روایت نعت گوئی کا ناگزیر حصہ رہی ہیں اور اسی ماضی کے ساتھ جُڑ کر اعلیٰ درجے کے نعت گو شعراء نے آفاقی تخلیقات سے نعتیہ ادب کی فضا کو معطر کیا۔انہی تخلیقات میں آفاقی عناصر کی تلاش اور فن پارے کو سامنے رکھ کر مصنف کا مطالعہ ہی تنقید کا جوہر ہونا چاہیے

ایڈمنڈ شیرر (Edmond Scherer) جو فرانسیسی نقاد تھا' نے ایک جگہ لکھا تھا

''مصنف کے کردار اور شخصیت کی تفہیم اور اُس کے عصر کا تجزیہ۔اِن دونوں سے ہی اس کی تخلیقات کو درست طور پر سمجھا جا سکتا ہے''(۲۰)

اردو نعت کو ایک زمانے تک تنقید سے بالا سمجھا جاتا رہا لہذا اِس ضمن میں زیادہ تر کام تاثراتی تنقید سے ہی چلایا جاتا رہا۔میری اِن گزارشات کا بنیادی مقصد نعت کی تنقید کے لیے نئے علوم کی روشنی میں اصول وضوابط کی تیاری ہے۔ظاہر ہے کہ نعت مذہبی صنفِ ادب ہونے کے باعث ہمیں ادب کی تنقید کے عمومی اصولوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایسے ضابطے بھی سامنے رکھنے ہوں گے جو نعت پر تنقید کے معیارات قائم کریں۔

چلیے! آئیں پہلے ذرا تنقید پر نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اِس کی حدود کیا ہیں اور ادب کے کن امکانات تک تنقید کے ذریعے پہنچا جا سکتا ہے۔

لفظ تنقید بحیثیت اصطلاح درست نہیں۔عربی میں اِس کے لیے ''نقد'' اور ''انتقاد'' کے الفاظ ملتے ہیں اور قواعد کی رُو سے یہی درست بھی ہیں۔ڈاکٹر سلیم اختر اس ضمن میں کہتے ہیں

''یہ عجیب بات ہے کہ ہم سب دن رات تنقید کا لفظ استعمال کرتے ہیں مگر بحیثیت اصطلاح یہ درست نہیں''(۲۱)

آل احمد سرور نے تنقید کے لیے ''پرکھ'' کا لفظ موزوں سمجھا ہے

اردو میں تنقید یا نقد کے بلحاظ عہد مندرجہ ذیل ادوار گزرے ہیں

۱) تذکرے

1) میر کا تذکرہ نکات الشعراء

2) میر حسن کے تذکرے

3) مصحفی کا تذکرہ

4) شیفتہ کا تذکرہ ''گلشن بے خار''

Marfat.com

۲) غالب کے خطوط

یہ با قاعدہ تنقید تو نہ تھے تاہم مختلف خطوط میں الفاظ کی بحثیں چھیڑیں اور علم معانی سے وابستہ مسائل پر گفتگو کی۔ اِس کے علاوہ شاگردوں کی غزلوں پر اصلاح کے ساتھ ساتھ معاصرین کے فن پر گفتگو بھی کی۔

۳) مولانا الطاف حسین حالی کی مقدمہ شعر و شاعری

اردو ادب میں اسے جدید تنقید کا آغاز کہا جا سکتا ہے۔ ناقدین اِس کتاب کو ورڈز ورتھ (Words Worth) کے "Lyrical Ballads" کے دیباچے کے معیار کا قرار دیتے ہیں۔ جس طرح ورڈز ورتھ کے دیباچے نے شاعری میں رومانیت کے لیے منشور مرتب کیا بالکل اسی طرح حالی نے شعر میں آمد، آورد، جوش، سادگی کے ساتھ ساتھ شاعری کا معاشرے سے تعلق پر بحث کی ہے وہ آنے والے شعراء کے لیے شعر کے معیارات قائم کرنے کا موجب بنی۔

۴) بعد میں نیاز فتح پوری، فراق گورکھپوری، آل احمد سرور، مجنوں گورکھپوری، احتشام حسین علی سردار جعفری، عزیز احمد اور محمد حسن عسکری کے نام فوری ذہن میں آتے ہیں جو اردو ادب میں تنقید کو آگے لے کر چلے۔

سچ پوچھیے تو خود تنقید صرف دو ہی طرح کی ہوتی ہے۔ اچھی تنقید اور بُری تنقید آج کل تنقید کی ایک قسم مجلسی، مذاکراتی، تہنیتی یا تقریباتی تنقید ہے یہ ایک طرح کی غیر مدلل مداحی ہے اور اس کی عام بلکہ عامیانہ مثالیں آپ کو ہر تقریب رونمائی میں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ یہ غیر نظری تنقید ہے نظری تنقید اُن اصولوں وضوابط کو سامنے رکھ کر تخلیق اور تخلیق کار کے حوالے سے بحث ہے جس میں تخلیقات کا عہد، اقدار اور معائیر کا مطالعہ کیا جاتا ہے اچھی تنقید کسی خاص ادبی رجحان یا میلان کا اشارہ بن جاتی ہے۔

آیئے نعت کی تنقید کے حوالے سے کچھ اصول وضوابط پر روشنی ڈالتے ہیں

☆ نعت ایک ادبی صنف ہے جس کا تعلق مذہبی ادبیات سے ہے

☆ ادبی صنف ہونے کی حیثیت سے یہ ادبی تنقید سے ماوراء نہیں ہے

☆ نعت تخلیق کار کی فکر اور فن کے لحاظ سے آفاقی، عظیم، عمدہ، درست اور نادرست ہو سکتی ہے۔ ہر نعت کا معیار ایک نہیں ہو سکتا

مثلاً

Marfat.com

میں تو آپؐ کی پتلی ہوں
میری ڈور ہے آپؐ کے ہاتھ

اور

وہ جس کا شوق سوچوں میں ستارے ٹانکتا ہے
اُسی کے نام ہیں عاؔلی مرے اظہار سارے

دونوں اشعار کی بُنت تخلیق کار کی فکر اور فن کے تمام معائب ومحاسن بیان کرتی رہی ہے۔

☆ نعت پر تنقید کرنے والوں کی نظر میں عزت واحترام کا معیار ہونا چاہیے کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے لیے تخلیق کار نے جن الفاظ کو استعمال کیا ہے اُس میں محبت کے ساتھ احترام بھی نظر آنا ضروری ہے صفِ نعت پر تنقیدی کام کسی بھی قسم کی مذہبی یا ادبی عصبیت سے پاک ہو یعنی جان پہچان ادبی گروہ بندی سے پاک ادبی تنقید ہونی چاہیے۔

اردو تنقید کا ایک بڑا مسئلہ تنقید کا مختلف دبستانوں میں تقسیم کا رجحان ہے تاہم اب نئے ناقدین کی جانب سے خاص طرح کے حالات میں امتزاجی تنقید کی طرف قدم بڑھانے کا عمل شروع ہو چکا ہے اردو نعت کے سفر میں (جو اب لگ بھگ نصف صدی کو چھو رہا ہے) تنقید پر توجہ پچھلے بیس پچیس سال میں دی گئی ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا تنقید اور انداز نقد میں ہونے والی تبدیلیوں کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں

"جدید اردو تنقید کے مطالعہ سے یہ بات ابھر کر سامنے آئی ہے کہ اعلیٰ تخلیق کی طرح اعلیٰ تنقید بھی ایک لمحۂ آزادی کی مرہونِ منت ہے یعنی ایک ایسے لمحہ کی جس میں تخلیق کار یا نقاد شدتِ جذبات یا شدتِ نظریات سے آزاد ہو کر خود اپنے روبرو آ کھڑا ہوتا ہے یوں وہ خود کو اس قابل پاتا ہے کہ فن پارے کی یکتائی اور انفرادیت کا احترام کر سکے" (۲۲)

جدید اردو تنقید کی طرف اس سفر میں (جس کی طرف وزیر آغا نے اشارہ کیا) ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اُن میں سے ایک بڑی مشکل برصغیر کے عمومی مزاج سے پیدا ہوئی جس میں جذباتیت موجود ہے اور عمومی فضاء اصول وضوابط کی مدد سے منطقی اندازِ فکر کی حوصلہ شکنی کرتی ہے نعتیہ مجموعہ ہائے کلام کی اشاعت بڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک عجیب طرح کی تنقید سامنے آئی جسے تقریظی تنقید کہا جا سکتا ہے اس تنقید کا تعلق لکھنے سے زیادہ سنانے سے ہے۔ کتاب کی تقریب

Marfat.com

رونمائی میں دولہا (صاحبِ کتاب) کی اتنی تعریفیں ہوتی ہیں کہ بعض اوقات خود صاحب کتاب بھی ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔

اردو نعت کی روایت پر نظر دوڑائی جائے تو مندرجہ ذیل نام نمایاں نظر آتے ہیں۔ میں اس مضمون میں کوشش کروں گا کہ فکری طور پر ایک دوسرے سے قریب تر حضرات کا ذکر ایک دوسرے کے ساتھ کروں تا کہ ان شعراء کی فکر اور اِنکے (Camp Followers) کے درمیان فکری اشتراک یا اختلاف کو ظاہر کرسکوں۔ یاد رہے کہ یہ مطالعہ صرف نعت کے حوالے سے ہے

۱) **اقبال:** عصری فکر اور حسی ادراک سے جنم لینے والی شاعری جس میں نظریہ کی آمیزش بھی موجود ہے

۲) **مولانا ظفر علی خان:** بلند بانگ لہجہ اور فکر کی سچائی پر مشتمل شاعری جس میں اردو نظم اور غزل سے حاصل کی گئی فکر کا رس شامل ہے

۳) **بہزاد لکھنوی:** غزل سے متاثر روایت کے زیرِ اثر مناسب اردو نعتیہ شاعری جس پر فکری طور پر لکھنوی اردو غزل اور تصوف کے اثرات موجود ہیں

۴) **ماہر القادری:** غزل اور نظم کے درمیان ڈولتا ہوا نعتیہ لہجہ جس پر عصری حسیت کے اثرات کہیں کہیں محسوس ہوتے ہیں

۵) **حافظ مظہر الدین:** حبِ رسولؐ جب زندگی کا طریق بن جائے تو نعتیہ شاعری دل کی آواز بن جاتی ہے۔ کسی بڑی فکر یا بڑے سوال سے تہی ایسی شاعری جس میں محبت اور سوز و گداز ذاتی کیفیات میں شامل ہے۔ تجلیات، جلوہ گاہ اور ''بابِ جبریل'' کے نام سے نعتیہ مجموعہ ہائے کلام شائع ہوئے اور اب کلیاتِ مظہر بھی مرتب ہو چکی ہے

۶) **حفیظ تائب:** نعت میں خلوص اور عشق کے امتزاج سے پیدا ہونے والے نئے رنگ کا آغاز جس میں معنوی پیچیدگی یا فکری ابہام موجود نہیں

۷) **عبدالعزیز خالد:** لفظیات کے حوالے سے مختلف لہجے کی حامل نعت جس میں کسی قدر فکری پیچیدگی کے عناصر بھی شامل ہیں۔

۸) **حافظ لدھیانوی:** عوامی سطح پر اردو نعت کا وہ سادہ آہنگ جو محافل کی زینت بننے والی شاعری کا جزو لاینفک ہے۔

۹) **بشیر حسین ناظم:** اردو فارسی کے اثرات کی حامل ایسی شاعری جس پر مشکل بیان اور ادق

Marfat.com

زبان کی لہر اُسے دوسرے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہے تاہم یہ بڑی فکر کی شاعری نہیں۔

۱۰) **صبیح رحمانی:** اردو شاعری جس میں خلوص اور محبت کے ساتھ ساتھ ایک فکری بلندی اور ندرتِ الفاظ کا احساس بھی شامل ہوتا ہے۔

اردو نعت کی روایت کا آغاز اقبال سے کرنے پر بہت سے سکہ بند نقاد ناک بھوں چڑھائیں گے لیکن یاد رہے کہ ہم گفتگو نعت پر کر رہے ہیں اور روایت کی جدید ترین تعریف کچھ یوں بنتی ہے

"روایت موجود سے ماوراء کو ملانے کا عمل ہے جس میں تاریخ کے نہ نظر آنے والے عوامل شامل ہوتے ہیں"

اقبال کے ہاں روایتی سطح پر نعت نہیں ملتی لیکن فکر کی گہرائی میں مرکز عشقِ رسولؐ ہے اس لیے اُن کی شاعری کا بنیادی نظریہ ہی عشقِ رسولؐ بن گیا۔ یوں ہر شعر نعت ہوتا چلا گیا۔

اردو نعت میں اقبال ایک "اسلوب" سے آگے بڑھ کر "تحریک" کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور اگر مجھے اجازت ہو تو میں یہ کہوں کہ اقبال خود "روایت" بن چکے ہیں

اردو نعت کی روایت کو تین بنیادی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

۱) پہلا اسلوب: اقبال

دینی فکر کے ساتھ نظریے کی آمیزش سے اردو نعت کا ایک ایسا رنگ متعارف کروایا جو نعت کو زمان و مکان کی قید سے آزاد کر کے ایک ماورائی جہان تخلیق کرتا ہے۔ تاریخ کے طالب علم کے طور پر میں جانتا ہوں کہ فکر کا تعلق اگر ماضی، حال اور مستقبل تینوں جہتوں سے ہو تو زندہ ماضی شاعر کا ہاتھ پکڑ کے حال اور پھر مستقبل میں لے جاتا ہے یوں زندہ روایت وجود میں آتی ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں

"روایت زندہ بھی ہوسکتی ہے اور مردہ بھی.....اگر روایت عصری رجحانات کا ساتھ دیتے ہوئے تخلیقی تقاضوں کا سہارا بن سکتی ہے تو پھر ایسی روایت زندہ/متحرک/فعال قرار دی جاسکتی ہے"(۲۳)

اقبال کی تمام شاعری عصری تقاضوں سے ہم آہنگ تھی۔ وہ تاریخ کا ادراک رکھتے تھے حال اُن کی شاعری اور اُن کے نظریات کے ساتھ ساتھ تخلیقی شعور کا حصہ تھا اور دین اسلام سے اُن کی محبت اور آقائے نامدار کی شخصیت سے قوت حاصل کرنے کا رجحان اُن کی زندگی کا حصہ تھا ہی

Marfat.com

وجہ تھی کہ وہ نظم کہیں یا غزل اُن کی شاعری کے پس پردہ نظام آقائے دو عالم حضرت محمد ﷺ کی محبت تھی ورنہ نعت کے ایسے اشعار کہنا آسان نہیں

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب (۲۴)

اقبال عصری تقاضوں کو سمجھتے تھے اور جیسے جیسے انہوں نے مطالعہ اور مشاہدہ کی مدد سے جدید دنیا کی کمزور اخلاقیات کا جائزہ لیا وہ اِس بات کے پہلے سے زیادہ شدت سے قائل ہو گئے کہ اسلام ہی آنے والے زمانے کا عالمی نظام ہے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی سیرت دنیا کے اخلاقی نظام کو درست کرے گی۔

انہوں نے 26 فروری 1933ء کو دنیا کے بہت سے ممالک کا دورہ کر کے واپس آنے کے بعد فرمایا

"بہت سے یورپی ممالک کا دورہ کرنے کے بعد اور جدید دنیا کے اخلاقی بحران کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد میں اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بطور عقیدہ اسلام کے لیے بہت بڑا موقع پیدا ہو چکا ہے"

گویا اقبال کے ہاں اسلام بطور نظریہ موجود تھا اور اگر ساختیاتی تنقید کے اصول وضوابط کو سامنے رکھ کر بات کریں تو اقبال کے فلسفے کے پس پردہ جو علامتی نظام کام کر رہا تھا وہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت کے ساتھ ساتھ ملت کو ایک نئے نظام پر اکٹھا کرنے کی کوشش تھی۔

ساختیات کے حوالے سے روراں بارسو نے لکھا ہے۔

"ساختیاتی تجزیہ کوئی مخفی معنی دریافت نہیں کرتا کیونکہ تخلیق تو پیاز کی طرح ہوتی ہے جو پرتوں (نظاموں) کے عالم کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کا جسم کسی راز کسی اصل الاصول سے عبارت نہیں" (۲۵)

اس کوڈ (Code) یا نظام کو سامنے رکھ کر اقبال کی فکر کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو محسوس ہوتا کہ اقبال کی پوری شاعری ہی ایک نہایت خوبصورت نعت ہے۔ اگر نعت کی روایتی تعریف تک محدود رکھنا مقصد ہے تو پھر شاید آپ تک میری بات نہ پہنچ سکے لیکن ہم فن پارے کو ساختیات کی نظر

Marfat.com

سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ فن پارہ اپنی اصل میں کسی مرکز کے بجائے رشتوں کے نظام میں گھرا ہوا ہے جس کے پس پردہ ایک کوڈیا نظام کام کرتا ہے۔ یہ کوڈیا نظام ضروری نہیں کہ شعوری ہو بلکہ اِس کوڈ کا بعض اوقات خود فن کار کو بھی پتہ نہیں چلتا لیکن فن پارے کی تفہیم کے دوران ناقدین اُس کوڈیا گرامر تک پہنچ جاتے ہیں ۔نئی تنقید کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ فن پارے کی تفہیم کے دوران فن کار کی شخصیت میں موجود اُس خاص نظام تک پہنچنے کی کوشش کی جائے جو فن پارے کی تخلیق کا باعث بنا ہے

آیئے اقبال کے کلام کے ذریعے اُس نظام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شب معراج کے حوالے سے اقبال چار مصرعوں میں فرماتے ہیں

اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات (۲۶)

اقبال نے شب معراج کے حوالے سے عظمت انسان کا فلسفہ پیش کیا ہے۔ یہ فلسفہ انسانی ہمت اور محنت کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اقبال کے ہاں عمومی طور پر دو نظریے نمایاں نظر آتے ہیں

☆ فلسفۂ خودی

☆ فلسفۂ تحرک

فکری سطح پر فلسفۂ خودی (جو شخصیت کی تعمیر کا سب سے اہم عنصر ہے) کے ذریعے اقبال شخصیت کی تشکیل کا نظریہ پیش کرتے ہیں جبکہ فلسفۂ تحرک کے ذریعے عملی سطح پر زندگی کے مصائب سے نبرد آزما ہونے کا پیغام دیتے ہیں لیکن اِن دونوں نظریات کے پسِ پردہ ''عظمتِ انسان'' کا نظریہ موجود ہے

آقا کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے معراج کے واقعہ سے اقبال انسانی سطح پر دو نتائج اخذ کرتے ہیں:

۱) اللہ تعالیٰ کی اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت اور اِس توسط سے تمام انسانیت کے ساتھ اللہ کی محبت

۲) کائنات کے پھیلاؤ میں انسانی عظمت کا بیان۔

Marfat.com

رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں'' جیسا مصرع مسلمان کو اُس کے نظریے کی قوت کا احساس دلا کر زندگی میں آگے بڑھنے کا درس بھی دیتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ حضرت محمد ﷺ کی انبیاء کرام میں عظمت کا احساس بھی اجاگر کرتا ہے۔

ساختیات کے اصول نقد کو سامنے رکھیں تو اقبال کی شاعری کے پس پردہ فکری نظام کا پہلا او راہم نکتہ ''عظمتِ انسان'' ہے اسی عظمتِ انسان کا بیان اُن کی شاعری میں کائنات کے سب سے عظیم انسان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے بار بار آتا ہے۔ کہیں وہ حضورؐ کی شخصیت کو مثال بنا کر اپنے آج کا موازنہ کل سے کرتے ہیں اور کہیں وہ براہِ راست مناجات کے ذریعے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ عالی وقار میں اپنی درخواست پیش کرتے ہیں۔ ملت کے آج کا غم انہیں بار بار شاندار ماضی سے رجوع کرنے پر مجبور کرتا ہے اور وہ ہر ایسے لمحے میں مسلمانوں کے زریں ماضی کی جھلک دکھلا کر برعکس کیفیات (Contrast Imagination) کے ذریعے اپنے کلام میں شدت پیدا کرتے ہیں

نظم ''جنگ یرموک کا ایک واقعہ'' میں کہتے ہیں

ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضورؐ نے (۲۷)

خدائے غیور کے اُس کرم کو یاد کرتے ہوئے مسلمانوں کے اجتماعی شعور پر ضرب لگاتے ہیں۔ اُن کے ہاں نعت کا تصور بہت وسیع ہے۔ اقبال سرتاپا ملت بن چکے تھے۔ اُن کا انفرادی شعور مکمل طور پر اجتماعی شعور میں ضم ہو چکا تھا۔ آخر وہ صرف ملت کے بارے میں سوچتے تھے۔ وہ اور ملت ایک ہو چکے تھے۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ اقبال کی ساری ملی شاعری ہی دراصل ایک طویل نعت ہے تو اس کا مطلب اُس پسِ پردہ نظام کی معنوی سطح پر اس ایک کڑی کی دریافت ہے کہ مسلمان ملت کے ساتھ جُڑ کر ہی اس عالمی معاشرے میں اپنی بقاء کو قائم رکھ سکتا ہے

ملت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

جیسے شعر اُن کی اسی سوچ کے عکاس ہیں۔

اب اگر اقبال کی شاعری کے پسِ پردہ کوڈ (Code) کی تلاش کی جائے تو دوسرا اہم نکتہ یہ بنے گا:

Marfat.com

☆ اجتماعی شعور اور لاشعور کا انضمام

مسلم اجتماعی شعور کو اقبال نے اپنے اشعار سے مسلسل متحرک کرنے کی کوشش کی اور اُن کی شاعری معنوی سطح پر مسلم اجتماعی شعور کی ایک بڑی واضح اور مفصل تصویر بن کر سامنے آتی ہے اردو نعت کی روایت میں اقبال کا نام اسی لیے سرفہرست رکھنے پر مجبور ہوں انہوں نے اپنے نظریات کی شدت اور خلوص سے اردو نعت کے تصور کو وسیع کر دیا

جوابِ شکوہ میں کہتے ہیں

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں (۲۸)

اقبال کی شاعری کے پیچھے جو نظریاتی قوت ہے وہ عشق کی قوت ہے عشق سے مراد وہ کائنات کی افضل ترین شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ کے ساتھ امت کے عشق کو لیتے ہیں۔ یہ وہ عشق کی قوت ہے جو دنیا کے نظام کو تلپٹ کر سکتی ہے لیکن فکر کو عمل کے ساتھ مدغم کرنے کی بڑی کوشش ممکن نہ ہوسکیں اور مفکر کا خواب پورا نہ ہوسکا۔

اسی قوتِ عشق سے کام لینے کی نصیحت دیکھیے۔ کیا اسے نعت نہ سمجھا جائے

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

ملت کے غم کو اپنا غم سمجھ کر اقبال بار بار شاندار ماضی کی جانب پلٹتے ہیں اور ایسے ہر موقع پر انہیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت بحیثیت مصلح اعظم نظر آتی ہے۔ کہیں وہ آپ کی شان کو قرآنی حوالے سے بیان کرتے ہیں

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

Marfat.com

آقائے نام دار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان کا بیان تو مختلف شعراء کے ہاں اپنے اپنے انداز اور اپنی اپنی اہلیت کے لحاظ سے نظر آتا ہی ہے یعنی زندہ ماضی کی روایت تو اردو نعت کا لازمی حصہ بن ہی چکی ہے لیکن حال کے اثرات اور ماضی کا مستقبل سے ناطہ جوڑنے کی کوشش آج کی اردو نعت کی روایت بنی چاہیے تھی جو نہ بن سکی۔ اس معاملے میں ہماری تن آسانی مانع رہی۔ ہمارا شاعر قدماء کے طریقوں پر چلنے کا شوقین ہوا۔ محافل میں پڑھا جانے والا کلام اخباری کالم کی طرح مختصر زندگی کا حامل رہا۔ کلام میں فکری وفنی ہر دو سطحوں پر اغلاط عام ہوئیں۔ اس صورتِ حال کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ فکری سطح پر مضبوط کام کرنے والوں کی جگہ مرکز (Main Stream) میں ختم ہوتی چلی گئی۔ میں نے کہیں لکھا ہے کہ عوامی شاعری بھی بُری شاعری نہیں کہ اس شاعری کا قاری ادب کا طالب علم نہیں ہوتا لہذا آسان زبان میں اُمت کا استغاثہ یا انفرادی طور پر حالِ دل کا بیان اِس کا مطمحِ نظر ہوتا ہے۔ مقاصد کچھ بھی ہوں اگر اِس شاعری (نعت) میں عوام الناس کو متاثر کرنے کا کچھ نہ کچھ حصہ موجود ہے تو یہ شاعری بھی مناسب شاعری کہلا سکتی ہے لیکن مسئلہ یہ ہوا کہ پورا معاشرہ ایک خاص طرح کی اندھی دوڑ کا شکار ہوا۔ ادب معاشرے سے علیحدہ کچھ نہیں لہذا ادب بھی اِسی معاشی نابینا پن کا شکار ہوا۔ نعت خواں حضرات کے لیے معاشی آسودگی حاصل کرنے کا موقع تھا جسے انہوں نے ضائع نہیں کیا لیکن اس دوڑ میں ہمارا نعت گو شاعر اِس منفی تبدیلی کا حصہ بن گیا اور فنی طور پر بڑی شاعری اور فکری سطح پر عظیم یا کم از کم عمدہ شاعری کرنا بھی اُن کے لیے مشکل ہو گیا۔ شاعروں کی اس تن آسانی کی بڑی وجہ اردو نعت میں تنقید کے رواج کا نہ ہونا بھی ہے۔ بہر حال یہ ایک علیحدہ بحث ہے جو کسی دوسرے مضمون کی متقاضی ہے۔ انشاءاللہ اِس پر بھی کام ہوگا اور ان وجوہات کی تلاش کے ساتھ اِس کا حل بھی ڈھونڈا جائے گا۔

بات ہو رہی تھی فکرِ اقبال کی اقبال کی فکر میں بار بار خودی کا آنا دراصل اُس غیرت ایمانی کا بیان ہے جو مومن کی زندگی کا ہمیشہ حصہ رہی ہے۔ اقبال کے مردِ مومن کے بارے میں یہ بات کہی گئی کہ یہ نطشے کے سپر مین (Super Human) کا چربہ ہے۔ کہنے والے اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھے کہ غیرت ایمانی یا خودی کیا ہے؟ لہذا اقبال کا مردِ مومن جو بنیادی طور پر حضور کی سنت پر عمل کرنے والا ایسا مسلمان تھا جو فخر سے اپنا سر اوپر کر کے چل سکتا تھا۔ جو اپنی معاشی ضروریات کے لیے ہاتھ نہیں پھیلاتا جو زندگی کو اس کے وسیع تناظر میں دیکھتا اور سمجھتا ہے اقبال کا مردِ مومن دراصل اُس کا وہ خواب تھا جو فرد کے کردار اور ملت کی تشکیل میں اُس کا مددگار تھا لیکن آج ۲۰۱۵ء

Marfat.com

میں اُس مردِ مومن کا نشان بھی پوری مسلم امہ میں نہیں ملتا۔ علم بشریات (Anthropology) کے ماہرین آج اس بات کو اچھی طرح جان چکے ہے کہ افراد کے انفرادی کردار ملت کے اجتماعی کردار کا عکس ہوتے ہیں افراد بھیک پر پلنے لگیں تو اقوام پر بھی یہی اثرات مرتب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آج مملکت خداداد پاکستان میں بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے اور بحیثیت قوم ہم دنیا کی طاقت ور قوموں کے معاشی غلام بن چکے ہیں۔ ایسے میں پھر اقبال یاد آتے ہیں

تجھ کو چھوڑا کہ رسولؐ عربی کو چھوڑا　　بُت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا
عشق کو، عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا　　رسمِ سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثلِ بلال حبشی رکھتے ہیں

(شکوہ، صفحہ ۱۶۸)

اقبال کے ہاں زبان کا درست استعمال دیکھیے (قَرنی اور حَبَشی)

ایسے میں اقبال پھر شاندار ماضی کی طرف مڑتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ ریاست مدینہ میں افراد کے عظیم کردار نے نہ صرف اُن شخصیات کو آنے والے زمانوں تک کے لیے ممتاز کر دیا اور اِن شخصیات کے کردار نے ریاست مدینہ کو ایک عظیم ریاست کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آراء تو بھی ہو
وہ چمک اٹھا افق، گرمِ تقاضا تو بھی ہو　(نظم نوید صبح صفحہ ۲۱۱)

اقبال کی فکری اٹھان کا تعلق یورپ (انگلستان اور جرمنی) سے واپسی کے بعد اجتماعیت اور ملت کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اُن کی شاعری

"تری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی"

جیسے مصرعوں سے نکل چکی تھی۔ فکر تبدیل ہو رہی تھی علم کی تلاش میں یورپ گھومنے کے بعد مدینۃ العلم کی جانب رجوع ہو چکا تھا۔ شاندار ماضی اور باکردار اسلاف کی حیات کا مطالعہ شروع ہو چکا تھا زندگی کا رنگ تبدیل ہوتے ہی شاعری کا رخ بھی دین اور ملت کی جانب ہو گیا اور شاعری میں آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی سے فیض اٹھانے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔

Marfat.com

خوب ہے تجھ کو شعارِ صاحبِ یثرب کا پاس
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تُو مسلم نہیں
وہ نشانِ سجدہ جو روشن تھا کوکب کی طرح
ہوگئی ہے اُس سے اب نا آشنا تیری جبیں

تضمین بر شعر ابو طالب کلیم (طیابت اقبال صفحہ ۳۳۱)

اقبال کا فکری نظام اُن کے روایتی نعت لکھنے میں ہمیشہ مانع رہا۔ اُن کا خیال یقیناً یہی ہوگا کہ مسلمان کی شاعری نعت کے وسیع تناظر سے کبھی باہر نکل ہی نہیں سکتی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے مغرب کے زیر اثر آج کل ماؤں کا عالمی دن (Mother's day) یا والد کا عالمی دن (Father's day) منائے جاتے ہیں۔ مخالفین کا یہ سوال تو بڑا مناسب ہے کہ ایک دن منانے کے بعد باقی ۳۶۴ دن کیا کیا جائے؟ اصل میں یہاں بھی وہی مسئلہ ہے کہ کسی بھی انسان کی شخصیت اُس کے والدین کے اثر سے زندگی بھر باہر نہیں نکل سکتی۔ کسی ایک دن اُن کی خدمات کا اعتراف کرنا اُن کا مکمل حق ادا کرنے کے مترادف نہیں ہوسکتا۔ اقبال کے ہاں نعت کا حوالہ بھی اُن کی پوری زندگی اور ملت کی اجتماعی زندگی کا حوالہ تھا۔ وہ نعت یا سیرت کے مختلف موضوعات کو اپنی زندگی سے علیحدہ محسوس نہیں کرتے تھے لہذا ملت کے حوالے سے اُن کی پوری شاعرانہ زندگی میں تاجدارِ حرم حضرت محمد ﷺ ایک ایسی روشن مثال بن کر سامنے آتے ہیں جس کی بنیاد پر وہ ایک جدید اسلامی معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں۔

نظم "بلادِ اسلامیہ" میں کہتے ہیں:

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہِ مصطفیٰ ۔۔۔ دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں ۔۔۔ اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اُس شہنشاہِ معظم کو ملی ۔۔۔ جن کے دامن میں امان اقوامِ عالم کو ملی (۲۹)

اقبال کی فکر رسم و رواج سے ماوراء تھی۔ عمل اُن کے ہاں مومن کی بنیادی پہچان ہے وہ حج اور مدینہ کی زیارت کو زمانے کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے عشقِ محمد ﷺ سے سرشار نظر سے دیکھتے ہیں اور پھر زائرِ حرم سے کچھ یوں مخاطب ہوتے ہیں

زائرانِ کعبہ سے اقبال یہ پوچھے کوئی ۔۔۔ کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں
(کلیاتِ اقبال، صفحہ ۱۳۵)

Marfat.com

یہاں وہ بنیادی طور پر زائرانِ کعبہ سے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے کردار کی عظمت کا مطالبہ کرر ہے ہیں۔رسوم ورواج اور خانقاہی نظام کے قیدی مسلمان سے وہ ایک قدم آگے بڑھ کر یوں مخاطب ہوتے ہیں

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری

(کلیاتِ اقبال،صفحہ ۴۸)

اقبال کے بعد جس دوسرے اہم اسلوب کی بات کی جائے تو وہ روایتی نعتیہ اسلوب ہے جس کا تعلق کلاسیکی رنگِ شاعری سے ہے۔کلاسیکی غزل کے موضوعات میں بھی کائنات سے زیادہ ذات شامل رہتی ہے۔بالکل اسی طرح روایتی نعتیہ اسلوب بھی نعت میں ذاتی حوالوں سے سیدھے سادے انداز میں حال دل اور ہجر کی کیفیات کے بیان کے ساتھ ساتھ محبت رسولؐ سے لبریز دلی کیفیات کا حال شامل ہوتا ہے۔روایتی شاعری میں بہزادلکھنوی کا نام ایک صاحب اسلوب نعت نگار کے طور پر ہوتا ہے۔ابتداء میں حضرت بہزاد بھی غزل گو تھے اور یہ وہ وقت تھا جب شاعروں میں جگر مرادآبادی کا طوطی بول رہا تھا۔۱۹۰۴ء میں لکھنؤ(یوپی) میں پیدا ہونے والے بہزادلکھنوی (اصل نام سردار احمد) ابتداء میں غزل میں بڑے طمطراق سے وارد ہوئے اور جگر جیسے شاعر کو مشاعروں میں مقابلے کی فضاء فراہم کی۔

ماہرالقادری اِس ضمن میں لکھتے ہیں

''بہزادلکھنوی کے شعر خاصے اچھے ہیں،ان میں تغزل اور زبان دونوں کا چٹخارہ ہے مگر جہاں تک حضرت جگر کا تعلق ہے،وہ تغزل کی معراج ہے۔''(۴۰)

اور پھر یکایک نہ جانے کیسے کایا پلٹ ہوئی کہ بہزاد غزل سے نعت کے حلقے میں تشریف لے گئے اور ایسے آئے کی پھراسی زمین کے ہور ہے۔

میرے اِس مضمون میں نعت کے حوالے سے روایت کے ارتقائی عمل کا جائزہ لینے کا بنیادی مقصدان اسالیب کا جائزہ لینا ہے جواردو نعت میں آغاز سے اب تک آئے ہیں۔

روایتی کلاسیکی غزل سے نعت کی طرف راغب ہونے والے تمام نعت گوشعراء کا اسلوب عام طور پر ایک سا ہی رہتا ہے۔اس اسلوب کی کچھ خصوصیات عام طور پر یہ ہوتی ہیں

☆ کلاسیکی رنگِ غزل کے الفاظ کا استعمال

Marfat.com

☆ محبوب کا غزلیہ تصور قائم رکھتے ہوئے محبوبِ خدا کی تعریف کا بیان
(یہ جملہ روایتی نعت گو شعراء کو کچھ سخت محسوس ہوگا لیکن محبوب خدا حضرت محمد ﷺ کے جسمانی خدوخال اور سراپا انور کی تعریف کرتے ہوئے روایتی شعراء کے ہاں تصورِ محبوب مجازی حاوی رہتا ہے)۔

☆ غزل ایک مضبوط صنفِ سخن ہے اور غزل سے نعت کی طرف آنے والے شعراء کے ہاں شعوری سطح پر غزل سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ لامحالہ غزل کا اندازِ بیان نعت کے شعر میں اپنی پھبن دکھاتا ہے۔

☆ روایتی نعت کے موضوعات میں مدینے سے دوری کی تڑپ اور اپنے بے قرار دل کا حال بیان کرنے کا بیان شامل ہوتا ہے۔

بات ہو رہی تھی نعت کے روایتی اسلوب کی جس کا ایک اہم نام بہزاد لکھنوی ہیں۔ بہزاد کے ہاں تصوف کی فکر کے موجود ہونے اور سلسلۂ نیازیہ چشتیہ سے اُن کی بیعت ہونے کے باعث لہجے میں ایک مخصوص سوز و گداز در آیا تھا۔ نعت سے پہلے بھی اُن کے ہاں تصوف کے رنگ کی غزلیں موجود تھیں جو دل کی بدلتی ہوئی حالت کی عکاس تھیں۔

اے جذبۂ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آجائے
منزل کی طرف دوگام چلوں اور سامنے منزل آجائے

جیسی غزلوں سے چل کر وہ اِس منزل تک پہنچے

اوروں کی جفا یاد نہ اپنوں کی وفا یاد
اب کچھ بھی نہیں مجھ کو مدینے کے سوا یاد

اُن کے دل کی تڑپ اس نوعیت کی ہو چکی تھی کہ اُن کا غمِ ہجرِ مدینہ اب صرف اُن کا غم نہیں رہا تھا بلکہ یہ تڑپ ایک زمانہ محسوس کرتا تھا۔ ذاتی احساس کی معنوی تہہ داری کا حُسن جس طرح بہزاد کی شاعری میں نمایاں ہوتا ہے اُن کے ہم عصر نعت گو حضرات کے ہاں نہیں ملتا اور یہی وجہ ہے کہ روایتی نعت گوئی کے اجمالی حسن کی جو تابندگی حضرتِ بہزاد کے ہاں ملتی ہے دوسرے شعراء کے ہاں جذبے کی یہ کیفیت مفقود ہے۔

جب بطحا کی دل کو ہوئی آرزو مسکرانے لگا عالمِ رنگ و بو
ہر طرف سے بھرا دامنِ جستجو چار جانب سے ابرِ کرم آگیا!!

Marfat.com

جو سجدۂ پُرشوق ہے بیتاب جبیں میں
وہ سجدہ گزاروں گا سرِ کوئے مدینہ

بہزادلکھنوی کی نعتوں میں فنی سطح پر ایک نہایت مختلف خصوصیت جو مجھے محسوس ہوئی وہ طویل بحروں کے آہنگ سے اُن کی خصوصی دلچسپی ہے۔انہیں طویل اور نغمگی سے لبریز بحریں بہت پسند تھیں اور اِس نفسیاتی رجحان کی بنیادی وجہ اُن کا نعت گو ہونے کے ساتھ ساتھ نعت خوان ہونا بھی تھا۔۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۳ء تک کراچی ریڈیو سے ہر روز حضرت بہزاداپنی آواز میں نعت پیش کرتے تھے خود بھی روتے تھے اور سننے والے بھی اُس غمِ ہجر کو محسوس کر کے آبدیدہ ہوجاتے تھے جس کا اظہار وہ اپنی اکثر نعتوں میں کرتے تھے۔

حافظ نور احمد قادری نے اپنے ایک مضمون میں حضرت بہزاد کی نعت گوئی کو یوں بیان کیا

"بہزادلکھنوی کی شاعری ہجر مدینہ سے پیدا ہونے والی تڑپ سے عبارت ہے۔انہوں نے یادِ مدینہ کے حوالے سے ہجر وفراق کی کیفیات کونہایت موثر اشعار کا رُوپ دیا"(۳۱)

نعتیہ ادب میں عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ روایتی موضوعات کا استعمال شعراء حضرات زیادہ کرتے ہیں۔ بڑی فکر کی نعت کہنا عام طور پر اتنا آسان نہیں ہوتا۔ بہزادلکھنوی کے ہاں ہجر مدینہ وہ موضوع ہے جو دوسرے تمام مضامین پر حاوی نظر آتا ہے۔ جذبہ جب دل کی زبان بن کر آنکھوں سے بہنے لگے تو یہ جذبہ لفظوں کو طاقت ور کردیتا ہے۔ بہزاد کے ہاں بھی جذبے نے لفظوں کو کچھ ایسی قوت دی کہ محبت رسولؐ اور ہجر مدینہ تصویر ہوکر سامنے آگئے

اللہ اللہ ان کا کرم دیکھنا ہم تصور میں روضے پہ جانے لگے
پھر دلِ مبتلا کیف پانے لگا پھر مدینے کے دن یاد آنے لگے

اب دعا ہے یہی میری شام وسحر اور کچھ بھی نہیں میرے پیش نظر
اُن کے قدموں میں ہو زندگانی بسر آرزو بھی یہی مدعا بھی یہی

یہ کمالِ جستجو ہے کہ کمالِ آرزو ہے !!! جہاں بند آنکھ کرلی ہُوا روبرو مدینہ

میٹھی اور نغمگی سے لبریز بحور کا استعمال اور کیف اور تاثیر کے حُسن سے لبریز حالِ دل کا بیان بہزاد کی نعت کی وہ خصوصیت ہے جو انہیں اُن کے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہے میری رائے

Marfat.com

میں روایتی نعت کے اسلوب میں بہزاد لکھنوی کا نام سب سے اہم ہے۔

روایتی اسلوب میں بہزاد کے بعد جو نام اردو نعت نگاروں کی فہرست میں نگینے کی طرح چمکتا ہے وہ ہے حافظ مظہر الدین کا نام۔ اردو نعت میں روایتی اسلوب کے حامل شعراء کی فہرست مرتب کی جائے تو تصویر کچھ یوں بنے گی۔

امیر مینائی، محسن کاکوروی، غلام امام شہید، حضرت احمد رضا خان، کرامت علی شہیدی، بیدم وارثی، اکبر میرٹھی، حافظ پیلی بھیتی، مولانا ضیاء القادری، بہزاد لکھنوی، مولانا الطاف حسین حالی، حفیظ جالندھری، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر، شبلی نعمانی، ماہر القادری، حسرت موہانی، اور روایتی شعراء کی یہ فہرست حفیظ تائب سے چل کر ہلال جعفری اور بشیر ناظم تک جا پہنچتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کو ایک روایتی غزل گو کی غیر روایتی نعت سناؤں۔ جی ہاں حضرت جگر مراد آبادی نے نعت بھی کہی ہے۔۔۔

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِؐ مدینہ ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطانِؐ مدینہ
تو صبح ازل، آئینہ حسن اَزل بھی اے صل علیٰ صورتِ سلطانِؐ مدینہ
اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق تو خلد ہے توحتِ سلطانِؐ مدینہ
ظاہر میں غریب الغرباء پھر بھی یہ عالم شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِؐ مدینہ
کونین کا غم، یادِ خدا، دردِ شفاعت دولت ہے یہی دولتِ سلطانِؐ مدینہ
اس امت عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِؐ مدینہ
کچھ اور نہیں کام جگر مجھ کو کسی سے کافی ہے بس اِک نسبتِ سلطانِؐ مدینہ (۳۲)

نعت کے روایتی سفر میں مولانا حالی کے بعد محسن کاکوروی کا نام نمایاں رہا۔ محسن کاکوروی کی نعت میں علمی چاشنی کے ساتھ فصاحت و بلاغت اور روانی و سلامت اور ادبیت موجود تھی۔ غنائیت سے بھرپور بحور کا استعمال اُن کی نعت کو اُن کے عصر کی نعت سے جدا کرتا تھا۔ اُن کی نعتیہ مثنویاں "صبحِ تجلی" اور "چراغ کعبہ" نعتیہ ادب کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ اسی طرح اُن کے نعتیہ قصائد اور مسدس بھی نعتیہ ادب میں اہمیت کے حامل ہیں۔ "بادل والا لامیہ" ایک اہم نعتیہ قصیدہ ہے جس میں شکوہِ لفظی کے ساتھ ساتھ کیف وعقیدت بھی موجود ہیں۔

محسن کاکوروی کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

ارواحِ انبیاء کو وہ نسبت ہے تیرے ساتھ جو نسبت آفتاب سے ہے ماہتاب کی

Marfat.com

تا حشر تیری مدح سے ہو میری آبرو — اشراق اسی وضو سے ہو روز حساب کی
گلِ خوش رنگ رسول مدنی عربی — زیب داماں ابد طرّہِ دستار ازل
نہ کوئی اُس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر — نہ کوئی اُس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل

مثنوی "صبحِ تجلی" سے بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ان اشعار کا تعلق سرکارِ دوعالمؐ کی ولادت باسعادت سے ہے

ظلمت کا چراغ بے ضیاء ہے — انجم کا ستارہ ڈوبتا ہے
مہتاب کی چاندنی ڈھلی ہے — مریخ کی ست مشتری ہے
سامانِ ظہور کی ہے تمہید — قدرت پہ ہو رہی ہے تاکید
جان و دل مرسلین محمدؐ — روح روح الامیں محمدؐ (۳۳)

نعت کی روایت سے منسلک گلدستہ رنگ وخوشبو کا ایک اہم پھول جناب امیر مینائی ہیں۔ حضرت مینائی نعت کی اُسی روایت سے منسلک ہیں جس میں محبت وعقیدت سے اپنے جذبات کا بیان ایک خاص دائرے میں رہ کر کیا جاتا ہے۔امیر مینائی نے سلاست اور روانی کے ساتھ ساتھ ادب کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے اور اپنا سارا زور سرور کائنات حضرت محمدؐ کی ثناء وصفت بیان کرنے میں صرف کیا ہے۔

حضرت مینائی کا نمونہ کلام ملاحظہ کریں:

مدینے جاؤں ،پھر آؤں، مدینے پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

....

امت کو عشق سرور عالی صفات کا
طوفان حشر میں ہے سفینہ نجات کا

ایک مکمل نعت کے چند اشعار دیکھیے:

آئے تھے یوں ملائکہ حضرت کے سامنے
جیسے فقیر صاحبِ دولت کے سامنے
جتنے جری تھے خندق و بدر و حُنین میں
سب مردہ دل تھے آپؐ کی جُراءت کے سامنے

Marfat.com

چاہے جسے وہ دولتِ کونین بخش دے
پر بات کیا ہے اس کی سخاوت کے سامنے
مشکل نہیں ہے خنکیِ بارانِ تر امیر
اُس آفتابِ مہر وَ مروت کے سامنے

مولانا اسماعیل میرٹھی عام طور پر بچوں کے لیے کی گئی شاعری کے باعث مشہور ہیں لیکن ان کے ہاں نعت بھی اپنے روایتی جوش اور جذبات کے ساتھ موجود ہے۔ایک نعتیہ ترجیع بند کا ایک بند ملاحظہ کریں۔مولانا کی سرکارِ دو عالمؐ سے محبت اس سے عیاں ہو رہی ہے ساتھ ہی ساتھ زبان پر اُن کا عبور بھی نظر آرہا ہے:

خلیل حقؑ کی تھی جو اشارت   اور ابن مریم کی جو بشارت
ظہور احمد سے تھی عبارت   سمجھ گئے صاحبِ بصارت
کہ اب گری کفر کی عمارت   گھٹے گی فارس کی اب حرارت
مٹے گی روما کی اب شرارت   کٹے گی اب مصر کی امارت
خزانہ ہرقل کا ہوگا غارت   بڑھے گا تقویٰ بھی اور طہارت
ہے باغِ اسلام کو نقارت   نیا ہے سلطاں نئی وزارت

صلوٰۃ اُس پر سلام اُس پر
اور اُس کی سب آل باصفا پر
اور اُس کے اصحابِ باوفا پر
اور اُس کے احبابِ اتقیاء پر

زبان پر عبور اور تلمیحات کا سجا ہوا استعمال اس ترجیع بند کی بڑی خوبی ہے۔خلیل حقؑ کی بشارت (حضرت ابراہیمؑ کی دعا) اور ابن مریم کی بشارت (حضرت عیسیٰؑ کی حضورؐ کی آمد کے متعلق فرمانِ عالی شان) کا ذکر ہے۔اِس پورے بند میں تلمیحی اشارے موجود ہیں جو شاعری کو وقیع بنا رہے ہیں۔حضرت اسماعیل میرٹھی کی نعتیہ شاعری پر ایک تفصیلی اظہارِ خیال کی ضرورت ہے۔

غزل کی روایت میں حضرت ریاض خیرآبادی کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔مولانا خیر آبادی کے ہاں عقیدت ایک بڑے اور طاقتور جذبے کی صورت میں سامنے آتی ہے۔نعت میں بھی غزل کا آہنگ کہیں کہیں محسوس ہوتا ہے۔ایک نعت کے چند اشعار دیکھیں:

Marfat.com

نام کے نقش سے روشن یہ نگینہ ہو جائے
کعبۂ دل مرے اللہ مدینہ ہو جائے
وہ چمک درد کی ہو دل میں کہ بجلی چمکے
دامنِ طور ذرا آج یہ سینہ ہو جائے
تو جو چاہے ارے او مجھ کو بچانے والے
موجِ طوفانِ بلا اُٹھ کے سفینہ ہو جائے
آنکھ میں برق سر طور ہو گنبد کا عکس
شرف اندوزِ زیارت یہ کمینہ ہو جائے
دل رہے ہاتھ میں تیرے مرے پہلو کے عوض
چاہتا ہوں مری خاتم کا نگینہ ہو جائے
اُس کی تقدیر جو پامال ہو تیرےؑ در پر
اُس کی تقدیر کہ جو خاکِ مدینہ ہو جائے
جان کی طرح تمنا ہے یہی دل میں ریاض
مروں کعبہ میں تو منہ سُوئے مدینہ ہو جائے

پوری نعتیہ غزل میں غزل کا رنگ اور انگ نمایاں ہو رہا ہے "اُس کی تقدیر جو پامال ہو تیرے در پر" جیسے مصرعے غزل کی روایت کو نعت سے منسلک کرتے ہیں اور غزل کا فکری آہنگ نعت کے پردے پر اپنا عکس بناتا نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خان نعت کی روایت کا ایک بڑا اور اہم نام ہیں۔نعت اور عشق رسولؐ ان کی زندگی کا سرمایہ تھا اور انہوں نے ہمیشہ فکری سطح پر اس سرمائے میں اضافے کی کوشش کی۔ڈاکٹر طاہر احمد فاروقی مولانا احمد رضا خان کے متعلق کچھ یوں رقمطراز ہیں:

''حضرت مولانا امام احمد رضا خان صاحب کا مجموعۂ نعت 'حدائقِ بخشش' کے نام سے چھپ چکا ہے۔بڑے قادر الکلام اور معجز بیان نعت گو تھے۔تمام کلام عقیدت و نیاز اور عشق و محبت کے جذبات سے لبریز ہے۔''(۳۴)

امام احمد رضا خان کے نعتیہ کلام کے محاسن بیان کیے جائیں تو کچھ ایسا عکس حاصل ہوگا

۱۔ عشق اور عقیدت کی ایسی آفاقی سطح جہاں محبت رسولؐ زندگی کا مقصد اور حاصل بن جائے

Marfat.com

۲۔ فکری سطح پر عقیدت سے لبریز موضوعات کا استعمال

۳۔ زبان و بیان میں مقامیت (ہندی کے اثرات)

نعتیہ کلام دیکھیے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں   تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

حاجیو آؤ ! شہنشاہ کا روضہ دیکھو   کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں   جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے   تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

صبح طیبہ میں ہوئی ، بٹتا ہے باڑا نور کا   صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اُن کا مشہور و معروف سلام جو نعت کی محفلوں کی زینت بنتا رہا ہے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام   شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا   اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام (۳۵)

نعت کی روایت سے منسلک شعراء کے ہاں لفظوں کا دروبست بھی غزل سے ہی آتا ہے میں اِس بات کا اظہار پہلے بھی کر چکا ہوں کہ غزل کی روایت کا اثر ہماری نعت پر ایک عرصہ تک موجود رہا اور اب بھی یہ اثرات روایتی نعت گو حضرات کے ہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اِس کی بنیادی وجہ غزل کی صنف کا طاقتور ہونا ہے۔ برصغیر میں غزل فارس سے آئی اور فارسی میں غزل ایک محدود اثر رکھتی تھی تاہم اردو میں یہی غزل اپنے گہرے اثرات کے ساتھ باقی اصنافِ شاعری پر اثر انداز ہوئی۔ اردو نعت بھی آغاز میں اس اثر سے نہ بچ سکی اور نعت کے روایتی شعراء پر غزل کے اثرات پڑتے رہے۔

نعت گو شاعر حافظ خلیل الدین حسن (حافظ پیلی بھیتی) کی ایک نعت ملاحظہ کریں جس میں غزل کی کرم فرمائیاں نمایاں ہیں۔ فکری سطح پر عقیدت سے لبریز اِس نعت میں غزل کے روایتی موضوعات کا استعمال بھی ہوا ہے۔

آنکھ میں پھرتی ہے وہ شوخیِ رفتار جدا
تڑپا جاتا ہے جدائی میں دلِ زار جدا

وہی اچھے رہے محشر میں جو رحمت برسی
بے گناہوں سے کھڑے تھے جو گنہگار جدا

Marfat.com

دل و جاں لوٹتے ہیں عشق نبی میں دن رات
لذتِ درد جدا ، لذتِ آزار جدا

خاک پر لوٹتے ہیں کوئے نبی میں دونوں
نورِ خورشید جدا ، سایۂ دیوار جدا

آبلے پھوٹ کے روئیں گے رہِ طیبہ میں
میرے تلوؤں سے اگر کوئی ہوا خار جدا

دیکھنے سننے کا وہ شوق کہ دیکھا نہ سنا
ذوقِ دیدار جدا ، لذتِ گفتار جدا

چلتا پھرتا رہے دن رات مگر کیا ممکن
ان کی دیوار سے ہو سایۂ دیوار جدا

سر اگر تن سے جدا ہو تو جدا ہو حافظ
سر سے ہوگا نہ درِ احمد مختار جدا

پوری نعت میں فکری سطح پر نعت کے خوبصورت اور عقیدت سے لبریز مضامین کے باوجود غزل کا ذائقہ محسوس ہو رہا ہے۔"لذتِ درد جدا، لذتِ آزار جدا" یا "میرے تلوؤں سے اگر کوئی ہوا خار جدا" جیسے مصرعوں میں غزل کا آہنگ شاعر کی فطری طور پر غزل سے قربت کو ظاہر کر رہا ہے ۔روایت سے تعلق رکھنے والے شعراء غزل کی کلاسیکی روایت سے علیحدہ اپنا نظام فکر و فن ترتیب دینے میں کامیاب نہیں ہو پاتے اس میں غزل جیسی طاقتور صنف سخن کا ہاتھ تو ہے ہی شعراء کی اپنی نفسیاتی کیفیات اور نئے راستوں کی تلاش سے فطری طور پر دور رہنے کی خواہش ہے۔روایت سے منسلک شعراء کے ہاں بعض اوقات غزل اور نعت کے درمیان حد فاصل قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے:

چلتا پھرتا رہے دن رات مگر کیا ممکن
ان کی دیوار سے ہو سایۂ دیوار جدا

ان اشعار میں غزل کی رنگا رنگی نعت کی نسبت نمایاں ہے۔

غزل کی روایت سے منسلک شعراء میں کچھ شعراء کے ہاں تصوف برائے شعر گفتن ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ تصوف کو زندگی کا حصہ سمجھتے ہوئے آقا کریم کی تعریف و توصیف کا بیان ایک خاص رنگ میں کرتے ہیں۔غزل کی سطح پر یہ رنگ خواجہ میر درد کے ہاں نمایاں رہتا ہے:

Marfat.com

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا (۳۶)

نعت میں یہ متصوفانہ احساس کی حامل شاعری حضرت بیدم وارثی کے ہاں نظر آتی ہے۔ بیدم وارثی کے ہاں محبت وعقیدت کی سطح روایتی نعت گو شعراء سے مختلف نظر آتی ہے۔

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھنچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
طوبیٰ کی جانب تکنے والو، آنکھیں کھولو، ہوش سنبھالو
دیکھو قدِ دل جوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نام اسی کا بابِ کرم ہے، دیکھ یہی محرابِ حرم ہے
دیکھو خمِ ابروئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عقیدت وبندگی اور نیاز ومحبت کا یہ انداز ایک خاص طرح کی تخلیقی بلندی کا حامل ہو جاتا ہے جب اِس میں اہل صفا کی محبت کا رنگ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ غزل میں آج موجودہ دور میں حقیقت کو جاننے کی خواہش رکھنے کا انداز عام نہیں۔ یہ راستہ اتنا مشکل ہے کہ عامی اِس پر چلنے کا نہیں سوچتے۔

معروف غزل گو وفا چشتی کے ہاں فکری سطح پر اہل صفا کی روایت سے جڑ کر اپنا راستہ تلاش کرنے کا رجحان ہے

ابھی تلک مرے پیکر کی مٹی چاک پر ہے
ابھی تلک مرا موجود بھی ہے ناموجود (۳۷)

اردو نعت میں خواجہ محمد اکبر میرٹھی معروف نعت گو رہے ہیں۔ اُن کے ہاں سادگی کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرنے کا رجحان موجود ہے، مشہور نعت جو ایک زمانے سے نعت کی محافل کی زینت بن رہی ہے:

ثانی ترا کونین کے کشور میں نہیں ہے
بس حد ہے کہ سایہ بھی برابر میں نہیں ہے
ہو جلوۂ محبوب کے کیا ماہِ مقابل
اُس چاند کے دھبہ ،رخِ انور میں نہیں ہے

Marfat.com

اسی طرح ایک دوسرے اکبر یعنی اکبر وارثی میرٹھی (میلادِ اکبر والے) کے ہاں بھی نعت کا اسلوب سادہ مگر خلوص سے سجا ہوا ہے۔مشہور معروف سلام

یا نبی سلام علیکَ یارسول سلام علیکَ

یا حبیب سلام علیکَ صلوٰۃ اللہ علیکَ (۳۸)

محافل کی زینت بنتا ہے اور سرور کائنات سرکارِ مدینہ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے لکھنے والے کے لیے بھی خیر و برکت کا موجب ہوتا ہے۔

حمید صدیقی لکھنوی بھی ایک ایسے نعت گو شاعر تھے جو بہت معروف نہ ہو سکے تاہم غزل کی ادبی کلاسیکی روایت سے جڑی ہوئی نعت اُن کا خاصہ تھا

کرو ہم صفیرو مدینے کی باتیں یہی ہیں حقیقت میں جینے کی باتیں

تقاضا غلامی کا یہ کہہ رہا ہے کہ دن رات ہوں بس مدینے کی باتیں

حمید صدیقی کا ایک اور نعتیہ شعر ملاحظہ کریں:

یہ کس کا تصور ہے کہ ہم جھوم رہے ہیں

ہم ہی نہیں خود دیر و حرم جھوم رہے ہیں

مولانا حالی اردو شاعری میں ایک نہایت اہم نام ہیں۔جدید شاعری میں اصلاح کا کارنامہ انہی کے نام رہا ہے۔ان کی مشہور کتاب "مقدمہ شعر و شاعری" ہے جس میں انہوں نے اچھی عمدہ اور عظیم شاعری کی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے خود مولانا کے ہاں سادگی اور خلوص کے جذبات شاعری اور تنقید دونوں جگہوں پر نظر آتے ہیں۔

مقدمہ شعر و شاعری میں شعر کے پر اثر ہونے کے حوالے سے لکھتے ہیں

''شعر کی تاثیر سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔سامعین کو اِس سے حُزن یا نشاط یا جوش یا افسردگی کم یا زیادہ ضرور ہوتی ہے۔''(۳۹)

مولانا الطاف حسین حالؔی کا مذہبی ادبیات میں سب سے بڑا کارنامہ "مسدس حالؔی" (مسدس مدو جزر اسلام) ہے جس کے متعلق سر سید احمد خان نے کہا تھا کہ کل دنیا سے عقبیٰ کی طرف جانے پر اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے کہ دنیا سے کیا تحفہ لائے تو میں کہہ دوں گا کہ حالؔی سے مسدس لے کر آیا ہوں۔

حالی کا اسلوب رنگینی الفاظ سے عبارت نہیں تھا۔وہ سادہ الفاظ اور سادہ بحور میں دل کی

Marfat.com

بات کہہ دیتے تھے۔ طرحی غزلوں کے مشاعروں کی طرز پر موضوعاتی نظموں کے مشاعرے مولانا محمد حسین آزاد کے ساتھ مل کر برصغیر میں پہلی بار انہوں نے ۱۸۶۵ء میں ترتیب دیے اور اِن مشاعروں میں فطرت اور اخلاقِ حسنہ کے حوالے سے خوبصورت نظمیں کہی گئیں۔

پروفیسر عابد علی عابد نے "اسلوب" پر بحث کرتے ہوئے ایک بہت خوبصورت بات کہی (اگرچہ یہ الفاظ پروفیسر مرے کے ہیں) "اگر اسلوب کی سائنٹفک تعریف کرنے کی کوشش کی جائے تو جمالیات اور اصولِ انتقاد دونوں کو کھنگالنا پڑے گا۔" (۴۰)

حالؔی کا نعتیہ اسلوب بھی سادہ اور رواں تھا۔ اُن کے ہاں نعت خالصتاً جمالیاتی کیفیات کا مرقع بن کر سامنے آتی ہے۔ رقیق القلبی اُن کے مزاج کا حصہ تھی لہذا گریہ اور عاجزی نعتیہ شاعری میں نمایاں ہے۔ مولانا کے حوالے سے ڈاکٹر طاہر فاروقی نے لکھا

"مسدس میں مولانا حالؔی نے نعت بھی بالکل نئے اچھوتے، انوکھے اور دل پذیر انداز سے پیش کی ہے" (۴۱)

مسدس کے کچھ منتخب بند ملاحظہ کریں

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوا
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا

حالؔی کے ہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے اور دنیا میں ایک مکمل تبدیلی کا احوال خالصتاً عمرانی معاملہ بن کر سامنے آتا ہے اور وہ اِس سے دنیا میں ہونے والے تغیرات کو اجتماعی سطح پر محسوس کر کے نتیجہ قائم کرتے ہیں

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

Marfat.com

پڑا ہر طرف غُل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

اوراب مولانا کی مسدس کے ضمیمہ "مناجات" کے تین اشعار دیکھے۔گریہ اور عجز احساس و بیان کے ساتھ سرور کائناتؐ کے حضور دعا کا منظر دیکھیں

اے خاصۂ خاصان رُسلؐ وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

مولانا حالی کے زمانے میں عام شاعری کے ساتھ ساتھ نعتیہ شاعری بھی نئے نئے اسالیب اختیار کر رہی تھی۔مولانا حالی کے بعد اردو شاعری میں نعت کا سب سے بڑا نام مولانا ظفر علی خان کا ہے۔اُن کی نعت اُن کی شخصیت کی طرح جوش اور زور سے بھری ہے۔سوز و گداز کی کیفیات بھی ایک خاص تناظر میں حاصل ہوتی ہیں۔مولانا ملی شاعری میں بھی اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔وہ جس جوش و جذبے سے آزادی کی جنگ میں شریک تھے نعت میں بھی اُن کا اسلوب انہی کیفیات کا ترجمان رہا

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تم ہی تو ہو

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والےؐ نے بتلا دیا چند اشاروں میں

مولانا محمد علی جوہر کا نام آزادیٔ ہند کے بڑے سرکردہ رہنماؤں میں ہوتا ہے۔مولانا آزادیٔ ہند کے ایک سرکردہ سپاہی تھے۔گول میز کانفرنس میں اپنی آخری تقریر کے دوران میں

Marfat.com

انہوں نے فرمایا تھا:

''میں غلام ملک میں واپس جانے سے بہتر اِسی سرزمیں پر مرنا پسند کروں گا۔آپ کو مجھے آزاد وطن دینا ہوگا یا قبر کی جگہ۔''

اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ اُس مردجری نے غلام سرزمین پر قدم نہیں رکھا اور لندن میں اپنی وفات کے بعد بیت المقدس میں دفن کیے گئے۔مولانا کی شاعری لوگوں تک نہ پہنچ سکی کہ صحافت اُن کا پیشہ ہی نہیں بلکہ زندگی بن چکا تھا۔بہت کم لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ وہ ایک بلند پایہ غزل گو اور نعت گو شاعر بھی تھے۔اُن کے روز وشب عشق نبیؐ سے سجے ہوئے تھے۔اُن کے نعتیہ اشعار میں سوز وگداز،مٹھاس اور رنگینی بیان بھی ملتا ہے

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے
ہر غیب سے سامانِ بقاء میرے لیے ہے
کیوں ایسے نبیؐ پر نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے
اچھے تو سبھی کے ہیں برا میرے لیے ہے

اور حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں سلام کا یہ نہایت مشہور شعر:

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

مشہور مورخ اور انشاء پرداز شبلی کی شاعری کی صلاحیتیں بھی عوام تک اس طرح نہ پہنچ سکیں جیسے انہیں پہنچنا چاہئے تھا اور اِس کی بڑی وجہ اُن کی طاقت ور نثر اور تاریخ دانی تھی۔علامہ شبلی کے ہاں نعت بھی اُسی طاقتور اندازِ فن کی نمائندگی کرتی ہے جس سے اُن کی نثر متصف ہے

مولانا شبلی نے حضور کی ہجرت اور مدینہ منورہ میں تشریف لانے کو کچھ یوں نظم کیا:

جب کہ آمادۂ خوں ہوگئے کفارِ قریش
لاجرم سرورِ عالم نے کیا عزمِ سفر

Marfat.com

کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز
نیم جاں، خوفِ عدو، ترکِ غذا بختی راہ
ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت کی سحر

شاہنامہ اسلام کے خالق ابوالاثر حفیظ جالندھری نے استعاراتی اور تشبیہاتی انداز شعر اختیار کیا اور نعت میں ایک نیا اسلوب متعارف کروایا جو ان کے ہمعصر اقبالؔ کے ہاں بھی موجود تھا تاہم اقبال کی خصوصیت اُن کا اسلامی تاریخ سے لگاؤ تھا۔ حفیظ جالندھری کا ایک سلام بہت مقبول ہوا:

سلام اے آمنہ کے لال! اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی
ترے آنے سے رونق آ گئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربانی

مولانا ماہر القادری کے ہاں غزل کے آہنگ میں نعت کی عقیدتیں نمایاں نظر آتی ہیں۔ "ذکر جمیل" ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ تھا۔ اُن کے لکھے ہوئے سلام کو بہت شہرت حاصل ہوئی اور یہ سلام اپنے زمانے میں زبان زدِ عام ہوا۔

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دست گیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

ادیب رائے پوری پہلے نعت خوان ہوئے اور پھر رب کریم نے انہیں نعت گوئی کا شرف بھی بخش دیا۔ "مقصودِ کائنات" اور "نذرانہ اشک" اُن کے نعتیہ مجموعہ ہائے کلام ہیں۔

خدا کا ذکر کرے ذکرِ مصطفیٰ ﷺ نہ کرے
ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے

حافظ لدھیانوی روایتی کلاسیکی اندازِ شعر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے ہاں نعتیہ غزل سے زیادہ نظموں کی جانب رجحان رہا۔ "ثنائے خواجہ" ان کا اہم نعتیہ مجموعہ ہے۔ ڈاکٹر عزیز احسن اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں

"حافظ لدھیانوی نظم گوئی کی طرف زیادہ مائل تھے۔ ان کی نعتیہ غزلوں میں بھی نظم کا سا تسلسل ہوتا ہے" (۴۲)

Marfat.com

حافظ مظہر الدین اُس نعتیہ ادبی روایت کے نمائندہ رکن تھے جنہوں نے نعت کو اپنا تمام تخلیقی لہجہ فراہم کیا۔ اُن کے ہاں نعت عقیدت ومحبت سے حضور آقائے نامدارؐ کے سامنے پیش ہونے کا نام تھا۔ سوز، گداز اور عقیدت ان کے کلام کا نمایاں جُزو تھا۔ نعتیہ مجموعے تجلیات، جلوہ گاہ، بابِ جبریل کے نام سے شائع ہوئے۔ ۲۰۱۳ء میں ارسلان احمد ارسل نے " کلیاتِ مظہر " ترتیب دی۔

نبی کی نعت جو قرطاس پر رقم کی ہے
تو پہلے ہم نے محبت میں آنکھ نم کی ہے
ادب ہے شرط کہ طیبہ ہے منزلِ محبوب
بہ ہوش باش! کہ یہ سرزمیں حرم کی ہے (۴۳)

خورشید رضوی رقمطراز ہیں

"جناب حافظ مظہر الدین وہ شاعر خوش گفتار وخوش آہنگ ہیں جن کے کلام پر کہنگی کی گرد نہیں چڑھ سکتی" (۴۴)

ہلال جعفری تمام عمر حمد ونعت کے راستوں کے مسافر رہے۔ نعتیہ قطعات اور نعتیہ تضامین کے حوالے سے اُن کا کلام وقیع اور اہم ہے۔ کاسۂ ہلال، کشکولِ ہلال اور توشۂ ہلال ان کے اہم ترین نعتیہ مجموعے ہیں۔

اللہ رے یہ حسن سفر کیسا لگے گا — معراج کی منزل پہ سفر کیسا لگے گا
جس ہاتھ سے لکھوں گا محمد کا قصیدہ — اس ہاتھ میں جبریل کا پر کیسا لگے گا (۴۵)

حفیظ تائب کا نام مدحت رسول کے حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ نعت کے اُس روایتی رنگ سے وابستہ تھے جہاں عقیدت اور محبت سے دربار مصطفوی میں حاضری کو نعت کی صورت میں ڈھالا جاتا ہے۔ انہوں نے نعت گوئی کے تقاضوں کو اہمیت دی اور سیرت نبی ﷺ کے مطالعے سے موضوعات نعت میں نمایاں اضافہ کیا۔ وہ فکری سطح پر موضوعات میں تنوع اور فنی سطح پر نت نئے لفظی تجربات کے باعث اپنے ہمعصر نعت گو شعراء میں ممتاز ٹھہرے۔ "صلوا علیہ والہ" اور "وسلموا تسلیما" اُن کے نعتیہ مجموعہ ہائے کلام ہیں جبکہ کلیات بھی ترتیب دیا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں:

"وسلموا تسلیما کی تخلیق میں شعری جمالیات پر شاعر کی توجہ اور اسلوبیاتی حسیت کا بھرپور تاثر جھلک رہا ہے" (۴۶)

Marfat.com

علامہ بشیر حسین ناظم اردو نعت کی روایت کے ایک اہم شاعر ہیں جن کے ہاں کثیر اللسانی اندازِ فن نمایاں رہا۔مشکل بحر اور زمینوں میں نعت کہنا اُن کی نمایاں خصوصیت رہی۔ترجمہ نگاری سے بھی دلچسپی رہی۔مختلف زبانوں پر عبور کے باعث بعض اوقات اشعار علمی بلندی تو حاصل کرتے لیکن شعریت میں کچھ کمی رہ جاتی "جمالِ جہاں افروز"اہم ترین نعتیہ مجموعہ تھا جس میں غالب کی زمینوں میں بانوے نعتیں کہی گئی ہیں۔فارسی ماہیہ کے شاعر اول کہلانے والے علامہ ناظم نے حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کے مشہور عالم سلام" مصطفیٰ جانِ رحمت" کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

"Countless Salutations Be Upon The Chosen One.The Soul Of Mercy,Countless Salutations Be Upon The Divine Candle Of Assembly Of Guidance. *(The Staright Path)* (47)

اردو نعت کی روایت کے ارتقائی مراحل ابھی جاری ہیں۔نعت کے سمندر میں ہر شخص اپنی اپنی بساط کے مطابق آبِ رنگ ونور حاصل کر رہا ہے۔بہت سے نام ایسے ہیں جو نعت کی کلاسیکی روایت سے بھی تعلق رکھتے تھے اور اپنے جدید آہنگ کے باعث جدیدیت کی جانب بھی قدم رکھتے تھے۔میں نے اُن حضرات کو جدیدیت کے حوالے سے دیکھنا اور اُن کے فن کو سمجھنا مناسب جانا ۔چند اہم ترین نام میں عبدالعزیز خالد،مظفر وارثی،حنیف اسعدی،عاصی کرنالی،اظہار الحق،علی یاسر،جنید آزر،سلیم کوثر،سعود عثمانی،صبیح رحمانی،عباس تابش،خورشید رضوی، مجتبیٰ حیدر شیرازی ،وفا چشتی،حافظ نور احمد قادری اور ضیاء الدین نعیم شامل ہیں۔اردو نعت نے اردو غزل کی طرح ایک طویل سفر تو طے نہیں کیا تاہم تھوڑے وقت میں شعراء کرام اور نقاد حضرات نے نعت کو ایک مستقل صنفِ سخن بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔روایت کو صرف ایک تسلسل سمجھنے سے فکری تضاد ات سامنے آ رہے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ روایت کو موجود سے ناموجود اور ظاہر سے باطن کی جانب سفر سمجھ کر نعت کی ادبی روایت پر نظر ڈالی جائے تو اُس سے بہتر نتائج حاصل ہوں گے۔اور ہم ناموں کی طویل فہرست سازی کے بجائے نعت کے نت نئے رجحانات کو سمجھنے اور سمجھانے کے قابل ہو سکیں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

حوالہ جات

(۱) مضمون "روایت اور نئی تخلیق"، "مشمولہ" نئی تنقید"، صدیق کلیم (مرتبہ) نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد ۲۰۰۷ء، صفحہ ۲۷

(۲) تعلیم وتدریس (مباحث ومسائل)، ڈاکٹر مشتاق الرحمان، صفحہ ۳۴۸

(۳) تیسری دنیا کا افسانہ، مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، خالدین، لاہور، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۲۶

(۴) اشاراتِ تنقید، سید عبداللہ، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۷۶ء، صفحہ ۱۱۹

(۵) ایلیٹ کے مضامین، ٹی ایس ایلیٹ، (ڈاکٹر جمیل جالبی۔مترجم) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء، صفحہ ۱۸۵

(۶) نعت اور تنقید نعت، سید ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، صفحہ ۵۹

(۷) مدینے کے قریں، مسرور جالندھری، بزم شعر وادب، اسلام آباد ۲۰۰۴ء

(۸) اشارہ (شعری مجموعہ)، جنید آزر، بیلا پبلی کیشنز اسلام آباد ۲۰۱۱ء

(۹) اشارات تنقید، صفحہ ۸

(۱۰) نعت اور تنقید نعت، صفحہ ۱۰۷

(۱۱) نعت رنگ نمبر ۲۴، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، صفحہ ۲۲۳

(۱۲) لیکچر (غیر مطبوعہ) ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، اسسٹنٹ پروفیسر AIOU اسلام آباد

(۱۳) نعت اور تنقید نعت، صفحہ ۲۱۹

(۱۴) ،مقدمہ شعر وشاعری، الطاف حسین حالی، مولانا، صفحہ ۵۷

(۱۵) معنی اور تناظر، وزیر آغا، ڈاکٹر

(۱۶) معنی اور تناظر، وزیر آغا، ڈاکٹر

(۱۷) نعت اور تنقید نعت، صفحہ ۳۲

(۱۸) تیسری دنیا کا افسانہ، مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر

(۱۹) اردو ادب بیسویں صدی میں، خالد ندیم، پروفیسر، عبداللہ برادرز پبلشرز لاہور

(۲۰) تنقیدی دبستان، سلیم اختر، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، صفحہ ۱۳۴

(۲۱) تنقیدی دبستان، سلیم اختر، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، صفحہ ۱۱

(۲۲) معنی اور تناظر، وزیر آغا، ڈاکٹر، صفحہ ۳۰

(۲۳) نئی تنقید، وزیر آغا، ڈاکٹر، صفحہ ۴۷

(۲۴) کلیاتِ اقبال، اقبال، علامہ، شیخ غلام محمد اینڈ سنز لاہور

(۲۵) معنی اور تناظر، وزیر آغا، ڈاکٹر، صفحہ ۹۲

Marfat.com

(۲۶) کلیاتِ اقبال، اقبال، علامہ، شیخ غلام محمد اینڈ سنز لاہور

(۲۷) کلیاتِ اقبال، اقبال، علامہ، شیخ غلام محمد اینڈ سنز لاہور

(۲۸) کلیاتِ اقبال، اقبال، علامہ، شیخ غلام محمد اینڈ سنز لاہور، صفحہ ۲۰۲

(۲۹) کلیاتِ اقبال، اقبال، علامہ، شیخ غلام محمد اینڈ سنز لاہور، صفحہ ۱۳۶

(۳۰) مضمون "یادِ رفتگان" مشمولہ جہان نعت کراچی (بہزاد لکھنوی نمبر) صفحہ ۴۶

(۳۱) مضمون "شیدائے مدینہ حضرت بہزاد لکھنوی" مشمولہ جہان نعت کراچی (بہزاد لکھنوی نمبر)

(۳۲) اقبال اور محبت رسولؐ، طاہر فاروقی، ڈاکٹر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور

(۳۳) اقبال اور محبت رسولؐ، طاہر فاروقی، ڈاکٹر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور

(۳۴) اقبال اور محبت رسولؐ، طاہر فاروقی، ڈاکٹر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، صفحہ ۱۲۴

(۳۵) حدائق بخشش، احمد رضا خان، مولانا

(۳۶) دیوان درد، میر درد، خواجہ

(۳۷) دریاب، وفا چشتی، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء

(۳۸) میلادِ اکبر، اکبر وارثی میرٹھی

(۳۹) مقدمہ شعر و شاعری، صفحہ ۹

(۴۰) اسلوب، عابد علی عابد، سید، مجلس ترقی ادب لاہور، صفحہ ۴۰

(۴۱) اقبال اور محبت رسولؐ، طاہر فاروقی، ڈاکٹر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، صفحہ ۱۳۲

(۴۲) ادبیات (نعت نمبر)، صفحہ ۲۴۷

(۴۳) کلیات مظہر، حافظ مظہر الدین، ارفع پبلشرز لاہور، صفحہ ۹۷۰

(۴۴) کلیات مظہر (بیک ٹائٹل)

(۴۵) توشہ ہلال، ہلال جعفری، سید، صفحہ ۲۱، ۲۲

(۴۶) ادبیات (نعت نمبر)، صفحہ ۲۵۰

(۴۷) سلام رضا Salam-E-Raza، ترجمہ علامہ بشیر حسین ناظم، ادارہ تحقیقات احمد رضا خان (انٹرنیشنل اسلام آباد)، ۲۰۰۱ء

☆☆☆

Marfat.com

اُردو نعت اور جدیدیت

اردو نعت پر جدیدیت کے اثرات کے مطالعے سے قبل ہمیں اردو ادب اور جدیدیت کے رشتے کو سمجھنے کی ضرورت ہوگی۔ دنیا کے ہر ثقافتی منظر نامے کی طرح اردو ادب کی ثقافت بھی اپنی پیدائش سے ہی مختلف اثرات کے زیرِ سایہ پروان چڑھی۔ آج قلی قطب شاہ اور "رانی کی کیتکی کی کہانی" کے زمانے کی اردو کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی اور امتیاز علی عرشی جیسے علماء سے مدد لینی ہوگی۔ زبان کی ساخت میں تبدیلی سے قطع نظر ہر عہد اپنا فکری منظر نامہ بھی خود مرتب کرتا رہا ہے۔ زبان کا معاملہ ہو یا فکری تغیرات کا مسئلہ دونوں صورتوں میں

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

کے مصداق تبدیل ہوتی ہوئی ادبی صورتحال کو سمجھنا ضروری ہوگا۔

جدیدیت کا تعلق ارضیاتی مسائل سے ہے۔ ذات، محبت اور سماج اِس کے اہم عناصر ہیں۔ جدیدیت روایت سے مختلف ہے کہ یہ تبدیل ہوتے ہوئے سماجی منظر نامے سے خود کو ہم آہنگ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جدیدیت کے لیے ارضیت کا لفظ استعمال کرنے کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان کی کائنات میں شناخت اور عدم تحفظ کے مسئلے کو اٹھاتی ہے جبکہ دوسری طرف یہ زمین سے انسانی رشتے کو نئی شکل فراہم کرتی ہے۔ اجتماعی شعور اور لاشعور کی پرکھ کا فریضہ بھی اِسی زاویہ فکر کو انجام دینا پڑتا ہے۔

جدیدیت نظم کا فکری حصہ بھی بنی اور نثر میں بھی روایت سے آگے نئے راستوں کی نشاندہی کرتی رہی ہے۔

جدیدیت کو اگر نکات کی صورت میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو منظر کچھ یوں بنے گا

☆ اجتماعی شعور اور لاشعور کا مطالعہ

Marfat.com

☆ شناخت بحیثیت اکائی
☆ معنی کی مرکزیت
☆ زمین سے فرد کا تعلق
☆ اساطیری رنگ سے کائنات اور فرد کے درمیان تعلق کا مطالعہ
☆ لفظ و معنی کے درمیان نئے رشتوں کی تلاش
☆ ساخت اور ردِ ساخت کے مسائل
☆ لکھاری اور لکھت (فن کار اور فن پارہ) کے درمیان نئے معنوی رشتوں کی تلاش

جدیدیت بنیادی طور پر جدید حسیت سے عبارت ہے تاہم یہ اپنے موضوعات کو ادب سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش ہے۔ روایت کے دائرے میں گھومتے رہنے سے اکتائے ہوئے پیچیدہ اور مرکب اذہان کے حامل ادیبوں، شاعروں اور نقادوں نے جب ادب کو اپنی شناخت کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی تو انہیں ایک خلاء کا احساس ہوا یہی خلا اُن کے ہاں ابہام کا باعث بنا اور انہوں نے ادب اور ادیب کے درمیان نئے رشتوں کی تلاش شروع کر دی۔

جدیدیت کو صرف ادب کے ساتھ منسلک کر کے دیکھنا دراصل ایک فکری غلطی ہوگی کہ اِس کا تعلق انسان سے ہے۔ اب جدیدیت تمام علوم کے ساتھ منسلک ہے کہ فرد اور سماج کے درمیان معلوم سے آگے جا کر کچھ نیا سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سائنسی علوم میں ترقی اور فکری نشو نما نے اِس اندازِ فکر کو معاشرے کی ضرورت بنا دیا۔ جدیدیت انسانی ذہن کی وہ چھلانگ ہے جو مکمل ہو جائے تو انسان اپنا ادراک حاصل کر لیتا ہے۔ گویا کہا جا سکتا ہے کہ خود کو ڈھونڈنا جدیدیت کا مرکزی نکتہ ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> "انسانی دماغ کے اندر ایک خاص "علاقہ" بھی ہے جہاں خودمختاری کی نمود ہوتی ہے۔ ایک ایسا مقام جہاں انسان اچانک نتائج اخذ کرتا ہے اور اپنے طور پر فیصلے کرتا ہے۔ یہ عمل علت و معلول کے تابع ہے لہذا جبریت (Determinism) کی صورت میں نہیں ہے۔ کیا یہی وہ مقام نہیں جہاں انسان کے ہاں تخلیقی زقند نمودار ہوتی ہے۔ یوں نظر آتا ہے جیسے انسانی دماغ میں یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کو معرفت کے ایک کوندے سے اچانک تعارف حاصل ہوتا ہے۔"(۱)

Marfat.com

جدیدیت انسان کی اسی تخلیقی زقند کا نام ہے جو فرد کی اپنی جڑوں کی تلاش سے آغاز کرتی ہے اور پھر معرفت کے اُس لمحے تک لے جاتی ہے جو کائنات کی تفہیم بھی ہو سکتا ہے اور عرفانِ حق سے آگاہی بھی۔ اردو نعت پر غزل کی کلاسیکی روایت کے بہت گہرے اثرات ہیں۔ غزل کی کلاسیکی روایت سے جُڑے ہوئے شعراء کے ہاں غزل کے روایتی محبوب کا تصور حاوی رہا اور جب یہ حضرات نعت کی جانب متوجہ ہوئے تو محبوب کا روایتی عکس اُن کی نعت میں بھی نظر آنے لگا ۔دوسری جانب یہی کلاسیکی روایت کے حامل شعراء عمومی طور پر سادہ اور اکہرے ذہن کے حامل ہونے کے باعث عمومی طور پر شعر اور خصوصی طور پر نعت اور سیرت کے اُن موضوعات کو نظم کرنے میں کامیاب نہ ہوئے جن کو سمجھنے کے لیے ذرا سے پیچیدہ اور مرکب ذہن کی ضرورت تھی۔

ڈاکٹر عزیز احسن سید شاکر القادری مدیر "فروغ نعت" کے نام اپنے ایک خط میں اِسی بات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں

> ''نعت کی دنیا میں نئی تھیوری کے حوالے کہیں نظر نہیں آتے ہیں اِس لیے
> میں نے اپنے اِس مضمون میں نعتیہ ادب کوئی تھیوری
> (Theorey) سے متعارف کروانے کی کوشش کی ہے۔''(۲)

بڑی شاعری کے لیے مرکب اور کسی حد تک پیچیدہ اذہان کی ضرورت ہوتی ہے۔ سادہ انداز میں بھی عمدہ شاعری ہوتی رہی ہے تاہم آفاقی اور بڑی شاعری زمانے کے ساتھ ہم آہنگ پیچیدہ اور مرکب اذہان کے حامل شعراء سے ہی ممکن ہے۔ زمانہ کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ادب پر دوسرے سائنسی اور منطقی علوم کے ساتھ ساتھ سوشل سائنسز (Social Sciences) بھی اثر انداز ہو رہی ہیں ایسے میں ہمیں بھی ادب پر پڑنے والے اثرات کا مطالعہ عمومی سطح پر اور نعت پر پڑنے والے اثرات کا مطالعہ خصوصی سطح پر جا کر کرنا پڑے گا۔

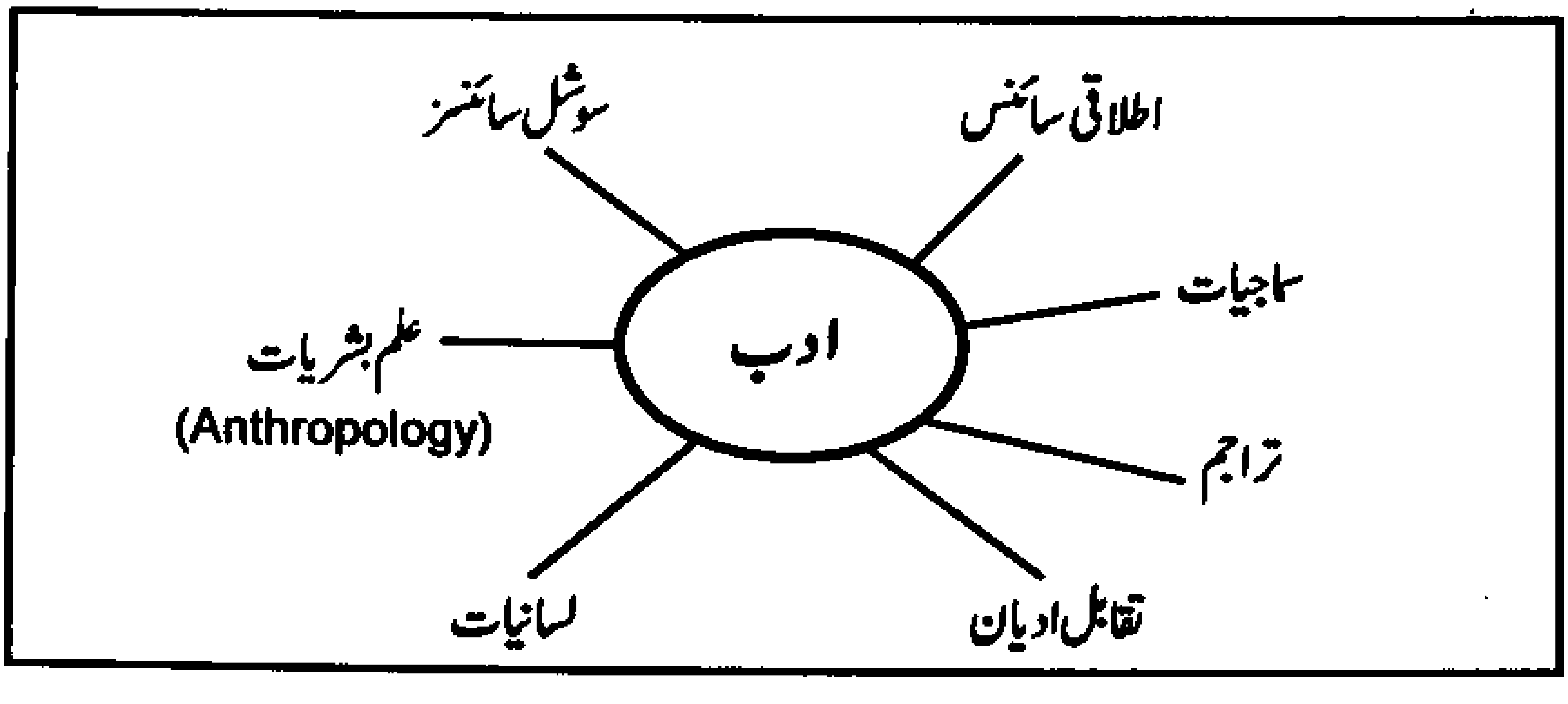

Marfat.com

اردو نعت میں جدید فکر کے ساتھ نمایاں تخلیقی اور تنقیدی کام بہت کم ہوا ہے۔ اس کی وجوہات تو بہت سی ہیں لیکن

☆ غزل کی کلاسیکی روایت

☆ نعت کو تنقید سے ماورا خیال کرنا

☆ روایتی تصورِ محبوب

☆ نعت کو ادبی صنف تصور نہ کرنا

☆ نعت کو صرف نعت خوانی کے حوالے سے پہچاننا

☆ سیرت نبیؐ کے گہرے مطالعے کا فقدان

چند اہم وجوہات سمجھی جاسکتی ہیں۔

اِس سلسلے میں ہمارے ناقدین نے بھی روایتی سوچ سے کام کیا۔ خود جدیدیت کو سمجھے بغیر جدیدیت کے معمولی اشاروں پر مبنی روایتی اور کمزور کلام کو بھی جدیدیت کا حامل قرار دیا۔ اِس سلسلے کی ایک مثال ڈاکٹر عزیز احسن کی تنقید سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر عزیز احسن نے اپنی کتاب "نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے" کے ایک مضمون "احساسات کی تجسیم .... رسالے سے روشنی تک" میں حمیرا راحت کی ایک آزاد نعتیہ نظم "سڑک" کو جدیدیت کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی۔ یہ نظم اپنے موضوع اور ٹریٹمنٹ میں کہیں کہیں جدید احساس سے منسلک ہو کر تلازمہ بناتی ہے تاہم جذبات کے سیلِ رواں نے نظم کی شدت کو متاثر کیا۔ شاعرہ کے روایتی نسائی جذبات اور موضوع سے باہر نکل کر تاثر میں کمی کرتے ہیں۔

جو میرے سامنے دیوار تھی
میں اُس پہ اپنے ہاتھ رکھ کر رو پڑی
آقاؐ.........مرے آقاؐ
میں عورت ہوں
مگر اس میں مری اپنی خطا کیا ہے؟

جدیدیت کا ایک اہم موضوع اپنی شناخت کا احساس ہے لیکن کیا صرف شناخت ہمیں تفریق کے اُس لمحے سے متعارف کرواتی ہے جہاں ہم انسان کی جون میں ہوتے ہوئے مرد اور عورت کے سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ ڈاکٹر عزیز احسن اس نظم "سڑک" کے حوالے سے لکھتے ہیں

Marfat.com

"عام شاعری میں نئے موضوعات کم کم ہی سامنے آتے ہیں......'سڑک'
کے زیرِعنوان جو نظم رقم ہوئی ہے وہ نعتیہ ادب میں خاصے کی چیز
ہے۔شاعرہ نے سڑک کا دکھ بھی محسوس کیا ہے جو حضور اکرم ﷺ کے
دربارِ اقدس تک لوگوں کو پہنچانے سے پہلے ہی معدوم ہو جاتی ہے۔یہ نظم
نعتیہ ادب میں اضافہ بھی ہے اور تخلیقی دانش کا قابلِ قدر مرقع بھی" (۴)

تنقید کے اِس انداز میں عام طور پر نقاد معروضی نہیں ہو پاتا۔انسانی ذہن پر ہزار ہا مظاہر اور مناظر بیک وقت اثر انداز ہوتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب (عزیز احسن) بھی یہاں خود کو معروضی نہیں رکھ پائے اور جدیدیت اور جدید حسیت پر مشتمل شاعری کے درمیان فرق نہیں کر پائے۔

حمیرا راحت کی اس نعتیہ نظم "سڑک" کے ساختیاتی تجزیے سے قطع نظر اگر اس نظم کو بحیثیت کُل دیکھا جائے تو نسائی لہجے میں کہی گئی ایک ایسی نظم ہے جس کی فکری سطح زیادہ بلند نہیں ہے۔سڑک کی تانیثیت کو آج کی عورت کے ساتھ مماثلت دے کر حضرت محمد ﷺ کے دربار میں استغاثہ پیش کیا گیا ہے۔میری اِن معروضات کا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں تاہم آفاقی، اعلیٰ، عمدہ، اچھی، کمزور، بُری نعتیہ شاعری کے درمیان امتیاز پیدا کرنا آج کے نقاد کی ذمہ داری ہے۔نظم اپنے انداز میں عمومیت لیے ہوئے ہے۔اور کسی حد تک بچکانہ طرزِ اظہار نے اُسے عمدہ نعتیہ شاعری کی فہرست سے خارج کر دیا۔لیکن میرے بزرگ ڈاکٹر عزیز احسن نے اسے مثال بنا کر پیش کیا اور مزے کی بات یہ کہ جہاں سے نظم کا تجزیاتی سطح پر مطالعہ ہونا چاہیے تھا جو فن پارے کی خوبیوں یا خامیوں کو سامنے لاتا وہاں سے ڈاکٹر صاحب دامن بچا کر گزر گئے۔

جدیدیت ایک طرزِ فکر ہے جو موضوعاتی شاعری میں بھی اپنی چھب دکھاتی ہے۔اقبال کے ہاں مسلم اجتماعی شعور کو اکائی کی حیثیت سے شناخت بنانے کے عمل میں یہی جدیدیت کارفرما تھی اگرچہ اقبال کے زمانے میں خود جدیدیت کی حدود ایسی واضح اور متعین نہیں ہوئی تھیں جیسی آج کی نظری تنقید نے متعین کر دی ہیں۔اقبال کی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں

"ملی شاعری میں ترغیبِ عمل کے عنصر کی شمولیت کے لیے جس مرکزی نقطۂ
اتحاد کی ضرورت پیش آتی ہے وہ سوائے "عشقِ رسول" ﷺ کے اور کوئی
دوسرا نقطہ ہو ہی نہیں سکتا اسی لیے اقبال نے براہ راست نعت کہنے کے
بجائے حضور اکرم ﷺ کی ذات سے والہانہ عشق کا اظہار کر کے یہ ثابت

Marfat.com

کیا ہے کہ ملت اسلامیہ کا واحد مرکزِ اتحاد صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔"(۴)

ان کے ہاں مسلم شناخت ہی پوری شاعری کا مرکزی نقطہ بن جاتی ہے

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں معراجِ مسلمانی(۵)

نعت میں جدیدیت کو سمجھنے کے لیے اقبالؔ کی فکر کو ہی نکتۂ آغاز قرار دینے کی دو بڑی وجوہات ہیں۔

اوّل: اقبالؔ کے ہاں ملی شاعری بنیادی طور پر موضوعاتی شاعری ہے جبکہ نعت بھی موضوعاتی شاعری ہے جس میں موضوعات متعین ہوتے ہیں۔اور آقا ﷺ کی تعریف کے بیان میں حدود وقیود کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

دوم: اقبالؔ کی ملی اور دینی شاعری میں مسلم اجتماعی شعور پر بار بار ضرب لگائی گئی ہے۔اس کے لیے اقبالؔ ماضی کی درخشندہ روایات کا تقابل بار بار حال سے کرتے ہیں اور مستقبل کے لیے روشن امیدوں کا راستہ کھولتے ہیں۔نعت مبارک میں بھی آقا ﷺ کی محبت کے بیان میں ماضی کے شاندار حوالے بھی سامنے آتے ہیں اور اپنے حالِ زار پر گریہ زاری کے ساتھ ساتھ مناجات بھی شامل ہیں اور آخر آخر مستقبل کی روشن صبح کی تمنا بھی نعت مبارک کا حصہ ہوتی ہے

جدیدیت زمین سے اپنے رشتے کی تلاش کا عمل بھی ہے۔فرد اِس کائنات کے ساتھ ایک ایسے رشتے میں جڑا ہے جو خود اُس کی تخلیقی قوت کے لیے مہمیز کا کام دیتا ہے۔یہ رشتہ دوطرفہ ہے یعنی سماج اور زمین بھی اس سے اتنے ہی اہم مطالبات کرتے ہیں اور انہی سوالات کے جوابات کی تلاش جدیدیت کی بنیاد ہے جو اسے روایت سے علیحدہ کرتی ہے۔

نعت میں جدیدیت کو سمجھنے کے لیے ہمیں اُس تاریخی شعور کی ضرورت ہوگی جو زمانوں کے درمیان رشتہ استوار کرتا ہے۔نعت کے شعراء کے ہاں تلمیحی اشاروں کا استعمال اُس تاریخی شعور کی وضاحت کرتا ہے۔بعض اوقات یہ تلمیحی تلازمات بغیر شعریت کے استعمال ہوتے ہیں جو شعر کی خوبصورتی کو متاثر کرتے ہیں۔سلیم کوثر کے ہاں تاریخ کے ساتھ سفر کا گہرا رجحان موجود ہے۔اُن کے نعتیہ مجموعے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عہدِ نبوی ﷺ سے اپنے مطالعے، مشاہدے اور مجاہدے کے ذریعے منسلک ہیں

Marfat.com

گھرا ہوا تھا میں طائف کے رہنے والوں میں
دعائیں دیتے ہوئے آپؐ یاد آنے لگے
ہاں ! آپؐ نے تو ان کو بھی شاداب کر دیا
جو لوگ راستے میں بچھاتے رہے ببول
(ببول محل نظر ہے کہ ببول نہیں ببول کے کانٹے بچھائے جاتے ہیں)

سلیم کوثر کے ہاں تاریخی فکر انفرادی حوالوں میں گندھ کر سامنے آتا ہے۔ وہ غزل کے شاعر ہیں لیکن نعت کہتے ہوئے وہ مکمل حیثیت میں نعت گو بن گئے کہ اُن کا شعری مزاج جزو کُل میں دیکھنے پر قادر ہے۔ ایک خوبصورت نعتیہ نظم "مدینہ" کا ایک حصہ دیکھیں۔

فکری سطح پر تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کا احساس اور ارضیاتی سطح پر اپنی پہچان کو سرزمینِ حجاز سے منسلک کر کے دیکھنے کا رجحان اس پوری نظم میں کارفرما نظر آتا ہے

مدینہ

ان کے آنگن میں پھیلے ہوئے نور کے سلسلے
موسموں کے بدلتے ہوئے دائروں میں رواں زندگی کے نئے قافلے
ان کی چوکھٹ سے لپٹی ہوئی آسمانوں زمینوں کی حیرانیاں
شہرِ طیبہ کے دامن میں سمٹی ہوئی حُسن کی اور حیرت کی سیرابیاں
اس کے ذروں میں صحرا کی تابانیاں
اور انہیں منظروں میں سفر کا قرینہ

مدینہ

بہت یاد آرہا ہے مدینہ (۶)

شعر کی دو مختلف جہتیں ہیں۔ ایک افقی جہت اور دوسری عمودی جہت۔ افقی جہت اپنی فکر میں ارضی ہوتی ہے۔ ذات، سماج اور انسانی فکر کے تبدیل ہوتے ہوئے منطقے اس کی بنیاد ہوتے ہیں جبکہ عمودی جہت فکر کے لحاظ سے مابعد الطبیعاتی ہوتی ہے۔ خدا، انسان اور کائنات کے درمیان تعلق کی نئی سمت نمائی اس کا مرکزی موضوع ہے۔ سلیم کوثر کے نعتیہ مجموعے "میں نے اسمِ محمد لکھا بہت" افقی جہت کی حامل شاعری پر مشتمل مجموعہ ہے جس میں ذات کے حوالے سے سرزمین حجاز

Marfat.com

اور برصغیر کی سرزمین کے درمیان رشتوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو فرد کو کسی ایک علاقے کا شہری ہوتے ہوئے بھی کائناتی اکائی کی حیثیت دیتے ہیں۔ یوں سلیم کوثر کے ہاں افقی اور عمودی جہات کا ایک امتزاج نظر آتا ہے۔ اُن کی نعت کا آغاز تو درونِ ذات میں محبت رسول ﷺ سے پیدا ہونے والی ہلچل سے ہوتا ہے تاہم وہ جیسے ہی ذات سے باہر نکل کر کائناتی اکائی میں تبدیل ہوتے ہیں منظر نامہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان کی کتاب میں شامل "مرے ہجر وصال ہوئے" کا مختصر سا اقتباس دیکھیں:

"میں نیا ہونے جا رہا تھا۔ میں حرم جا رہا تھا اور پھر مدینے کا سفر۔ آقا کریم ﷺ کے شہر مقدس کی طرف........ جہاں اُن کے دربار میں زمانوں کے زمانے سرنگوں ہیں جہاں فقیروں کی جھولی میں بادشاہی ہے۔"(۷)

یہ نیا ہونے کی تمنا اُسی ارضیاتی سطح سے بلند ہو کر آفاقی سطح کو چھونے کی خواہش ہے جو فرد کو فرد کے مقام سے بلند کر کے کائناتی اکائی اور مابعد الطبیعاتی شناخت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ وہ مابعد الطبیعاتی شناخت جو صوفی کو ملتی ہے تو وہ عارف ہو جاتا ہے لیکن غلام محمد ﷺ کے نصیب میں عرفان کے ساتھ محبت اور گداز بھی آتا ہے

میں ایک کاسۂ تاریک ، ملتزم پہ کھڑا
درود پڑھتا گیا ، روشنی سے بھرتا گیا(۸)

ذات کیسے ایک کائنات کو اپنے اند سمو لیتی ہے۔ دیکھیں

ایک کتاب ، اک جائے نماز اور اک تلوار تھی اس میں
جی چاہا دیکھوں دل میں یہ اک الماری کیا ہے (۹)

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کے ہاں جدیدیت نعت کی صورت میں ذات کے کرب کے حوالے سے تشکیل پاتی ہے۔ اُن کے ہاں نعتیہ نظموں میں دو مختلف لہریں ساتھ چلتی محسوس ہوتی ہیں۔ پہلی لہر افقی ہے جو ذات اور ذہن کے دکھوں کی شکل میں قرطاس کی زینت بنتی ہے اور دوسری لہر عمودی ہے جو بڑے کائناتی حوالوں کو نعت کی صورت میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت کو پیش کرتی ہے لیکن اِس پیش کش کا سب سے عمدہ پہلو ذات محمد ﷺ کے تناظر میں کائنات کو پہچاننا ہے۔ ایک نظم "چاند گہن" دیکھیں جو کائناتی مظاہر کی تسخیر کو سیرت مصطفیٰ ﷺ کے آئینے میں دیکھنے کی ایک کوشش ہے

Marfat.com

چاند گہن (۱۳، ۱۴ مارچ کی درمیانی شب)

چاند کا کرب
یہ کرب، درد بے شمار
یہ گہن ہے کہ اُس کے لیے قبر ہے
اس گھڑی...... وہ نمازیں، دعائیں کہ جو وقت کی قید کو توڑ کر آ گئیں
جو کبھی چاند کے واسطے
آدمی کے لیے
ہمارے لیے
محمد ﷺ کے سجدوں سے، ہونٹوں سے، لفظوں سے پیدا ہوئیں
چاند کی قبر میں
زندگی کی کرن جگمگانے لگی
زندگی کی کرن........ چاند کی قبر میں (۱۰)

کشفی صاحب کے ہاں نعت نگاری صرف ذاتی دکھوں کے بیان تک محدود نہیں بلکہ وہ اِسے انسانی تسخیر کا ایک اہم حصہ جانتے ہیں۔ اُن کی شاعری میں فکری سطح پر ذات کو ایک چھوٹی سی کائنات کے طور پر دیکھنے اور اُس کائنات کو نبی اکرم ﷺ کے نور سے جگمگانے کی کیفیات کو نظم کرنے کا عمل شامل ہے۔ زیر تبصرہ نظم میں چاند کو ایک بلیغ استعارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے حقیقی سطح پر چاند گرہن کے خاص سائنسی عمل کو ایک نئے زاویے سے دیکھا۔ چاند کی روشنی علم، محبت اور امن کی وہ روشنی بن کر سامنے آتی ہے جن پر معاشروں کی تشکیل و تعمیر کی ذمہ داری ہوتی ہے اور گرہن وہ منفی طاقتیں ہیں جو علم کی روشنی سے اسلامی سماج کو دور کر دیتی ہیں لیکن حضرت محمد ﷺ کی دعا رَبِّ زِدنِي علماً اور علم کے حوالے سے دوسری دعائیں ہمیں چاند کی وہی روشنی واپس دلا دیتی ہیں جو ہم سے وقتاً فوقتاً چھین لی جاتی ہے۔ نظم کا استعاراتی گراف خاصا بلند ہے تاہم کشفی صاحب کی باقی شاعری کی طرح ان کی نعتیہ نظمیں بھی ذات سے کائنات کی جانب افقی سفر کرتی نظر آتی ہیں۔ افقی سفر سے مراد وہ زمینی سفر ہے جس میں سماجی حقائق اور شاعر کے آدرش (Idealistic thoughts) ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا اور ن۔م۔ راشد کی

Marfat.com

عمومی شاعری میں یہ سفر عمودی خط (Parabola) بناتے ہوئے طے ہوتا ہے۔مذکورہ دونوں شعراء کے ہاں ذات براہ راست کائناتی حوالوں سے جُڑ جاتی ہے اور مابعد الطبیعاتی سطح پر یہ ایک علیحدہ ہی کیفیت بناتی ہے۔اُن کے ہاں ذات کا حوالہ اتنا طاقت ور ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے سفر میں نبی اکرم ﷺ کی محبت اور خدائے بزرگ و برتر تک کا فاصلہ طے کرتے ہیں:

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی

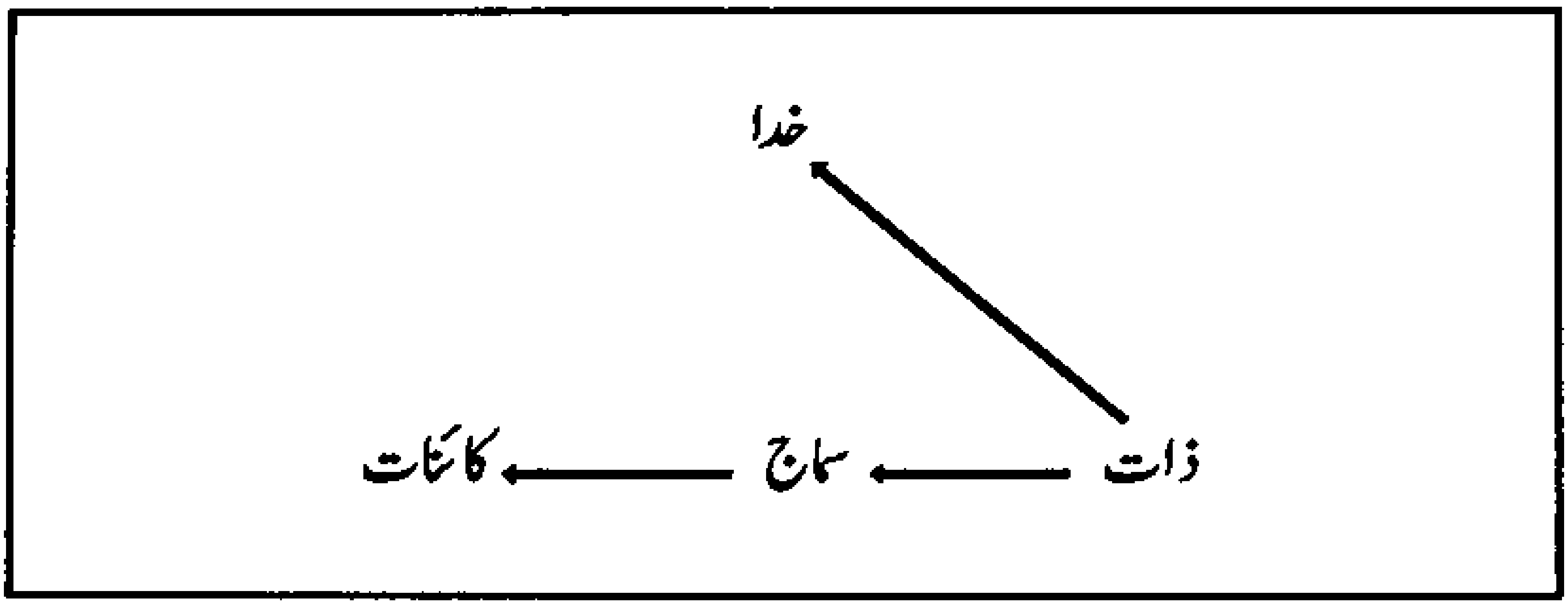

ڈاکٹر وزیر آغا

ن۔م۔راشد

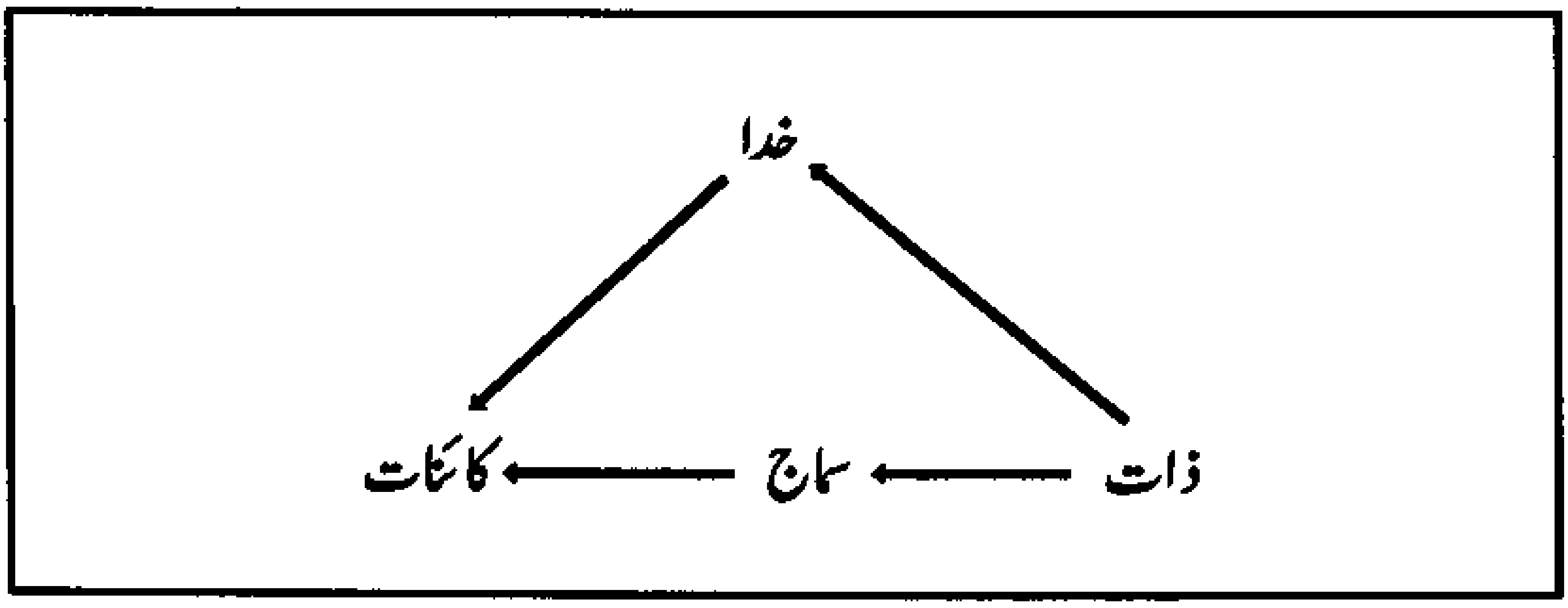

ڈاکٹر کشفی کی طرح یہ افقی اندازِ فکر سلیم کوثر کے ہاں بھی ملتا ہے بلکہ وہاں سرزمین حجاز سے قلبی تعلق اتنا گہرا ہو جاتا ہے کہ مابعد الطبیعاتی حوالوں کی بنیاد سرزمین حجاز بن جاتی ہے۔وہ ذات سے گزر کر سماج اور پھر کائنات سے خدا تک پہنچتے ہیں

Marfat.com

سلیم کوثر

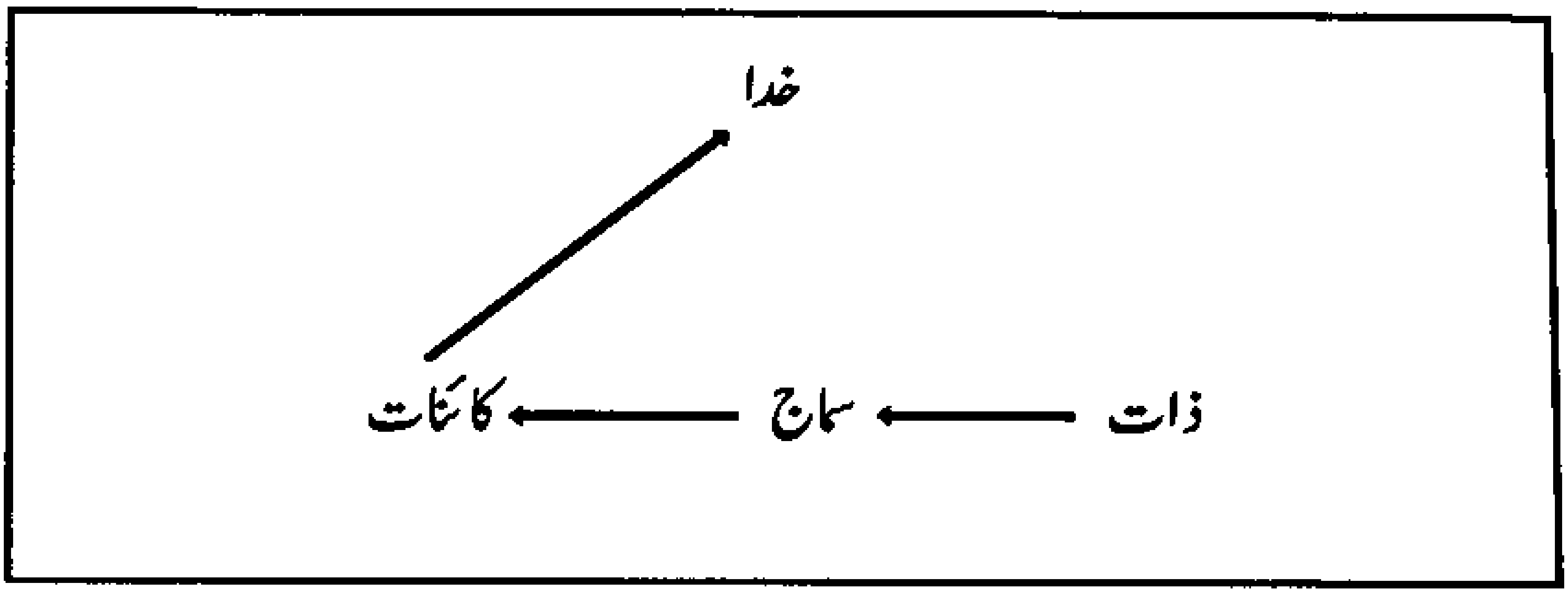

خدا کا قرب مدینے کی لہر چاہیے ہے
ہم اہل عشق کو جینے کی لہر چاہیے ہے
حرم کی سیڑھیاں اترتے سوچتا ہوں
سفر میں اب اسی زینے کی لہر چاہیے ہے (۱۱)

اُن کی شاعری میں حجاز کے جنت نظیر خطۂ زمین اور حرم کی تجلیات سے ضوبار ہونے کی کیفیات انہیں ہر ہر پل روشن رکھتی ہیں

وہ طوافِ حرم اور مسلسل دعا، آنکھ روتی رہی دل پگھلتا رہا
لب پہ جاری رہا نغمۂ مصطفیٰؐ، آنکھ روتی رہی دل پگھلتا رہا (۱۲)

ذات کے اندر جاری یہ سفر شاعر کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے راستے میں اللہ تک پہنچاتا ہے۔

کتنی مصروف دُنیا تھی چاروں طرف اور صحنِ حرم میں اکیلا کہیں
ایک آواز بیٹھا میں سنتا رہا، آنکھ روتی رہی دل پگھلتا رہا (۱۳)

ذات کے اندر محبت کا یہ سفر فکری سطح پر ہر شاعر کے ہاں موجود ہوتا ہے لیکن سلیم کوثر کی نعتیہ شاعری میں یہ فنی سطح پر نظر آتا ہے گویا وہ اپنی ذات میں گرتی محبت کی اِس آبشار میں بھیگتے ہیں اور محبت کی اِس بہتی ندی کو ایک بڑے محدب عدسے سے کائناتی سطح پر پھیلاتے ہیں۔ محبت کا یہی سفر جب بیرونِ ذات تشکیل پاتا ہے تو حجاز کا راستہ بن جاتا ہے

ایک ہی ہے سفر حاصلِ زندگی ایک ہی راستہ چل مدینے چلیں
کارِ دُنیا کی اس بھیڑ میں بھی کوئی مجھ سے کہتا رہا چل مدینے چلیں (۱۴)

Marfat.com

ذات سے کائنات تک کا یہ سفر جب حقیقت میں ڈھلتا ہے تو خاموشی بھی صدا بن جاتی ہے کشفی صاحب کے الفاظ میں

"اب خاموشی کے بطون سے اپنی حاضری کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں ....خانہ کعبہ تک اس جسم خاکی کے پہنچنے سے پہلے ہی جذبہ کا طواف شروع ہو چکا تھا.........میں اپنے جذبے کو باب حرم کا طواف کرنے والے ان کبوتروں میں تلاش کرنے لگا جن کی میں نے تصویریں ہی دیکھی تھیں۔" (۱۵)

دوسری جگہ وہ درونِ ذات کے کشف کو ذات سے باہر کی آوازوں سے منسلک کرتے ہوئے آوازوں کی ایک نئی کہکشاں ترتیب دیتے ہیں

"جہاز سوئے بیت اللہ پرواز کر رہا ہے۔ جہاز کی مخصوص آواز میرے لیے اجنبی نہیں تھی مگر آج یہ آواز لبیک، لبیک کی آواز بن چکی تھی۔ یہ جہاز بھی نازاں تھا کہ اتنے وجود اس کے سہارے بیتِ عتیق کی طرف محوِ پرواز تھے۔" (۱۶)

نعت نگاری میں جدیدیت اور مابعد جدید اندازِ فکر کے درمیان امتیاز کرنا خاصا مشکل ہے کہ فکری طور پر موضوعاتی شاعری مخصوص نظریاتی آہنگ رکھتی ہے وہاں موضوعات کی سطح محدود ہونے کے باعث بڑے کائناتی نظریات کو فن کا حصہ بنانا مشکل ہوتا چلا جاتا ہے۔

صہبا اختر کے ہاں نعت میں شکوہِ لفظی اور عظمتِ بیان کا پرتو نظر آتا ہے۔ اُن کی فکر میں محبت رسول ﷺ کے سارے رنگ نظر آتے ہیں۔

صبح دم جب بزمِ گل میں چہچہاتے ہیں طیور
پو پھٹے جب جھلملاتا ہے فضائے شب میں نور
روشنی جب پردۂ ظلمت سے کرتی ہے ظہور
تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کیا ہوں گے حضورؐ (۱۷)

صہبا اختر کی نعتیہ نظموں اور نعتیہ غزلوں میں ہمیں فطرت ایک باقاعدہ متحرک کردار کی طرح نظر آتی ہے۔ فطرت اُن کے ہاں صرف جسمانی رہائش کا زمین پر گھر نہیں بلکہ فکری سطح پر عشق رسول ﷺ سے ممیز ایک ایک مرکزِ امید ہے۔

ایک نعتیہ نظم "مرکز" دیکھیں:

Marfat.com

مرکز

اے شفیع المذنبینؐ
آپؐ ہی ہیں مرکزِ دنیاودیں
ہم جہاں پیدا ہوئے ہیں اِس بساطِ خاک پر
وہ ہمارے واسطے ہے صرف جسموں کا وطن
پھر بھی روحوں کا ہماری مسکن اعلیٰ حضورؐ
اُس مدینے کے سوا کوئی نہیں
جس کی کنج خاک میں
آپؐ ہیں گوشہ نشیں (۱۸)

جدیدیت کے فکری سفر کا ایک اہم نکتہ زمین سے فرد کا تعلق ہے۔اپنی زمین سے محبت ہر انسان کا بنیادی حق ہے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے روشنی لینے والے مسلمان فرد کے لیے اُس کی آبائی زمین سے زیادہ محترم زمین حجاز ہو جاتی ہے۔زائر بن کر ہر جانے والے کی خواہش اُس سرزمین کو دوبارہ دیکھنے کی ہوتی ہے۔

محسن احسان نے کامیاب غزل کے بعد عقیدت واحترام سے سجی ہوئی نعت کہی اور دونوں شعبوں میں اُن کی شاعرانہ صلاحیتیں ابھر کر سامنے آئی ہیں۔"اجمل واکمل" ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔محسن احسان کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں

> ''وہ مُسلّمہ طور پر ایک کامیاب غزل گو ہیں چنانچہ ان کی نعت میں سپردگی کی جو گہری کیفیت ہے وہ اسی غزل گوئی کی دین ہے ....اجمل و اکمل ہماری نعت نگاری میں زندہ رہنے والا مجموعہ کلام ہے۔''(۱۹)

محسن احسان کا نعتیہ لہجہ جدید ہے اور وہ جدیدیت کے پیکر اپنی ذات اور مدینہ کے اتصال سے تراشتے ہیں۔اسی اجتماعی شعور اور لاشعور کو محسن احسان نے نعت کا روپ دیا ہے۔اسی اجتماعی شعور اور لاشعور کو اُن کی ایک نعتیہ نظم "زائرین کے لیے ایک نظم" کے تناظر میں دیکھیں:

Marfat.com

زائرین کے لیے ایک نظم

سبز گنبد کے مکیں
تیرے دربار میں لاکھوں انساں
چادرِ عجز و عقیدت میں سمیٹے ہوئے
بے نام تمناؤں کے
بے مایہ مرادوں کے گلاب
حرمت صحن حرم دل میں لیے
قربت روضہ اقدس میں چلے آتے ہیں
اُن کے ہونٹوں پہ دعاؤں کا ہجوم
ان کی پلکوں پہ ستاروں کے چراغ
آسمانوں کی طرف ان کے یہ اٹھتے ہوئے ہاتھ
ایسے لگتا ہے زمانے کی مسلسل گردش
ایک نکتے پہ تھمی ہو جیسے
وقت پر برف جمی ہو جیسے
سبز گنبد کے مکیں
وہ ہر اک حرف جو تجھ پر اترا
منکشف ان پہ ہر اک حرف کے معنی کر دے
اُن کے تاریک گھروندوں میں اجالے بھر دے
اُن کی تسبیح کے دانوں میں جو خوابیدہ تمنائیں ہیں
پوری کر دے (۲۰)

محسن احسان کے فن شاعری میں عموماً اور فن نعت گوئی میں خصوصاً دو متوازی رنگ نظر آتے ہیں۔ پہلا رنگ محبت کا آفاقی رنگ ہے جو فرد کو کائنات کی اہم ترین اکائی بناتا ہے اور دوسرا رنگ آفاقی ہے جو کائنات کی اساس میں اپنے ہونے کا جواز ڈھونڈتا ہے۔ جدیدیت لفظوں کی ساخت اور معنی کے درمیان جن نئے رشتوں کی تلاش کرتی ہے محسن کے ہاں معنی کی وہ کثیر المعنی کیفیات نظر آتی ہیں۔

Marfat.com

وقت پر برف جمی ہو جیسے یا اُن کی تسبیح کے دانوں میں جو خوابیدہ تمنائیں ہیں، پوری کردے جیسے مصرعے اپنے لفظوں سے باہر نکل کر بھی تاثیر کا ایک نیا ذائقہ پیدا کرنے میں کامیاب ہیں۔ عظمت انسان اور شناخت بطور اکائی کے ساتھ انسان بطور مرکزِ کائنات کا جتنا گہرا احساس محسن احسان کے ہاں موجود ہے اُن کے ہمعصروں کے ہاں کم کم نظر آتا ہے

بشریت نے ترے آنے سے آنکھیں کھولیں
اس طرح نام زمانے میں خدا کا پھیلا
بشر کو آپؐ نے ادراک زندگی بخشا
جہاں میں ورنہ تصور ہی کچھ خدا کا نہ تھا

انسان کی سربلندی اور عظمت کے ساتھ ساتھ آج کے دورِ ابتلاء میں احترام آدمیت کی خواہش میں سیرت مصطفیٰ ﷺ کے در پردہ کچھ اِس طرح دستک دیتے ہیں

انسان کی سربلندی و تکریم کے لیے   منشورِ احترامِ بشر چاہیے مجھے (۲۱)

محسن احسان کے ہاں جدید رنگ نعت اور ندرتِ فکر کا امتزاج ملتا ہے۔ پروفیسر شوکت واسطی نے اُن کے لیے لکھا:

"جن ممتاز شعراء نے صنفِ نعت کو روایتی قصیدہ گوئی سے نکال کر فن کا درجہ عطا کیا اُن میں محسن کا شمار صف اوّل کے شعراء میں ہوتا ہے۔" (۲۲)

محسن نعت کے میدان میں کسی فکری ابہام کا شکار نہیں لہذا وہ اپنے خیالات کو صحیح سمت میں لفظوں کی شکل دیتے ہیں۔ ان کی جدید فکر کا تعلق لفظوں کے دروبست سے ہے۔ وہ لفظوں سے ایک نگینے کا کام لیتے ہیں جو روشنی کی ہر کرن کے ساتھ ایک مختلف رنگ کا انعکاس کرتا ہے

جان و دل ہیں جو معطر تو مہک ہے اُن کی
جس میں ہم زندہ ہیں وہ شہرِ جمال اُنؐ کا ہے (۲۳)

جدیدیت انسانی شعور میں شامل وہ فکری نقطۂ اتصال ہے جہاں لفظوں کے معنی اپنے تناظر سے باہر نکل کر تخلیق کی ایک نئی دُنیا بناتے ہیں۔ تخلیق اس عالم علم و ہنر میں لفظ کی ہیئت معنی کے یقین کا مکمل ادراک نہیں کرتی اور معنی لفظ کی دسترس سے باہر نکل کر ایک ایسا تاثر پیدا کرتے ہیں جو خود لفظ کی ساخت سے اظہار نہیں پاتے بلکہ وہ ماحول جس میں لفظ استعمال ہوا، اہم ہو جاتا ہے۔ جدیدیت

Marfat.com

لفظ و معنی کے درمیان جن نئے رشتوں کی تلاش کرتی ہے وہ شاعری میں تشبیہاتی، تلازماتی، استعاراتی اور علامتی انداز سے عبارت ہے۔ محسن احسان کے ہاں جدیدیت علامت یا تشبیہ سے دور صرف لفظوں کے دروبست سے جنم لیتی ہے لیکن بڑی تخلیقی شاعری کا تعلق تشبیہ اور علامت سے گہرا ہے۔ محسن کے ہاں جذبے کی گہرائی فکری سطح پر عمدہ شاعری کو جنم دیتی ہے لیکن آفاقی تخلیق بڑی علامت کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ یہ علامت اگر تشبیہ کی سطح پر ہو تو ایک مناسب فن پارہ وجود میں آتا ہے لیکن آفاقی فن پارے کی تخلیق بڑی علامت کی تشکیل کے ساتھ منسلک ہے۔

نعت کا حوالہ ایک مسلمان شاعر کی زندگی کا اہم ترین حوالہ ہے۔ اسلام تخلیق کا مذہب ہے۔ اقبال نے ایک نظم "مردِ بزرگ" میں بندہ مومن کی ایک خصوصیت تخلیق بھی بیان فرمائی ہے۔

اُس کی نفرت بھی عمیق، اُس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق
پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اُس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق (۲۴)

مردِ مومن کی شان اُس کا نئی تخلیقات سے منسلک ہونا ہے۔ علم کے نئے راستوں کی تلاش اور اُس کا انسانی نفع کے لیے استعمال جدیدیت کی ایک کڑی ہے یوں مومن ہمیشہ ہر دور میں جدید رہا ہے۔

شرف الدین شامی کی شاعری جدیدیت سے عبارت ہے۔ اُن کا نعتیہ کلام "مقامات" حرمین شریفین کے حوالے سے نعتیہ اور حمدیہ منظومات پر مشتمل ہے۔ پروفیسر انور مسعود نے شامی صاحب کی شاعری پر کچھ یوں تبصرہ کیا

> "اُس کے تجربے کی ندرت نے اسلوب بیان کے نئے افق دریافت کیے ہیں اُس کی طرزِ نوا کے تار میں برق شعریت کی روخاصی زوردار ہے۔ اس تجربے کی تحسین کے لیے مجھے خاموشی سے بہتر کوئی پیرایہ کارگر محسوس نہیں ہوتا۔" (۲۵)

"مقامات" شرف الدین شامی کے دورانِ حج احساسات و تجربات کا مجموعہ ہے جس میں وہ روحانی سفر نمایاں نظر آتا ہے جو کسی بھی حساس شخص کے لیے زندگی بھر کا فکری تجربہ بن جاتا ہے۔ "دم وداع" کے عنوان سے ایک نعتیہ نظم میں دمِ واپسی کرب کی کیفیت کو لفظوں کا پیراہن

Marfat.com

دیا گیا ہے۔

خزف ہوں، لعل و جواہر میں رکھ لیا جاؤں — سوادِ شہر پیمبر میں رکھ لیا جاؤں
کسی ستون کے حصے، کسی کواڑ کے رنگ — کسی فصیل کے پتھر میں رکھ لیا جاؤں
بہ شکل خشتِ حرم زائروں کے زیرِ قدم — زہے نصیب جو اِس گھر میں رکھ لیا جاؤں
یہ کوہسارِ احد، یہ پناہ گاہِ رسولؐ — یہیں کہیں کسی کنکر میں رکھ لیا جاؤں
لباس ہو مرے تن پر غبار طیبہ کا — یہیں کی خاکِ مطاہر میں رکھ لیا جاؤں (۲۶)

زائرینِ حرم کے جذبات کو انفرادی سطح پر ادبی پیش کش جتنی عمدہ اور خوبصورت شامی صاحب کے ہاں نظر آتی ہے وہ اُن کے ہمعصروں کی شاعری میں عنقا ہے۔ فکری اور جذباتی سطح پر درِ رسول ﷺ سے منسلک ہونے کے بعد جسمانی سطح پر وہاں جانے اور پھر واپسی میں پیش آنے والے جذباتی کرب کا بیان اِس نعتیہ نظم کی خوبی ہے۔ کنکر، پتھر، مٹی یا خاک اطہر کی صورت باقی رہ جانے اور اسی خاک میں خاک ہو جانے کا احساس اردو نعتیہ شاعری کا کوئی نیا موضوع نہیں لیکن شرف الدین شامی کی شاعری کی نمایاں ترین خصوصیت ادبی اظہار ہے۔ ادبی اظہار میں اگر نیا پن موجود ہو تو موضوعات کی کہنگی میں بھی شگفتگی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

شرف الدین شامی ادبی اور علمی اظہار کے باوجود عوام اور قاری سے قریب رہتے ہیں۔ اُن کی نعتیہ شاعری کا قاری اُس تجربہ سے جڑ جاتا ہے جس سے خود شاعر گزرا۔ غزل کی سطح پر انفرادی تجربے کو اجتماعی سطح پر پھیلانے اور قاری سے فاصلے کو کم کرنے کا میلان مختلف شعراء کے ہاں موجود رہا۔ میر کے ہاں یہی میلان تاثر کو شدید کرنے کا باعث بنتا ہے۔

مت سہل اسے جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتے ہیں دیواروں کے بیچ (۲۷)

ڈاکٹر عزیز احسن شرف الدین شامی کی منفرد نعتیہ تخلیقات کے بارے میں لکھتے ہیں

"شرف الدین کا شعری عمل (Poetic work) اس اعتبار سے منفرد عمل ہے کہ ان کے دل میں شعائر اللہ کو دیکھ کر جو احترام کے جذبات ابھرے

Marfat.com

تھے ان جذبات کا اظہار کر کے انہوں نے اپنے سامعین و قارئین کو بھی
اپنی کیفیات میں شامل کر لیا ہے۔" (۲۸)

شرف الدین شامی جدیدیت کے نظریات کا فکری طور پر مکمل ادراک رکھتے ہیں لیکن انہوں نے جدید حسیت کا حامل شاعر بننے کی کہیں بھی کوشش نہیں کی بلکہ اُن کا ادبی سلیقہ اور علمی اپروچ (Approach) انہیں جدید بنا دیتی ہے۔ اُن کی شاعری روایتی شاعری نہیں کہ انہوں نے نعتیہ ادب میں موضوعات کے حوالے سے کچھ اضافے بھی کیے ہیں۔ مقاماتِ حرم اور روضۂ پاک پر پہنچنے اور اُن مقامات پر اپنی شناخت اور عدم شناخت کو انفرادی سطح پر ظاہر کرنے کی یہ کوشش نعتیہ ادب میں اضافہ ہے۔

نعت کی تخلیقی کائنات کی وسعت تک ہر شاعر کا پہنچنا آسان نہیں ہے کہ نعت کے تمام تخلیقی زاویوں کو احاطۂ تحریر میں لانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ سیرت نبی ﷺ کے ہر ورق پر انسانی تاریخ کے ایسے آبدار موتی تجربات کی صورت میں بکھرے ہیں جنہیں اپنی پلکوں سے چن کر قرطاس وقلم کے حوالے کرنا تخلیقی عمل کا حصہ ہے لیکن اس سے بھی دشوار اُن موتیوں کو ادبی احساس سے منور کر کے پیش کرنا ہے۔ شامی صاحب کے ہاں کیفیات کو خود پر طاری کر لینے اور اُس ماورائی تجربے سے گزرنے کا عمل انہیں دوسرے نعت گو شعراء سے منفرد کرتا ہے نظم "وقوفِ عرفات" کا ابتدائیہ دیکھیں۔ ذروں میں کائنات اور رنگوں میں کہکشاں کے اترنے کا منظر سامنے آجاتا ہے

وقوفِ عرفات

وجود و ذات دونوں ایک نقطے پر سمٹ آئے ہیں
جیسے عکس حیرت
آئنہ در آئنہ اترے
سبھی اطراف ہیں بس ایک ہی منظر کی تفصیلیں
بیاباں در بیاباں، ذرہ ذرہ اک وہی حالت (۲۹)

وجود و ذات کا ایک ہی فریکونسی پر آکر **اللھم لبیک اللھم لبیک** کی صدائیں بلند کرنا حجاج کرام کی کیفیات کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے جسے شامی صاحب نے نہایت عجز اور احساس کے ساتھ ادب اور فن کی سطح پر رہتے ہوئے منظوم کیا ہے۔ مجھے شرف الدین کے ان

Marfat.com

مصرعوں میں مسلم اجتماعی شعور اور عکس حیرت جیسی تراکیب سے اجتماعی لاشعوری کیفیات کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اجتماعی مسلم شعور کو انسانی لاشعور سے منسلک کرتے ہیں اور ایک کراں در کراں پھیلی ہوئی حیرت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ایک نظم "پسِ میقات" دیکھیں

پسِ میقات

پردہ گرتا ہے ادھر
اور اُدھر اٹھتا ہے
درمیاں وقت کی برزخ حائل
واں، اسیرِ سحر و شام وہی
نیند میں چلتی ہوئی خلقِ خدا

اور یہاں
چشمِ تصور سے وراء
دور ہنگامۂ روز و شب سے
منتظر ایک جہانِ فردا
دسترس میں نہیں لیکن کچھ بھی
محوِ حیرت ہیں سبھی
خود تماشا بھی تماشائی بھی (۳۰)

حرم اور گرد و نواح کو ایک حیرتی کی نگاہ سے دیکھنا اور ان کیفیات کو خود پر طاری کرنا اُن کی شعوری کاوش نہیں بلکہ دل کی پاکیزگی اور احساسِ عجز کے ساتھ کائنات بنانے والے کی بزرگی کو محسوس کرنا شاید ہر زائرِ حج کا نصیب ہوتا ہے لیکن اُسے بیان کتنے لوگ کر پاتے ہیں اور جو بیان کرنے کی ہمت خود میں پاتے ہیں انہیں اظہار کا سلیقہ بھی ربِ کائنات کے دربار سے حاصل ہو پاتا ہے یا نہیں۔ شرف الدین شامی خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے اُس ماورائے احساس جہانِ رنگ و بو کو ایک حیرتی کی نظر سے دیکھا اور وہاں اُن کے لبوں کو گویائی نصیب ہوئی جہاں خاموشی سب سے بڑی آواز بن جاتی ہے۔ اُس مقام پر زبانیں گنگ اور لبوں پر مہر ہوتی ہے۔ ایسے میں شامیؔ کا قلم اُن کی زبان بن گیا۔ گویائی کی صورت تبدیل ہوئی اور قرطاس و قلم کو نویدِ زندگی مل گئی۔ قرآن پاک کی ایک آیت یاد آتی ہے

Marfat.com

اِنَّمَا یَخشَی اللّٰہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمٰٓؤُا ط

ترجمہ: اور اہل علم ہی اللہ سے زیادہ ڈرنے والے ہیں۔(۳۱)

بندۂ مومن کی شان یہی ہے کہ وہ علم بڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنی ذات میں مختصر اور چھوٹا اور کائنات کی وسعتوں میں بڑا ہوتا چلا جاتا ہے۔ گویا انفرادی شعور میں اس کی ذات ایک نکتے میں پنہاں ہوتی چلی جاتی ہے جبکہ لاشعور میں وہ ایک پھیلتی ہوئی کائنات کی مانند ہو جاتا ہے۔ علم کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بندۂ مومن ایک بلیک ہول (Black Hole) کی طرح ہو جاتا ہے جو اپنی ذات میں تو سکڑ کر صرف ایک نکتے کی مانند رہ جاتا ہے مگر اپنی کشش میں وہ کائناتی حیثیت کا حامل ہو جاتا ہے۔

شرف الدین شامی کے ہاں علم پر جس کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ کسی حد تک مقام حیرت سے آگے کا مقام ہے۔ اُن کی شاعری میں اللہ کا خوف اور نبی اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت کا اظہار ہوتا ہے لیکن جو چیز انہیں مختلف بناتی ہے وہ کائناتی کُل کو اجزاء میں سمجھنے کی کوشش ہے۔ کائنات کے پھیلاؤ میں شناخت اور عدم شناخت کے موضوعات تو عام طور پر غزل میں استعمال کیے جاتے ہیں لیکن کائناتی کُل کو جزوی حیثیت میں دیکھنے کی کوشش انفرادی سطح پر شرف الدین شامی کا خاصہ ہے لیکن اُن کے ہاں موضوعاتی شاعری میں اِس تجربے کو بیان کیا گیا ہے جو بذات خود ایک مشکل عمل ہے۔ اقبال کے ہاں کائنات ایک متحرک کردار کی صورت میں ساتھ ساتھ چلتی ہے اور وہ اجتماعی معنوی نظام کے تحت اُسے اپنے نظریات کے پھیلاؤ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اقبال کے ہاں بھی کائناتی کُل کو اجزاء میں تقسیم کر کے دیکھنے کا رجحان موجود تھا لیکن اُن کی شاعری کا سب سے طاقتور نکتہ اُن کی فکری سطح پر نظریاتی ہونا تھا۔ وہ آغاز میں کائنات کو ایک حیرتی کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن پھر وہ اپنی فکری اساس کے باعث نتائج بھی اخذ کرتے ہیں۔ شرف الدین شامی کے ہاں کائناتی کُل کو فکری جزوی حیثیت سے دیکھنے کا رجحان تو موجود ہے لیکن انفرادی سطح پر بغیر کسی بڑی نظریاتی فکر کے وہ منظر کی وسعت میں گم ہو جاتے ہیں اور عین الیقین کے مرحلے سے نکل کر حق الیقین تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایک نظم دیکھیں:

حمدیہ نظم قریب از رگِ جاں

وہ اک آنسو کہ جو خلوت میں تیرے روبرو

دل کی گھنی گہرائیوں اندر تجھے محسوس کرتے

Marfat.com

تری الفت، تری ہیبت، تیری رہبت سے
مری جلتی ہوئی آنکھوں کے رستے سے
گھنی پلکوں پہ اترا............تو ایسے میں خداوندا!
مجھے شدت سے تیری یاد آتی ہے (۳۲)

ایک آنسو میں کائنات کا مشاہدہ اور ذات کی گہرائیوں سے ابھرنے والے عجز کو لفظوں کی شکل دینا آسان نہیں کہ ہم اپنی کیفیات کا نعت میں جس طرح اظہار کرتے ہیں وہ حمد میں ہیبت و جلالِ خداوندی کے باعث آسان نہیں لیکن شامی صاحب کی شخصیت کا گداز اور ان کی آواز کا سوز ان کی مکمل شخصیت کو ایک حمد اور نعت گو شاعر کی صورت میں ڈھال دیتا ہے۔ ایک نعت کے چند اشعار دیکھیں:

وارفتگیِ ذوق نظارہ نہ پوچھیے ۔۔۔ اِس بحرِ بیکراں کا کنارہ نہ پوچھیے
دہلیز پہ کھڑا ہوں رسولِ کریمؐ کی ۔۔۔ کس اوج پہ ہے اپنا ستارہ نہ پوچھیے
کب سے شرف یہ دیدہ و دل فرشِ راہ ہیں ۔۔۔ ہوتا ہے کب ادھر سے اشارہ پوچھیے (۳۳)

شرف الدین شامی کے ہاں مرکزِ اظہار ہی اُن کا مرکزِ عشق بھی ہے۔ یہ ہم آہنگی ان کے فکر و احساس کو جلا دیتی ہے۔ علوم سے وابستگی بھی اُن کے شعری مزاج کا حصہ ہے۔ وہ قرآن کے طالب علم ہیں کہ اُن کے ہاں موضوعات عمومی طور پر قرآن اور سیرت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اقبال کے ہاں قرآن سے موضوعات اخذ کرنے اور بیان کرنے کا رجحان ہے

فقر ذوق و شوق و تسلیم رضاست ۔۔۔ ما امینم ،ایں متاع مصطفیٰؐ ست
برگ و ساز اوز قرانِ عظیم ۔۔۔ مردِ درویشے نہ گنجد در گلیم

دوسرے شعر میں علامہ نے اس فقر کو قرآنی فقر قرار دیا ہے۔ یہ فقر صرف خود احتسابی کی کیفیات نہیں بلکہ ساری کائنات کا احتساب کرتا ہے۔

ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی اقبال کی اسی قرآنی فکر کو یوں بیان کرتے ہیں

"اقبال نے فقر کا جابجا ذکر کیا ہے۔ یہاں اس فقر کا تعارف مقصود ہے جس کو اقبال فقرِ قرآن کہتے ہیں جو اسوہ حسنہ ہے رسول مقبول ﷺ کا جس کی بابت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا الفقر فخری (فقر میرے لیے موجب فقر ہے)۔" (۳۴)

Marfat.com

شرف الدین شامی کے ہاں فکری سطح پر اقبال کا تتبع ملتا ہے لیکن اُن کا فنی رنگ منفرد ہے۔ وہ اجتماعی شعوری نظام سے منسلک ہوتے ہوئے بھی اظہار میں انفرادی تاثر کو بروئے کار لاتے ہیں۔ لفظ اور معنی کے درمیان نئے رشتوں کی تلاش ان کی شاعری کا بین السطور ہے جس کا معنوی رشتہ ساختیات اور ردِ ساختیات کے رجحانات سے جاملتا ہے۔ اُن کے ہاں لفظ اپنے معنیاتی نظام سے باہر ایک نئی منزل کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ ان کے مختلف مصرعوں میں لفظ کا معنیاتی پھیلاؤ دیکھیں

یہ تیرا خاک زاد، آدم نژاد انساں وہی ہے (۳۵)

انسان آدم سے علیحدہ مگر خاک سے جڑا ہوا فرد جو اُنس اور محبت سے آگے بھی کچھ ہے۔ انسان کو یہاں نامیاتی ہیئت سے علیحدہ ایک اکائی کی صورت میں پیش کیا گیا ہے

اک ارتباطِ مسلسل ہے نوعِ انساں میں (۳۶)

نظم "طریقِ ہجرہ" میں ہجرت نبی ﷺ کو نوع انساں کے لیے ایک مسلسل سفر کے لیے رہنما قرار دیا گیا ہے یوں نوع انسانی کو ہجرت کے راستے سے منسلک کر کے نئی منزلوں کی نوید سنائی گئی ہے۔ ترکیب "ارتباطِ مسلسل" اپنے معنی کے خول کو توڑ کر ہجرت کے حوالے سے ایک نئے پہلو کی نشاندہی کر رہی ہے۔ ساختیات لفظ اور معنی کے درمیان قائم رشتے کو مرکز کے حوالے سے دیکھنے کے بجائے فن پارے میں موجود اس کوڈ (Code) کی دریافت کرتی ہے جو فن پارے کے پس پردہ کام کرتا ہے اس کوڈ کی تشکیل میں فن کار اپنی شخصیت، اندازِ فکر اور شخصیت اور سماج کے درمیان تعلق شامل ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا اِس حوالے سے ایک نئے فکری منطقے کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

"نئی تنقید سے ساختیاتی تنقید کا انحراف نیوٹن کی طبیعات سے جدید طبیعات کے انحراف کے مماثل ہے اور یوں لگتا ہے ساختیاتی اندازِ فکر کی تشکیل میں جدید طبیعات ہی نے مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ جدید طبیعات نے مرکز ے کی جگہ پیٹرن کو دے دی ہے جو اصلاً رشتوں سے بننے والی ایک گرہ ہے۔" (۳۷)

شامی صاحب کے ہاں نفسیاتی سطح پر یقین کی کیفیت اُن کے فن پاروں میں چھپے ہوئے پسِ پردہ کوڈ (Code) کا کام کرتی ہے۔ یہ یقین اللہ کی ذات پر بھی ہے اور حضرت محمد ﷺ کی

Marfat.com

رحمت للعالمینؐ پر بھی۔

تُو مرے صحرا میں بھی اِک چشمۂ عرفاں اگا دے

مجھ کو بھی انعام پانے والے لوگوں سے ملا دے (۴۸)

نظم "میدانِ سعی میں" کے آخری دو مصرعے اپنے معنیاتی پھیلاؤ کے لحاظ سے طویل نظم پر حاوی ہیں۔زبان و بیان کے لحاظ سے "چشمۂ عرفاں" کی ترکیب اور صحرا کے ساتھ چشمہ کا تلازمہ نئے فنی منطقوں کی جانب اشارہ کرتی ہے۔شرف الدین شامی کی نظموں اور نعتوں پر مشتمل مجموعہ کلام جدیدیت کی عمدہ شاعری کا مرقع ہے اگر چہ بعض نظموں کی طوالت گراں گزرتی ہے کہ شاعری میں بعض اوقات ان کہی بھی تاثر میں کہی ہوئی سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ان کی نظموں میں "قریب از رگِ جاں"، "میدان سعی میں"، "مناظر"، "وقوف عرفات"، "قربانی" اور "ریاض الجنہ میں" کی طوالت تاثر میں کمی کا باعث بنی۔شاعر کو بیک وقت شاعر اور نقاد ہونا چاہیے کہ روایتی غزل اور نعت گو کا مسئلہ اُس کے اندر کے نقاد کا فن پارے پر نظر نہ رکھنا بھی ہے۔ایک مثال "ریاض الجنہ میں" ہے جس میں نظم آسانی سے دس سے پندرہ مصرعوں (لائنوں) میں ختم کی جا سکتی تھی جس سے تاثر اور کیفیت مجروح نہ ہوتی۔اردو نعت میں جدیدیت کے نظریات روایت سے علیحدہ اپنا ایک فکری نظام بناتے نظر آتے ہیں۔روایتی شاعری سے قطع نظر جدید حسیت اور نئے فکری نظام کے تحت کی گئی شاعری اپنا مقام بناتی نظر آتی ہے۔سرشار صدیقی کا مجموعہ حمد و نعت "میثاق" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں انہوں نے سیرت پاک کے اُن گوشوں پر ادبی اظہار ِخیال کیا ہے جن پر روایتی شاعری کم کم بات کرتی نظر آتی ہے۔سرشار صدیقی کی نعت گوئی سے پہلے جدید ادب میں آفاقیت کے سوال پر بحث لازمی ہے آفاقیت ادب میں کوئی نئی اصطلاح نہیں ۔ادب میں کلاسیکیت اور آفاقیت کو ایک دوسرے کے متوازی سمجھا جاتا ہے۔اور آفاقیت کی اصطلاح ایسے ادب کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو سارے گروہ انسانی کے لیے لکھا گیا ہو لیکن ایسا ادب کیسے تخلیق کیا جا سکتا ہے کہ انسانوں کی تہذیب و معاشرت اور طرز زندگی، اُن کا نفسیاتی نظام اور ثقافت مختلف ہو سکتے ہیں۔آفاقیت کا تعلق لکھنے والے کی فنی حدود سے نہیں بلکہ اُن کیفیات سے ہے جو فن کار پر دورانِ تخلیق وارد ہوتی ہیں۔مبین مرزا اس حوالے سے اہم بات کرتے ہیں۔

"ہر لکھنے والا پہلے مقامی ہوتا ہے بعد میں آفاقی اور جو چیز اسے آفاقی بناتی ہے، وہ ہے انسانی جذبہ و احساس کی ایسی کیفیت کا اظہار جو زبان، زمان

Marfat.com

اور مکان کی حدوں سے نکل کر دوسرے انسانوں تک رسائی حاصل کرتی، اُن کے طرزِ احساس کا حصہ بنتی اور ان کے خون کے خلیوں تک جا پہنچتی ہے۔"(۳۹)

حمد و نعت کی شاعری اپنے وسیع معنوں میں آفاقیت کی حامل ہوتی ہے کہ یہ اُن آفاقی اصولوں کا بیان ہے جو نبی اکرم ﷺ نے اپنے کردار سے دنیا کو عطا کیے۔ یہ آفاقی ضوابط اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین پیغام ہیں جو ہمیں آقائے نامدار ﷺ کے ذریعے عطا ہوئے۔ قرآن پاک اجمالی اصولوں کی کتاب ہے جو کائنات کے مالک نے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کے ذریعے انسان کی بہتری کے لیے عطا کیے۔ حمد و نعت کی شاعری کا بنیادی نکتہ محبت ہے۔ محبت خدا اور محبت رسول ﷺ ہی وہ آفاقی جذبے ہیں جو ایک مسلمان کو کائناتی تفہیم کا علم عطا کرتے ہیں اور یہ علم ہی دراصل آفاقیت ہے۔ آفاقیت کا ایک اہم پہلو انسان دوستی اور امن و آشتی کا پیغام ہے جس کی ضرورت آج ۲۰۱۶ء میں دنیا کو پہلے سے زیادہ ہے کہ ہم آج تہذیبی ٹکراؤ کے اندھے دھانے پر کھڑے ہیں۔ جدیدیت ہمیں انسان دوستی کا سبق دیتی ہے جو ادب کے آفاقی پہلو سے جاملتا ہے۔ ڈاکٹر صلاح الدین درویش اہل مذہب کی آفاقی حیثیت کو یوں بیان کرتے ہیں

"مذہب کی حقیقی تعلیمات پر ایمان اور یقین مذہبی نظریہ انسان دوستی کے تحت صالح معاشرے کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اُن کا تعلق اُن کے ظاہری پہلوؤں سے بھی اتنا ہی اہمیت کا حامل ہے جتنا کہ باطنی پہلوؤں کا مذہب کے ظاہری پہلوؤں سے اہلِ مذہب کی اقدار و روایات کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔"(۴۰)

سرشار صدیقی کی نعتیہ شاعری میں انسان دوستی کا جدید اور آفاقی پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ انسان سے محبت اور دوستی کا عالم گیر پیغام نبی اکرم ﷺ اپنی حیات مبارکہ کے ہر ہر پل میں عام کرتے رہے اور سرشار صدیقی اُسی محبت اور انسان دوستی کو لاشعوری سطح پر بیان کرتے ہیں۔

بوسہ دے کر حرم کے زینے کو　　قافلہ چل پڑا مدینے کو
اب تو آئے ہیں زیست کے آداب　　اب تو جی چاہتا ہے جینے کو (۴۱)

سرشار صدیقی کی مذہبی شاعری کی بنیاد انفرادی ہے جو اجتماعی شعور سے جاملتی ہے لیکن اگر اُن کی نعت کا مضبوط حوالہ دیکھا جائے تو وہ انفرادی سطح پر محبت رسول ﷺ کا بیان ہے۔ اُن کے

Marfat.com

شعری اظہار میں حمد کا قرینہ بھی موجود ہے۔حمد کہنا آسان نہیں کہ خالق کو مخلوق کی نظر سے دیکھنا اور سمجھنا کارِ دشوار رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اچھی نعت کہنے والے شعراء کے ہاں بھی عمدہ حمد کے نمونے کم کم دیکھنے میں آتے ہیں۔قرآن کی ایک آیت وجعلنا من الماء کل شئی حی ط افلایو منون (۴۲) کو حمد میں یوں بیان کیا:

(حمد یہ نظم) تجاہل

اور ہم نے
یہ مخلوق پانی سے تخلیق کی
جن میں انسان بھی ہیں
اور حیوان بھی
اور نباتات بھی
(سب کا آغاز پانی ہے، انجام فانی ہے)
کیا لوگ پھر بھی
جنہیں یہ خبر ہے
(وہ اِس حالتِ کفر سے باز آتے نہیں)
اور ایمان لاتے نہیں (۴۳)

سرشار صدیقی کی نعتیہ غزل انفرادی حوالوں سے بجی ہوئی ہے لیکن اپنے فکری و معنوی نظام میں اجتماعیت کا احساس لیے ہوئے ہے۔یہ اجتماعیت انہیں مسلمانوں کے اجتماعی فکری شعور کا حصہ بناتی ہے اور وہ نعت میں ایک بڑی فکر کے ساتھ نمایاں نظر آتے ہیں۔"میثاق" کا سرنامہ بننے والا شعر:

جو مری روح نے پیاں کیا تھا روز ازل
میں اپنے آخری لمحوں میں اُس کا ایفا ہوں (۴۴)

ایک اور جگہ نعت میں فاصلوں کے سمت جانے کی داستان بیان کرتے ہیں:

جب بھی گھبرائیں خیالوں میں سفر کرتے ہیں
روز کچھ لمحے مدینے میں بسر کرتے ہیں
وقت حائل ہے تو کیا ،عزم حضوری کے طفیل
دیکھنا ہم اسی دیوار کو در کرتے ہیں(۴۵)

Marfat.com

اپنے صدیقی ہونے کی نسبت کا فخر شاعری میں یوں ڈھل کر سامنے آتا ہے:

سب سے پہلی گواہی میرے جد نے دی
پھر تو یہ منصب مجھ تک سلسلہ وار چلا (۴۶)

دوسری جگہ اسی نسبت سے محبت کا انداز دیکھیں:

بُجز نسبتِ صدیقی کیا نام و نسب اپنا
ہم اُنؐ کے رفیقوں کے قدموں کے نشاں ٹھہرے (۴۷)

دوسری جگہ اسی احساس میں فکر کا پہلو شامل کرتے ہیں:

وہ دوسرا مرا جد تھا جو غارِ ثور میں تھا
سمجھ سکوں جو یہ نکتہ تو کیا سے کیا ہو جاؤں (۴۸)

ایک اور جگہ عشق رسول ﷺ سے صدیقی نسبت کو بیان کرتے ہیں:

مرے لہو میں ہے تاثیر نسبت صدیق
مجھے تو گھر سے ملا عشق مصطفیٰ کا شعور (۴۹)

سرشار صدیقی کا کلام حمد اور نعت کی روایتی فکر سے مختلف ہے کہ وہ انفرادی فکر میں اجتماعی رنگ پیدا کرتے ہیں یوں قاری کے ذہن پر تاثر اور کیفیت کا شدید احساس پیدا ہوتا ہے اور قاری سرشار کے تجربے سے جڑ جاتا ہے

ہوائے کوئے مدینہ، فضائے صحنِ حرم !!
یہ دل مسلسل اُسی کیفِ دل پذیر میں ہے (۵۰)

لمحوں میں ہم مدینے پہنچتے ہیں دوستو
یہ معجزہ نہیں یہ سلیقہ سفر کا ہے (۵۱)

نظم ''جز وکُل''، میں اجتماعی مسلم دانش کو انفرادی فکر کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

نظم جز وکُل

ہر مشکل میں ہم نے ہمیشہ
پہلے خدا کا نام لیا ہے
آپ کی سیرت سامنے رکھ کر

Marfat.com

صبر و رضا سے کام لیا ہے
آپ کا دامن تھام لیا ہے (۵۲)

"میثاق" میں نعت اور حمد کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کی منقبتیں بھی شامل ہیں اور محبت کے پیکروں کے لیے محبت کے جذبات کا اظہار نظم کی شکل میں کیا گیا ہے۔ آخر میں اپنے فن پر شاعری کے حوالے سے "بڑی بات" کے عنوان سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''شاعری تو صرف الفاظ کا پیراہن ہے۔ میں تو اس روح پر اصرار کروں گا جو میں نے لفظ لفظ کے وجود باطن میں اتارنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ان لفظوں میں میرا لہو، میرا نسب، میرا عشق بولتا ہوا محسوس ہو تو پھر میری گواہی سچی ہے۔'' (۵۳)

سرشار صدیقی قادر الکلام شاعر تھے۔ آخر میں ایک مختصر مگر فکر میں ندرت کی حامل نظم دیکھیں جو اُن کی فکری اساس کا بیان کرتی ہے:

نظم — لوحِ مزار

میں خاکِ پائے رسالت، میں گردِ راہِ حرم
مجھے خدا کی زمیں پر کہیں بھی دفن کرو
میں روزِ حشر جہاں سے اٹھایا جاؤں گا
وہ ارضِ شوق مری جنتِ یقیں ہو گی
وہ سرزمین، مدینے کی سرزمیں ہو گی (۵۴)

ادب روایت اور جدیدیت سے عبارت ہے۔ روایت وہ تخلیقی سطح ہے جہاں تخلیق ماضی اور حال کے درمیان ربط سے جنم لیتی ہے۔ یہ ربط صرف زمانوں کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں اجتماعی فکر کے عناصر بھی شامل ہوتے ہیں جبکہ جدیدیت مختلف علمی اور فکری نظریات کا ایسا مرکب ہے جس میں علوم کی فلسفیانہ اساس کو شامل بحث کیا جاتا ہے۔

نعت میں جدیدیت کے نظریات کا فروغ زیادہ پرانا نہیں۔ علوم کی فلسفیانہ تقسیم کے بعد ساٹھ اور ستر کے عشرے میں جب عالم اسلام سیاسی عدم استحکام سے گزر رہا تھا اور فکری انتشار نے اس کا اتحاد پارہ پارہ کر دیا تھا۔ ایسے میں قرآن کو اساس بنا کر اسلامی تشخص کو پروان چڑھانے کی کوششوں سے اسلامی فکر میں جدیدیت کے عناصر پیدا ہونے شروع ہوئے۔ شناخت اور فکری

Marfat.com

اساس پر قائم رہتے ہوئے فخر کا اظہار اِس تحریک کے بنیادی عناصر تھے اور پھر انسان دوستی، امن ،محبت اور علمی فکر کے جذبات نے عالم اسلام کو ایک نیا راستہ دیا۔ بیسویں صدی کی چھٹی، ساتویں اور آٹھویں دہائی میں مغرب کی سیکولر فکر نے اسلامی قوانین پر سوال اٹھانا شروع کیے۔ اسلامی تشخص کو زیر بحث لا کر اسلام کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی تعلیمات پر بے جا اعتراض پیدا کیا ۔انہی بے جا اعتراضات نے مسلمانوں میں شناخت اور مسلم اجتماعی شعور کا جذبہ پیدا کیا۔ سیکولر نظریات سے علیحدہ ہو کر مسلمانوں نے اپنی فکری اساس یعنی قرآن حکیم کی جانب توجہ کی اور اِس توجہ کے نتیجے میں فکری سطح پر ایک نئی طرز کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا۔ مسلمان کسی بھی وقت اپنی شناخت کے حوالے سے فکری انتشار کا شکار نہیں ہوتا لیکن مغرب کی اسلام مخالف تحریک نے بیسویں صدی میں دوسری جنگ عظیم (۱۹۴۵ء۔۱۹۳۹ء) کے بعد عالم اسلام کو ایک نیا ولولہ عطا کیا۔ اِس سلسلے میں بڑی فکری اساس تو مغرب کی اسلام مخالف تحریک سے حاصل ہوئی اور مسلمان قرآن وسنت کی جانب پھر سے متوجہ ہوئے لیکن اِس کے ساتھ ساتھ برصغیر میں اس مسلم اجتماعی شعور کی جانب پلٹنے میں ملت اسلامیہ کا وہ وسیع تصور بھی شامل رہا جو اقبال نے اپنی شاعری میں پیش کیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی (۵۵)

اسی فکری یک جہتی نے مذہبی ادبیات کو بھی راستہ فراہم کیا۔ تاریخ کے صفحوں سے اسلامی شخصیات کا بیان شبلی اور ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی کر چکے تھے۔ مولانا مودودی نے قرآن کی تفسیر پر اپنا بے مثال علمی کام بھی اسی تحریک کے دوران پیش کیا۔ بیسویں صدی کے نویں دھائی سے اب تک علامہ طاہر القادری اپنے علمی کارناموں سے جہاں عالم اسلام کو سرافراز فرماتے رہے ہیں ۔اکیسویں صدی کے آغاز سے مذہبی علوم کو ادبی اظہار کی حیثیت سے پیش کرنے میں نعت ریسرچ سنٹر اور نعت رنگ کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ صبیح رحمانی، عزیز احسن اور اُن کے رفقاء کی علمی کاوشوں نے اِس اسلامی شناخت کی تحریک کو آگے بڑھایا ہے۔ ساٹھ اور ستر کی دھائی میں عالم اسلام کو درپیش مشکلات کا ذکر ڈاکٹر خالد علوی ان الفاظ میں کرتے ہیں

''ساٹھ کی دھائی کا دوسرا نصف اور ستر کی دھائی کا بڑا حصہ تیسری دنیا کے لیے بالعموم اور عالم اسلام کے لیے بالخصوص ہنگاموں، سیاسی عدم استحکام اور فکری انتشار کا دور تھا۔ عالم اسلام کے اندر اسلامی تشخص کا شعور پروان

Marfat.com

چڑھ رہا تھا اور مغرب کے سیاسی اور علمی ادارے اسے خطرناک رجحان قرار دے رہے تھے ....کی جامعات میں مسلمانوں کی تاریخ و ثقافت ان کے اداروں اور ان کے علوم وفنون پر تحقیقات کا سلسلہ بھی زور شور سے جاری رہا۔" (۵۶)

جدید علومِ منطق اور علومِ سائنس کے ساتھ وابستہ اِس اسلامی شناخت کی تحریک میں ادب نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔علوم کو مختلف سطحوں پر ادبی اظہار کا درجہ ملا اور سائنس اور منطق نے ادبی سطح پر اذہان کو متاثر کرنا شروع کیا۔شاعری کی سطح پر جدیدیت کے علمی رنگ غزل اور نظم میں بھی نظر آتے ہیں لیکن مذہبی علوم میں حمد ،نعت ،مرثیہ ،منقبت اور سلام جیسی اصناف میں نت نئے موضوعات کو علمی اور منطقی سطح پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی اور جدیدیت کی شناخت اور عدم شناخت اور کائناتی اسرار کو سمجھنے کے رجحانات پر بھی بات شروع ہوئی جو اس سے پہلے ممکن نہ تھی۔ردِعمل کی اِس تحریک نے عالمِ اسلام کے لیے مغربی علوم کے در وا کیے اور شر سے خیر کا پہلو یہ نکلا کہ اب عالمِ اسلام بحیثیتِ کُل علمی حیثیت میں بیسویں صدی کے آغاز سے بہتر درجے پر کھڑا ہے۔مدارس میں دینی علوم کے ساتھ منطقی اساس پر مبنی علوم کو جگہ ملنا بھی اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ڈاکٹر ابوالخیر کشفی سائنس اور منطق کے ادب سے رشتے کو ایک مختلف نظر سے دیکھتے ہیں

"ادب کا کام دین کی عطا کردہ اقدار کی بنیاد پر انسان سازی ہے۔انسان سازی وہ منزل ہے جس تک پہنچنے کے لیے ہمیں انسان اور کائنات کے پیچ در پیچ رشتوں کو سمجھنا پڑتا ہے اور اس تفہیم کی راہ میں سائنس بھی ہماری مدد کرتی ہے کیونکہ سائنس تفہیم فطرت اور تسخیر فطرت کے عمل کا نام ہے۔ادب کے اسی وظیفے کی بناء پر آج کے سائنسی عہد میں اس کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔" (۵۷)

ادب کا تعلق سائنس اور منطق سے آج کے جدید عہد میں تعلق کی حدود بہت واضح اور متعین ہو چکی ہیں۔ادب ،شاعری اور سائنس کے حوالے سے ۱۹۳۳ء میں کروشے نے جو سوالات اٹھائے تھے آج ادب اور سائنس کا تعلق اُن سوالات کے واضح جوابات دیتے ہیں۔مذہبی ادبیات کا رشتہ ابھی تک سائنس اور منطق سے متعین نہیں ہے۔اِس کا تعین شاعری میں سیرت مصطفیٰ ﷺ کے ایسے حوالوں کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے جہاں انسان اور عظمتِ انسان کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

مسلمان کی بحیثیت مسلمان فردشناخت کے موضوعات سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

صبیح رحمانی اب نعت کے حوالے سے ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ محبتِ رسول ﷺ نے انہیں پہلے نعت کا خدمت گار پھر نعت خواں اور آخرِ آخر نعت گو شاعر بنا دیا۔ ایک مصاحبہ میں انہوں نے کہا تھا کہ آج میں جو کچھ ہوں سرکارِ دو عالم ﷺ کی محافلِ نعت اور محافلِ سیرت میں دریاں بچھانے (خدمت کرنے) کے صلے میں رب تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ بحیثیت نعت گو شاعر اُن کے ہاں شعرِ محبت کے اساسی اصول پر قائم کہکشاں سے انفرادی رنگ حاصل کرتا ہے اور پھر اُسے انفرادی رنگ میں ہی بیان کرتے ہیں۔ اُن کے ہاں مسلم اجتماعی شعور کا احساس خیال کے پس پردہ تو چلتا ہے لیکن سامنے موجود "میں"، "ہم" میں تبدیل نہیں ہوتا۔ میں نے کسی اور جگہ بھی یہ لکھا ہے کہ صبیح کا فن اجزاء کو اکٹھا کرنے کا فن ہے لیکن اجزاء کے کُل میں ڈھلنے کی تصویر مکمل نہیں ہو پاتی۔ جدید حسیت کی شاعری کے تمام لوازمات صبیح کی شاعری کا حصہ ہیں۔ وہ لفظ اور معنی کے درمیان موجود اُس نئے آہنگ سے بھی واقف ہیں جو ساختیات اور پسِ ساختیات جیسے نظریات کو جنم دیتا ہے۔

اُتاری روح کی بستی میں جلووں کی دھنک اُسؐ نے
شکستِ شب پہ ہو جیسے سحر آہستہ آہستہ (۵۸)

صبیح رحمانی کی شاعری کا بنیادی حوالہ محبت ہے۔ وہ آمد کے شاعر ہیں۔ اُن پر خیال جس صورت میں وارد ہوتا ہے وہ بہت کم تبدیلی کے ساتھ اُسے مِن وعَن کاغذ پر اتارتے ہیں۔ وہ شعوری سطح پر نعت میں کسی نظریے یا فلسفے کا پرچار نہیں کرتے کہ اوّل سے آخر وہ خالص نعت کہنا چاہتے ہیں اور یہی اُن کی انفرادیت ہے۔ وہ نعت کے موضوعات کو شعور کی آخری حد تک خالص رکھنا چاہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی نعت میں بعض اوقات مکالماتی اور ڈرامائی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ مکالماتی تاثر شعوری سے زیادہ لاشعوری محسوس ہوتا ہے۔ اُن کی ایک نعتیہ نظم "کاغذی مکاں" دیکھیں۔ فکر کی دوسری سطح پر وہ کلائمکس اور اینٹی کلائمکس کے ذریعے وہ محبت کی ایک نئی کائنات کی دریافت کرتے نظر آتے ہیں۔

نعتیہ نظم **کاغذی مکاں**

میں خوفِ عصیاں سے رو کے سویا
جو اپنا دامن بھگو کے سویا

Marfat.com

تو اک سہانا سا خواب دیکھا
کہ روزِ محشر ہے اور میں ہوں
مدد کو رحمت تکی کھڑی ہے
کرم کی برکھا برس رہی ہے
گنہ مرے
کاغذی مکاں ہیں (۵۹)

صبیح رحمانی کی شاعری فطرت کی شاعری ہے اور فطرت کی شاعری نظریات سے ماورا ہوتی ہے۔ یہ جیسے دل پر اترتی ہے ویسے ہی قلم اسے قرطاس کے سپرد کر دیتا ہے۔ انگریزی میں فطرت کی شاعری کے حوالے سے ولیم ورڈز ورتھ (William WordsWorth) (1770-1850) کی ایک نظم Daffodils یاد آتی ہے جس کو پڑھتے ہوئے مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ یہ نظم شاعر پر فطرت کے حُسن کی صورت میں اتری اور اُس نے اسے بعینہٖ قرطاس کے سپرد کر دیا۔ ایسا شاعر رومانیت اور آدرش کا شاعر ہوتا ہے جس کی تخلیقات میں تصنع نظر نہیں آتا۔ پہلے نظم کا ایک حصہ دیکھیں:

Daffodils

For off ,when on my couch,I lie
In vacant or in pensive mood,They flash
Upon that in ward eye,which is the bliss of solitude,
And then my heart with pleasuer fills,
And dances with the daffodils. (۶۰)

William Wordsworth یا اختر شیرانی دونوں کے ہاں فطرت کے حوالے نہایت مضبوط ہیں۔ یہ رومانی کیفیت ہمارے غزل کے شعراء کے ہاں موجود رہی۔ غالب، مومن، میر اور اقبال کے ہاں یہ رومانیت اور آدرش آفاقی سطح پر موجود رہے ہیں۔ عبیداللہ علیم اِس حوالے سے لکھتے ہیں

"ہماری شعری اصناف خصوصاً ہماری غزل اور اُس کے جو محاکات ہیں اور اُس کا جو افق ہے وہ بہت وسیع ہے۔ آپ کو میر صاحب کے یہاں ایک رومان ملے گا۔ آپ کو مومن کے اندر ایک رومان ملے گا۔ زمینی محبت کو جو

Marfat.com

انسانی تعلقات کی محبت ہے، وہ بھی نظر آئے گی اور ایک ماوراء میں بھی
قدم رکھتا ہوا آدمی نظر آئے گا۔'' (۶۱)

مذہبی شاعری میں فطرت کا ایسا بڑا اور وسیع حوالہ ہمیں صہبا اختر کے ساتھ ساتھ صبیح رحمانی کے ہاں نظر آتا ہے۔ فطرت کا یہ حوالہ انفرادی سطح پر مناجات اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے کرداری اور اخلاق عالیہ کے پہلوؤں سے جا ملتا ہے۔ مذہبی ادبیات میں جدیدیت سائنس کے ان پہلوؤں کا بیان ہے جو کائنات میں خیر کا باعث ہیں۔ عبیداللہ علیم نے اِس حوالے سے بھی ایک اہم بات کہی

''خیال کی سطح پر جدیدیت کیا ہے؟ خیال کی سطح پر تاریخی سلسلہ یہ ہے کہ انسان خیرِ اعلیٰ کی طرف جست لگائے .... اس بات کو سوچنا اب جدیدیت ہے یعنی سائنسز سے پیچھا چھڑانا نہیں، سائنسز کے پاس جو آلات ہیں جن سے وہ شر پھیلا رہی ہے اور جو اُس کی خیر کی سطح ہے۔ دونوں پر جو نظر رکھے گا وہی جدیدیت کی حامل فکر کا نمائندہ ہوگا۔'' (۶۲)

خیال کی سطح پر جدیدیت کا تعلق خیر کثیر اور اعلیٰ ترین کامیابی سے ہے۔ حمد اور نعت کی شاعری میں اس خیر کثیر کا تعلق اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے جا ملتا ہے۔ صبیح کی شاعری میں خیر کی یہ شکل نمایاں نظر آتی ہے جس کے پس پردہ عمومی اخلاقیات اور منطق کے تشکیل کردہ اصول کارفرما ہیں۔ صبیح کے ہاں خیال کی تشکیل کے عناصر کُل کی صورت جمع نہیں ہوتے بلکہ اجزاء کی صورت علیحدہ علیحدہ رنگ بکھیرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صبیح کے ہاں شعوری سطح پر بڑی علامت نگاری نہیں نظر آتی۔ صبیح کی شاعری آسان اور عام فہم ہے۔ اِس کی بڑی وجہ اُن کا نعت خواں کی حیثیت سے عوام سے مکالمہ اور عوامی رائے کی پہچان ہے۔ وہ نعت خوانی کی محافل کا ایک جزوِ لاینفک ہیں اور اِس حیثیت میں وہ سرکار کی مدحت کے پھول اپنے سامع کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھ کر کھلاتے ہیں۔ میری رائے میں اُن کی نعتیہ شاعری کے آسان اور عام فہم ہونے کے پس پردہ اُن کا انسانی نفسیات پر عبور ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ سید صبیح رحمانی نے نفسیات کو بطور مضمون کبھی پڑھا ہے یا نہیں تاہم میں یہ بات جانتا ہوں کہ وہ عوام کے نبض آشنا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رواں اور نغمگی سے بھرپور بحور اور رواں قوافی و ردیف کا استعمال کرتے ہیں جو آسانی سے سمجھ میں آتی ہے اور زبان زدِ عام ہو جاتی ہے۔ اُن کی ایک معروف اور زبان زدِ عام حمد کے اشعار دیکھیں جو اپنی رواں بحر اور مضبوط ردیف کے باعث لوگوں میں مقبول ہے

Marfat.com

کعبے کی رونق ، کعبے کا منظر ، اللہ اکبر اللہ اکبر
دیکھوں تو دیکھے جاؤں برابر ، اللہ اکبر اللہ اکبر
حمدِ خدا سے تر ہیں زبانیں ، کانوں میں رس گھولتی ہیں اذانیں
بس اک صدا آ رہی ہے برابر ، اللہ اکبر اللہ اکبر
اپنی عطا سے بلوالیا ہے ، مجھ پر کرم میرے رب نے کیا ہے
پہنچا حطیمِ کعبہ کے اندر ، اللہ اکبر اللہ اکبر (۶۳)

ایک دوسری حمد میں بھی جذبہ، خلوص اور اللہ کی عنایات سے شکر گزار ہونے کی کیفیات دیکھیں۔ یہاں بھی ردیف کے ردھم سے کلام میں نغمگی اور توازن پیدا ہوا ہے۔ صبیح کی شاعری کی ایک خاص خوبی جو شاید ابھی تک دریافت نہیں ہوئی وہ ان کے کلام میں ریاضیاتی توازن سے پیدا کیا گیا حسن ہے۔ ریاضیاتی توازن سے مراد لفظ اور معنی کے درمیان ریاضی کے اصولوں کے مطابق پیدا کیا گیا توازن ہے جو کلام کو حسن عطا کرتا ہے۔ ڈاکٹر احسن فاروقی نے "امراؤ جان ادا" کے دیباچے میں رسوا کے ناول کے پلاٹ کو ریاضیاتی توازن کا حامل قرار دیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

''سب سے پہلی نظر اُس (امراؤ جان ادا) کے پلاٹ پر پڑتی ہے جو نہایت درجہ سڈول اور خوبصورت ہے۔ یہ اردو کا پہلا ناول ہے جس میں تعمیر پلاٹ ہے اور رسوا کی جدت طبع داد کے قابل ہے کہ اس پلاٹ کو انہوں نے سلیقے سے تعمیر کیا............اس ناول کی ساخت میں ایک خاص قسم کا اتار چڑھاؤ ہے جو موسیقی کے وزن کی مناسبت سے سمجھا جاسکتا ہے۔'' (۶۴)

ناول کے پلاٹ کو منطقی علوم کی مدد سے متوازن کرنا اِس لیے نسبتاً آسان ہے کہ مصنف کے پاس پلاٹ کی تشکیل میں گنجائش موجود ہوتی ہے لیکن شاعر کے پاس اتنی جگہ (Space) موجود نہیں ہوتی کہ کہی اور ان کہی کے درمیان تاثر کی لہر پیدا کرنا ہوتی ہے۔ ریاضیاتی توازن سے مزین حمد کے اشعار دیکھیں:

حاضر ہیں ترے دربار میں ہم ، اللہ کرم ، اللہ کرم
دیتی ہے صدا یہ چشم نم ، اللہ کرم ، اللہ کرم

Marfat.com

جن لوگوں پہ ہے انعام ترا ، ان لوگوں میں لکھ دے نام مرا
محشر میں مرا رہ جائے بھرم ، اللہ کرم ، اللہ کرم (۶۵)

شاعری میں ریاضیاتی توازن مصرعے کی برابر حصوں میں تقسیم اور ردیف کے عمدہ استعمال کے ذریعے پیدا کیا جاسکتا ہے اور صبیح رحمانی کے ساتھ ساتھ یہ خصوصیت بہزاد لکھنوی کی بعض نعتوں میں بھی نظر آتی ہے۔ نعت میں صبیح کے اِس خصوصیت سے متصف چند اشعار دیکھیں:

ان کا احساں ہے خدا کا شکر ہے ۔۔۔ دل ثناء خواں ہے خدا کا شکر ہے
اسوۂ خیر البشر کے سامنے !! ۔۔۔ راہ آساں ہے خدا کا شکر ہے (۶۶)

صبیح کی شاعری کی دوسری اہم خوبی (جو افسانوں اور ناولز میں استعمال ہوتی ہے) وہ شعور کی رو ہے۔ شعور اور لاشعور کے درمیان کی وہ کیفیت جہاں شاعر یا افسانہ نگار کے سامنے گردوپیش نہیں رہتے بلکہ وہ خود اپنی ذات کے سامنے ہوجاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ آزاد تلازمہ خیال ہے جہاں گفتگو صرف اپنے آپ سے ہوتی ہے لیکن نعت کے شاعر کے سامنے اپنی ذات تو آئینہ ہوتی ہی ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کی محبت بھی آئینہ بن کر کھڑی ہوجاتی ہے۔ ایک نظم "سنہرے موسم" دیکھیں جس میں شعور اور لاشعور کے درمیان تاثر کی دھیمی دھیمی خوشبو پیدا ہورہی ہے۔

نعتیہ نظم ۔۔۔ سنہرے موسم

دیارِ جاں میں
سنہرے موسم اتر رہے ہیں
میں زرد لمحوں
سیاہ سایوں سے اپنا پیچھا
چھڑا چکا ہوں
پناہ میں اُن کی
آچکا ہوں
میں روشنی میں
نہا رہا ہوں (۶۷)

صبیح کی شاعری کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔ سارہ کاظمی نے ترجمہ کرتے ہوئے شاعری کی حقیقی روح کو سامنے رکھا ہے جس پر وہ قابلِ مبارک باد ہیں۔ مجھے نظم "سنہرے موسم" کا

Marfat.com

انگریزی ترجمہ پڑھتے ہوئے لاشعور کی اُس لحاتی گرفت کا احساس ہوا جو شعور سے منسلک ہو کر تاثر پیدا کرتی ہے۔شعر میں عموماً اس شعوری کیفیت کا اظہار آسان نہیں:

نظم کا ترجمہ دیکھیں

Gilded Seasons

In the dominion of self
Gilded Seasons are descending
I have broken the chase
of dark shadows and pallid moments
In His (PBUH)shelter
Have reached
I,in light
bathing (٦٨)

صبیح رحمانی کے ساتھ ساتھ آزاد تلازمہ خیال کا استعمال لاشعوری سطح پر شرف الدین شامی کے ہاں بھی ہے۔حج کے دوران مختلف مقامات پر پہنچ کر شامی صاحب ظاہری طور پر تو اسی مقام پر ہوتے لیکن باطن میں وہ روشنیوں اور رنگوں کے ایسے جہاں میں پہنچ جاتے جہاں وہ خود اپنے روبرو آئینہ ہو جاتے۔یہ اُس بڑے دربار میں حاضری کا پہلا قدم ہوتا ہے جب انسان خود پر ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے۔"مقامات" کی بیشتر نظمیں اُسی شعور اور لاشعور کے درمیان خود پر منکشف ہونے کا بیان ہیں۔ایک نظم دیکھیں:

نظم حرا کی دہلیز پر

زمانہ سمٹا ہوا ہے
دامنِ حرم میں ہے
اور اس کے بعد کا منظر
ورائے حرف و بیاں
وجود ہے کوئی؟
پر ہے کہاں وجود مرا
زمین پر نہ ہوا میں نہ خلا میں ہوں
گم آسماں سے اک آتی ہوئی صدا میں ہوں (٦٩)

Marfat.com

اپنے روبرو ہونے کا یہ منظر جب صوفی کے ہاں نظر آتا ہے تو وہاں مکاشفے کے عمل کا آغاز ہوتا ہے اور عارف یا صوفی کسی اوران دیکھی دنیا کا مسافر ہو جاتا ہے۔ شرف الدین شامی کا یہ تجربہ ایک بڑی حیرانی پر ختم ہوتا ہے۔

پرہے کہاں وجود مرا

زمین پر نہ ہوا میں نہ خلا میں ہوں

جیسے مصرے کائنات کی وسعت میں انسان کے مقام کا تعین کرتے ہیں۔ شاعر کے ہاں یہ عمل خالص روحانی تجربہ بنتے بنتے رہ گیا کہ ذات کے آئینے پر کائنات کا عکس منکشف نہ ہو سکا ۔دراصل یہ روحانی تجربہ وقت کے ایک منطقے سے دوسرے منطقے میں داخل ہونے کا عمل ہے۔ میں سے تُو کا سفر آسان نہیں کہ درونِ ذات کے الجھاوے برونِ ذات دیکھنے کا موقع نہیں دیتے۔ نظم کا آخری مصرعہ:

گم آسماں سے اک آتی ہوئی صدا میں ہوں

اسی بیکراں وسعت میں ذات کی کم مائیگی اور عجز کا بیان ہے۔ ذات کو آئینہ کر کے اسی میں شخصیت کا عکس دیکھنا آسان عمل نہیں ہے۔ اقبال نے جب ذات کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھی تو بے اختیار گویا ہوئے:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روزِ محشر عذرہائے من پذیر

گرتو می بینی حسابم ناگزیر از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر (۷۰)

ترجمہ: اے مالک کائنات تو دینے والا اور ساری کائنات تجھ سے مانگنے والی ہے

روزِ محشر میرا احساب نہ کرنا اور میرے عذر کو مان لینا

اگر تو سمجھتا ہے کہ حساب کتاب ناگزیر ہے

تو اسے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ کر کرنا

اقبال کے ہاں مختلف مقامات پر شعور سے لاشعور کی طرف سفر نظر آتا ہے۔ شرف الدین شامی کے ہاں نظموں کے طویل ہونے کی ایک بڑی وجہ تو یہی ہے کہ وہ خود اپنے سامنے منکشف نہیں ہو پاتے اور ذات کا سفر اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ انہیں اس سے نکلنے میں وقت لگتا ہے ۔نظموں کی طوالت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ شامی صاحب کو "مقامات" کی شاعری کے دوران ایک وسیع حیرانی نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا اور منظر کی روحانی وسعت انہیں باہر

Marfat.com

نکلنے کا راستہ نہیں دیتی یوں کیفیت در کیفیت وہ مقامات کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں۔ جدیدیت لفظ اور معنی کے درمیان فکری ہم آہنگی کے فروغ کا نام ہے۔ نعت گو شعراء میں جدید حسیت اور مزاج کے حامل شعراء کے ہاں، ہائیکو (جاپانی صنفِ نظم) کو نعت میں برتنے اور نبی اکرم ﷺ کی تعریف وتوصیف کے ذریعے اس صنفِ شاعری کو زندۂ جاوید بنا دینے کا عمل نمایاں نظر آتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ کسی خاص ہیئت میں شعر کہہ دینے سے جدیدیت کا کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ فکر اور مزاج کی بُنت اور ترتیب سے تعلق رکھتی ہے۔ عمومی طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ جدید فکر سے منسلک شاعر فکری اور فنی ہر دو سطحوں پر نئے منطقوں کی تلاش کرتا نظر آئے گا لیکن آج کل یہ فیشن کا حصہ بھی ہے۔ ایسا فیشن جسے ہر شاعر اپنانا چاہتا ہے۔ ایسے شعراء کے کلام میں مصنوعیت نظر آتی ہے۔ ہائیکو روایتی طور پر پانچ۔ سات۔ پانچ کے وزن پر لکھی جاتی ہے تاہم پانچ۔ پانچ۔ پانچ (تینوں مصرعے ہم وزن) اور پانچ۔ تین۔ پانچ کے وزن پر بھی تجرباتی طور پر لکھی گئی ہے۔ سید صبیح الدین صبیح رحمانی نے عمدہ نعتیہ ہائیکو لکھے ہیں۔ ہائیکو کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اِس میں فطرت کا کوئی ایک حوالہ ہونا ضروری ہے۔ صبیح کے ہاں حسنِ فطرت کے حوالے حُسنِ پیمبر ﷺ سے منسلک ہو کر آتے ہیں یوں وہ لفظوں سے روشنیوں اور رنگوں کی ایک کہکشاں ترتیب دے دیتے ہیں

معراج سرکار ﷺ\
وقت نے رک کر دیکھی ہے\
انساں کی رفتار (۷۱)

اُن کے نعتیہ ہائیکو میں خوشبو، رنگ، روشنی مختلف استعاروں کی صورت میں نظر آتے ہیں یوں حُسن کا تقابل اُن کے نعتیہ ہائیکو کا مرکزی نکتہ بن جاتا ہے۔

ابھری اک آواز\
کوہِ صفا پر آئی نظر\
رنگوں کی پرواز (۷۲)

اُن کے نعتیہ ہائیکو میں تلازمہ کاری کا خوبصورت استعمال کیا گیا ہے جو اُن کی قادر الکلامی پر دلالت کرتا ہے۔ وہ کہیں متوازی صورت میں اور کہیں برعکس کیفیات کی پیش کش کے لیے تلازمہ بناتے ہیں

Marfat.com

روشن راتیں کر

اُن کی یاد کے دیپ جلا

اُن کی باتیں کر (۷۳)

اسلام آباد میں مقیم جدید لہجے کے غزل اور نعت گو جنید آزر کے ہاں بھی نعتیہ ہائیکو ملتے ہیں ۔اُن کے ہاں فطرت کا حوالہ صبیح سے زیادہ مضبوط صورت میں سامنے آتا ہے۔ صبیح کے ہاں بعض نعتیہ ہائیکو میں اِس صنفِ سخن کی روایت کا ساتھ نہیں نبھایا گیا

ان کی عطا کے ہیں

میرے دامن میں جتنے

حرف ثناء کے ہیں (۷۴)

لیکن جنید آزر اپنی غزل کی طرح نعتیہ ہائیکو میں بھی فطرت سے ہم کلام ہوتا۔ موضوعاتی شاعری میں یہ ایک مشکل عمل ہے کہ شاعر کو اپنے موضوع سے باہر نکلنے کی جگہ (Space) میسر نہیں ہوتی ۔جُنید آزر اپنے نعتیہ ہائیکوز میں خوشبوؤں ،رنگوں اور روشنیوں میں سے خود کو گزارتا ہے اور پھر وہ اُس حُسنِ کمال تک پہنچتا ہے جس کے باعث کائنات تخلیق کی گئی۔

تیرے دَر پہ سوال کرتا ہوں

اور اک پل میں آ اترتی ہے

ساری دنیا مری ہتھیلی پر (۷۵)

جنید آزر کی تمام نعتیہ شاعری جو مختلف ادبی رسائل میں بکھری ہوئی ہے (جنید کا نعتیہ مجموعہ کلام ابھی شائع نہیں ہوا) کو پڑھ کر ایک بات کا احساس ہوتا ہے کہ اُس کے ہاں لفظ اپنے لغوی معنوں سے باہر نکل کر ایک نئے اصطلاحی معنی کی بنت کرتا ہے۔

اس لعاب دہن کا کیا کہنا

جس کے صدقے میں اب بھی جاری ہے

سلسلہ ٹھنڈے میٹھے چشموں کا (۷۶)

" چشموں " کا لفظ اپنی لغوی حیثیت سے باہر نکل کر ایک آفاقی سطح حاصل کر گیا۔نعتیہ ہائیکو کے ذکر پر مجھے بھی اپنا ایک نعتیہ ہائیکو یاد آیا

Marfat.com

آپؐ کا ذکر آسمانوں پر!
آپؐ ہر عہد کے پیمبر ہیں!
آپؐ کا ہاتھ سب زمانوں پر (۷۷)

صبیح کے ہاں ہائیکو کے مختلف اوزان استعمال ہوئے ہیں جبکہ جنید آزر نے ہم وزن مصرعوں سے ہائیکو کی فنی بنت کی ہے یوں کہا جا سکتا ہے کہ صبیح کے ہاں نئے فنی اور ہیئتی تجربوں کا رجحان آزر سے زیادہ موجود ہے مگر فطرت کا جتنا مضبوط اور فکر میں گندھا ہوا حوالہ جنید کے ہاں ہے وہ دوسرے شعراء کے ہاں نظر نہیں آتا

صحن گل کا طواف کرتی ہیں
ان کے لہجے کی نرم شیرینی
تتلیاں ڈھونڈتی ہیں پھولوں میں (۷۸)

مرحوم اکبر حمزئی روایت سے منسلک نعتیہ شاعر تھے جن کے ہاں قدماء کے بنائے ہوئے شعری راستوں پر چلنا ہی شاعری کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ روایت اور کلاسیکیت کا امتزاج ان کی نعت کی خصوصیت تھی تاہم کہیں کہیں وہ روایت اور جدیدیت کے امتزاج سے ایک نیا رنگ نکالنے میں بھی کامیاب ہوئے۔

حُسن و جمالِ کون و مکاں آپؐ ہیں حضورؐ
صبحِ ازل کا سرِعیاں آپؐ ہیں حضورؐ
پائی ہے کائنات نے تنویر آپؐ سے
بزمِ جہاں میں نور فشاں آپؐ ہیں حضورؐ (۷۹)

دوسری جگہ بھی اسی خوبصورت امتزاج کو ایک رنگ میں قرطاس کی زینت بنایا ہے

قائم جہاں میں اپنا بھرم آپؐ ہی سے ہے
اللہ کا ہم پہ لطف و کرم آپؐ ہی سے ہے
تخلیقِ کائنات ہوئی آپؐ کے طفیل
یہ اہتمامِ لوح و قلم آپؐ ہی سے ہے (۸۰)

اردو نعت کی کلاسیکی روایت کا ایک نام نذر صابری کا ہے۔ نذر صابری محقق اور مخطوطہ شناس کی حیثیت سے ہماری علمی روایت میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ اُن کی نعتیہ شاعری کلاسیکی روایت

Marfat.com

اور جدیدیت سے الگ الگ ایک نیا اور منفرد رنگ پیش کرتی ہے۔عالم باعمل اور ادبی روایت کے ناقد کے طور پر نذر صابری نے نعت کی تخلیقی روایت کو ایک صوفی کی نظر سے دیکھا اور یوں اُن کے کلام کے مطالعے کے دوران مجھے یوں محسوس ہوا جیسے روایت جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے رنگ کہیں پس منظر میں ہیں اور سامنے موجود فن پارہ کسی اور دنیا کی کہانی بیان کر رہا ہے ۔"مقامات" (شرف الدین شامی) کے مطالعے کے بعد جس طرح ایک بڑی اور وسیع حیرانی نے مجھے گھیرے میں لے لیا تھا، نذر صابری کے کلام کے مطالعے کے دوران رنگ، روشنی اور خوشبوؤں سے بجی ہوئی وسعت نے مجھے اپنے حصار میں لیا۔نذر صابری کی نعتیہ شاعری اہل صفاء کی اسی روایت سے منسلک ہے جس کا پیغام صرف اور صرف محبت ہے۔اگر نذر صابری کی نعتوں کو ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو محبت اُس کا بہترین عنوان ہو سکتی ہے۔خدا کی اپنے بندوں سے محبت بندے کا خدا سے قرب، آقائے نامدارؐ سے ہماری عقیدت، آقاﷺ کی ہم سے محبت اور محبتوں کے ہزار ہا رنگ ان کی نعتیہ شاعری میں بکھرے نظر آتے ہیں۔اُن کی شاعری میں بین السطور ہمیں ایک اطمینان نظر آتا ہے ایسا اطمینان جو دلوں کو حصول کے بعد ہوتا ہے۔اُن کا نعتیہ مجموعہ "واماندگیِ شوق" ملٹری پرنٹنگ پریس اٹک سے شائع ہوا جس میں اردو، پنجابی اور فارسی کی چالیس نعتیں شامل ہیں۔نذر صابری کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر سعد اللہ کلیم کی رائے دیکھیں۔

> ''عشق کے بغیر شعر تک بندی رہ جاتا ہے اور عشق میں ذرا سی بے باکی اس سرکارؐ میں تو شاید معافی کے قابل ہو مگر خدا اپنے محبوبؐ کے حضور گستاخی کو کیسے معاف کرے گا۔ان تمام مراحل سے نذر صابری کی نعت یوں کامران گزرتی ہے کہ جیسے اسے کوئی ان دیکھا ہاتھ گزار رہا ہو۔'' (۸۱)

نذر صابری اہل صفا میں سے بھی تھے اور اہل علم میں سے بھی۔تحقیق کے دریا کے شناور بھی تھے اور تخلیق کے میدان کے شہ سوار بھی۔ان کی نعت کے اشعار دیکھیں

ہے ضبطِ اشک سے میرے چمن کی شادابی
مری بہار فقط وقفِ چشمِ تر تو نہیں
یہ اور بات کہ وہ بے نیاز رہتے ہوں
وہ میرے حال سے واقف ہیں بے خبر تو نہیں (۸۲)

Marfat.com

اردو کی کلاسیکی غزل کی روایت کے عین مطابق محبوب خدا ﷺ کا نام بین السطور ہی لیا گیا ہے اور عقیدت و احترام کے پردے میں نہاں ہو کر محبت رسول ﷺ کا بیان کیا گیا ہے۔ اُن کی نعتیہ شاعری میں غزل کا روایتی رنگ موجود ہے لیکن محبوب کا تصور غزل کے محبوب سے بہت بلند ہے۔ شانِ رسول ﷺ کا صحیح ادراک نذر صابری کی نعتیہ شاعری کا مرکزی نکتہ ہے۔

اِس قدر تیز تھی جو روحِ عمل   دشت گلزار ہو گئے ہوں گے
کان میں پڑ گئے جو بول ان کے   درِ شہوار ہو گئے ہوں گے
گردشیں تھم گئیں ستاروں کی   محوِ دیدار ہو گئے ہوں گے(۸۳)

نذر صابری کی نعت نہاں میں عیاں اور عیاں میں نہاں کا منظر پیش کرتی ہے۔

نعت کی ادبی روایت میں قدیم اور جدید کے درمیان اہل صفاء نے بھی اپنا الگ راستہ منتخب کیا ہے۔ یہ راستہ جدیدیت، مابعد جدیدیت اور ساختیاتی منزلوں سے علیحدہ روایت کی تشکیل کرتا ہے۔ نذر صابری کا راستہ محبت رسول ﷺ کا راستہ ہے جہاں سب نظریاتِ علم و حکمت اسی منبع علم و حکمت کے آستانے سے جا ملتے ہیں۔ نذر صابری کی ایک نعت دیکھیں جس میں لفظوں کی ایمائیت اور فکر کا حُسن اُسے ایک بڑی تخلیق قرار دیتے ہیں۔

نعت

بت کدہ صفات میں تنہا خدا نما صنم
جھک گئے سامنے ترے کفر کے سب خدا صنم
سجدے کو مضطرب زمیں تو نے کہا نہیں نہیں
رک گیا قافلہ وہیں ضبط کی انتہا صنم
رحمتِ کائنات تو ، خواجۂ شش جہات تُو
میری نگاہ کا وطن ،تیری ہر اک ادا صنم
عالمِ ہست و بود میں ،غیب میں اور شہود میں
گر ہو خدا حدود میں کہہ دوں تجھے خدا صنم
سدرہ و درج و دوکماں تیرے عروج کے نشاں
وہم و خیال سے پرے عقل سے ماورا صنم

Marfat.com

اے بُت البطحیٰ لقب امّی افصح العرب
دانش و حکمت وادب سارے ترے گدا صنم (۸۴)

مکمل نعت کے مطالعے کے بعد تجزیے سے قبل اسی نعت کے حوالے سے ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کی رائے دیکھیں۔

''نذر صابری کی زیر نظر تازہ نعت عشق ومؤدت کا بہترین اظہاریہ اور فکرو فن کا عمدہ نمونہ ہے۔موضوعات کی رنگارنگی ،اسلوب کی تازہ کاری لفظیات کا چناؤ، بحر کی کرشمہ کاری اور تیکنیکی عناصر کے معجزانہ استعمال نے اسے شاہ کار بنادیا ہے۔'' (۸۵)

نذر صابری کی یہ نعت فکر اور فن کے امتزاج کی اعلیٰ مثال ہے۔مترنم اور نغمگی سے بھر پور ایسی بحر کا استعمال جس میں مصرع صرف فنی حیثیت میں ہی نہیں بلکہ فکری سطح پر بھی دو برار کے حصوں میں تقسیم ہوا سی ریاضیاتی توازن کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ڈاکٹر احسن فاروقی کو رسوا کے ناول کے پلاٹ میں محسوس ہوا تھا۔نذر صابری یقیناً موسیقی کی اُس سرمدی لے سے وقف تھے جو انسان کے اندر ہُو کی تکرار سے پیدا ہوتی ہے۔ردیف "صنم" نے اِس نعت میں لفظ اور معنی کے درمیان موجود رشتوں کی کائنات میں وسعت کو بیان کیا ہے۔نعت کا روایتی شاعر "صنم" کی ردیف کے ساتھ نعت کی جُرات نہیں کرسکتا تھا کہ لفظ کا معنوی دائرنعت سے باہر ایک نئی ان دیکھی دنیا کی طرف لے جاتا ہے۔عجز بیان کے ساتھ جُرات اظہار بھی محبت کی ایک کڑی ہوتی ہے ۔خوبصورت تراکیب اور تلمیحات سے سجے ہوئے مصرے نعت کی فنی قدر و قیمت میں اضافہ کرر ہے ہیں:

سدرہ و درج و دو کماں تیرے عروج کے نشاں
یا اے بُت البطحیٰ لقب اُمی فصح العرب

جیسے مصرعوں میں اسلامی تاریخ سے منسلک مختلف واقعات کو مختصر لفظوں میں مصرے کی زینت بنانا نذر صابری کا ہی حصہ ہے۔نذر صابرؔی کی اِس نعت میں روانی ہے کسی طرح کے تصنع یا بناوٹ سے پاک ایک بالکل مختلف اظہار خیال ہے اور یہ ایک صوفی باصفا کی نبی اکرم ﷺ سے بے مثال محبت کا ثبوت ہے۔اگر مختصر الفاظ میں اس نعت کی خصوصیات بیان کی جائیں تو کچھ یوں منظر بنے گا۔

Marfat.com

☆ ردیف ''صنم'' کے استعمال سے لفظ اور معنی کے درمیان نئے رشتوں کی تشکیل۔

☆ بحر کا استعمال اور مصرعوں کی برابر تقسیم سے فن پارے میں خاص طرح کے منطقی اور ریاضیاتی تناسب کا احساس۔

☆ تلمیحات کے استعمال سے فن پارے کے فکری حُسن میں اضافہ۔

☆ نعت کی صنف میں ایک تازہ اسلوب کا احساس۔

☆ مشکل ردیف اور قوافی کے استعمال سے شاعر کی قادر الکلامی۔

نذر صابری کی نعتیہ شاعری کے مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ نہایت آسانی سے شعر کہتے ہیں یوں کہیے کہ شعر کی دنیا سے وہ آسانی سے ہو گزرتے ہیں۔نومبر ۱۹۹۳ء میں ان کی کہی ہوئی نعت میں روانی اور آسانی کا منظر دیکھیے

کہ جیسے طبع کو میلان بھولتے ہی نہیں   کہ جیسے درد کو درمان بھولتے ہی نہیں
کہ جیسے کھیت کو دہقان بھولتے ہی نہیں   کہ جیسے جانور استھان بھولتے ہی نہیں
کہ جیسے شاخ کو پتوں کو پھول کلیوں کو   نمِ بہار کے فیضان بھولتے ہی نہیں
اسی طرح تری نعمت کے خوشہ چینوں کو   ترے دیار کے احسان بھولتے ہی نہیں (۸۶)

اس نعتیہ نظم میں مصرعے رواں ہیں اور متوازی کیفیات کے ذریعے کلائمکس سے اینٹی کلائمکس کی طرف جانے سے تمثیل کاری کا رنگ بھی پیدا ہو گیا ہے۔نذر صابری نے چھوٹی بحر میں بھی نعت کے خوبصورت اشعار نکالے ہیں۔چھوٹی بحر میں عمدہ اشعار نکالنا استادانہ فن ہے اور نذر صابری مرحوم فنِ شاعری کے استاد تھے۔

کون پاکیزگی میں مجھ سا ہے   ان کا عہد شباب کہتا ہے
ان سا کہہ کر مجھے خجل نہ کرو   پاؤں پڑ کر گلاب کہتا ہے
وہ سحر ہیں مجھے کرن لکھو   مجھ سے یہ آفتاب کہتا ہے
وہ سنیں گے مرا فسانۂ دل   ہاں ! مرا اضطراب کہتا ہے (۸۷)

نعت کی دنیا میں جدیدیت اپنی اصل صورت سے علیحدہ منفرد رنگ میں سامنے آتی ہے ۔جدیدیت کے ادبی نظریات نعت کے میدان تک پہنچتے پہنچتے اپنا رنگ بدل لیتے ہیں۔کہیں اِن میں علوم دینی کی مہک شامل ہوتی ہے کہیں اہل صفاء کا اندازِ محبت انہیں نیا پیراہن دے دیتا ہے بنیاد ایک ہوتے ہوئے بھی جدیدیت اِس راستے پر اپنی شکل تبدیل کر لیتی ہے کہ عمومی جدیدیت

Marfat.com

اور نعت کے میلان میں جدیدیت کے درمیان بنیادی فرق جذبۂ محبت کا ہے۔اس جذبۂ محبت میں عقیدت، احترام اور احساسِ عجز بھی شامل ہو جاتے ہیں۔یہ احساس عجز اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا حوصلہ بھی دیتا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف بیان کرنے کی طاقت بھی۔

دستوفسکی نے ایک جگہ لکھا ہے:

''غیر معمولی شخص کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق حد سے گزر جائے''۔

نعت حدود میں رہتے ہوئے لامحدود کو سمجھنے کا عمل ہے۔روشنیوں، رنگوں اور خوشبوؤں سے سجی ہوئی اِس کائنات کو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے آئینے میں دیکھنے کا عمل ہے۔نعت صرف توفیق رب تعالیٰ کا مظہر ہے کہ انسان اپنے ہُنر اور فن کے بل پر نعتِ رسول ﷺ نہیں کہہ سکتا۔جگر مراد آبادی کا قول ہے۔''اللہ اگر توفیق نہ دے، انسان کے بس کا کام نہیں''۔

حافظ افضل فقیر کا اِس حوالے سے زبان زدعام مصرع ہے۔

توصیفِ پیمبر ہے توفیق خداوندی

میری نعت کا ایک مقطع ہے:

اللہ کے دربار سے توفیق ملی ہے　　　آئی ہے نئی نعت جو کاشف کی زباں پر (۸۸)

دوسری جگہ اسی خیال کو یوں نظم کیا ہے:

نعت توفیق کا ثمر ہے اسے　　　کب ہم اپنا کمال جانتے ہیں

عثمان ناعم نعت کی روایت سے جُڑے ایسے شاعر ہیں جن کے ہاں تراکیب و تلمیحات کی صورت جدید حسیت کا اظہار ہوتا ہے۔وہ لفظوں کو اُن کے لغوی معنوں سے باہر لے جانے کے فن سے واقف ہیں تاہم صرف جدیدیت کے شوق میں وہ روایت سے ناطہ نہیں توڑتے:

واصفِ شانِ رسالتؐ ہوں، مرا ایک اک لفظ
گنجِ فردوس مَیں تعمیر محل کرتا ہے
ہر گام پہ ہے جبر کی یورش نئی نئی
آقاؐ علاج گردشِ حالات چاہیے (۸۹)

اُن کی شاعری میں عشق، شیفتگی اور محبت کا والہانہ اظہار انہیں ہمعصروں سے جدا رکھتا ہے۔تاہم روایت سے منسلک ہوتے ہوئے بھی کچھ نئے مضامین بھی اُن کی نعتوں کا حصہ بنے ہیں

Marfat.com

شب کی ظلمت ہے بیاباں کا سفر ہے مولاً
میں بھٹک جاؤں نہ رستے میں اجالا کیجیے
آپؐ کی شان کہ محبوب خدا کے ٹھہرے
میری یہ شان کہ ہے آپؐ سے نسبت مجھ کو (۹۰)

عثمان ناعم کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے حمید شاہد لکھتے ہیں

''نعتِ ناعم کے متعدد اوصاف میں سے ایک نمایاں وصف یہ بھی بنتا ہے کہ فقط جدید ہونے کی للک میں یہ روایت کے باغی نہیں ہوئے''(۹۱)

نعت کی روایت سے منسلک ایک اور اہم شاعر حافظ نور احمد قادری ہیں جن کے ہاں جدید تشبہاتی اور استعاراتی نظام ان کی شاعری میں مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔سید آصف اکبر نے حافظ صاحب کی شخصیت اور شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے کہا

''صاحب کتاب (متاعِ نور) ایک کھلی کتاب جیسے آدمی ہیں۔نہ اُن کی روزمرہ کی گفتگو میں کوئی الجھاؤ اور پیچیدگی ہے نہ اُن کی شاعری میں۔مضامین سامنے کے ہیں اور اندازِ بیان سادہ۔الفاظ اور تراکیب عام فہم ہیں اور بحریں،ردیف اور قافیے مانوس۔ایسے میں جو چیز اُن کی شاعری کی طرف لوگوں کو کھینچتی ہے وہ ان کا جذبہ ہے۔''(۹۲)

نور احمد قادری کے ہاں عقائد اور عقیدت گھل مل کر سامنے آتی ہے۔ان کے ہاں کسی قسم کی فکری پیچیدگی یا ابہام موجود نہیں۔وہ اپنی تخلیقات کے لیے مواد قرآن پاک کی آیات اور سیرت مبارکہ کے واقعات سے حاصل کرتے ہیں اور پھر اپنے خاص اسلوب میں اُسے ادبی اظہار بنا کر پیش کرتے ہیں۔ان کی ایک مشہور نعت کے چند اشعار دیکھیں

یہ ازل سے برکتوں کا جو نظام چل رہا ہے
اسی خلقِ روزِ اول کا دوام چل رہا ہے
نہیں خشکی و تری پر ہی فیض خسروانہ
سرِعرش بھی تو آقاؐ ترا نام چل رہا ہے
ہوئے آپؐ کے جو دشمن رہے نامراد و ابتر
ملا آپؐ کو وہ کوثر جو مدام چل رہا ہے

Marfat.com

وہ کرم کا خاص مظہر تھا عجیب ایک منظر
کہ اٹھائے بوجھ بڑھیا کا امام چل رہا ہے
کوئی چاہے مجھ کو لینا تو انہیؐ کا دے حوالہ
مرا مدتوں سے اب تو یہی دام چل رہا ہے (۹۳)

حافظ نور احمد قادری برصغیر کے ایک بڑے روحانی سلسلے سے منسلک ہیں جس نے اُن کی شخصیت میں ایک سوز و گداز پیدا کر دیا ہے۔انہوں نے سادہ زبان میں حال دل بیان کرنے کی کوشش کی ہے جس میں خلوص اور محبت کا شیریں ذائقہ قاری کو محسوس ہوتا ہے

آفاق پہ ہو اپنے مقدر کا ستارہ   ہو جائیں جو طیبہ ہی میں پیوندِ زمیں ہم
یہ کرم ہے رسولِ اکرمؐ کا   نعت خوانوں میں ہے شمار اپنا
سجاؤں محفلیں صلِّ علیٰ کی   یہی مقصد ہو میری زندگی کا
ان کی نسبت کا سہارا مانگے   نور بھی نور کا صدقہ مانگے (۹۴)

حافظ نور احمد کے ہاں جدیدیت سے منسلک سماجی ادراک اور منطقی علوم کے ذریعے نظام کائنات کو سمجھنے کی کوشش نظر آتی ہے لیکن اِس ساری فکر کے پیش منظر میں محبت خدا اور محبت رسول ﷺ کے عناصر موجود ہوتے ہیں۔وہ عہد موجود میں انسانی اذہان میں شامل پیچیدگی کو سیرت رسول ﷺ کے ذریعے ختم کرنے پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔پیچیدہ سے پیچیدہ صورت حال میں بھی وہ محبتِ رسول ﷺ کو ایک قوت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔وہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی ذات بابرکات کو ہر مشکل گھڑی میں ایک ایسا سہارا قرار دیتے ہیں جو سماج کے نفسیاتی توازن کی ضمانت بن جاتا ہے۔

جن کا پرسان حال کوئی نہ ہو   ان کے وہ دست گیر ہوتے ہیں
مدینہ ہو نہ جب تک اپنا مرکز   یہ شیرازہ یونہی برہم رہے گا (۹۵)

منطقی علوم سے وابستہ فکر کو سیرتِ رسول ﷺ کے آئینہ میں پیش کرنا اگرچہ آسان نہیں کہ موضوعاتی شاعری میں موضوعات کی وسعت کے لیے گنجائش یا space موجود نہیں ہوتی۔ پھر اس راہ میں عقیدت اور احترام کا دامن چھوڑنا راستے سے ہٹ جانے کے مترادف ہوتا ہے لیکن حافظ نور احمد قادری اِس مشکل مرحلے پر بھی سیرتِ رسول ﷺ کی مدد سے سرخرو ہوئے۔

چاند پر جانا بھی ہے گرچہ کمالِ آدمی   ہے مگر معراجِ انساں عرش پر جانے کا نام

Marfat.com

گردشِ دوراں ٹھٹھک کے رک گئی　　جب سرِ عرشِ علیٰ آقاؐ گئے (۹۶)

جدیدیت انسانی شخصیت کے پاتال میں چھپے ہوئے اُن فکری عناصر کو سامنے لانے کا نام ہے جو شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں۔ شاعر یا ادیب اپنی شخصیت میں محبت کا عنصر رکھتے ہیں۔ یہ محبت جب دنیا کے سب سے کامل انسان حضرت محمد ﷺ کے لیے نمایاں ہوتی ہے تو نعت بن جاتی ہے۔ جدیدیت طرزِ اظہار میں روایت سے مختلف ہے کہ ادبی اظہار کے ہزار ہا زاویوں میں سے نعت کا بیان سب سے حسین زاویہ ہے۔ حُسن اپنی کُلی صورت میں شاعر پر اترتا ہے اور وہ اسے اجزاء (شعر، مصرع۔ لائن) کی صورت قرطاس پر اتارتا چلا جاتا ہے۔ غیر مسلم شعراء کے ہاں اس حسنِ رحمت عالم ﷺ کو نعت میں ڈھالنے کا رُجحان بہت پرانا ہے۔ غیر مسلم شعراء کے ہاں نعت کہتے ہوئے ایک نارسائی کی کیفیت کا احساس ملتا ہے جو نعت میں ایک مختلف تاثر پیدا کرتی ہے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی کا وہ مقبول شعر دیکھیں۔

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں　　صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں (بیدیؔ)

نارسائی کا غم اور پیچھے رہ جانے کے احساس نے شعر کی ساری کیفیت کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ بالکل اِسی طرح کی کیفیت کا احساس آپ کو ستیہ پال آنند کی اس نظم کی آغاز کی چند لائنوں سے ہوگا۔

نظم بصورت استغاثہ

آپ میرے بھی نبی ہیں
اور اُس کے بھی نبی ہیں جس نے مجھ کو
آج گالی سے نوازا ہے کہ شاید
میرے چہرے میں کہیں اسلام سے وابستگی کی
کوئی شہ سرخی نظر آئی تھی اُس کو (۹۷)

ستیہ صاحب کے ہاں حضرت محمد ﷺ کے در سے دوری کے باعث عمومی طور پر حزن کی کیفیات ملتی ہیں۔ لیکن وہ ایک گلوبل شہری ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں سے بھی آگاہ ہیں۔ تہذیبی ٹکراؤ کے اِس عہدِ بے فیض میں وہ امن کے ایک بڑے پرچارک کے طور پر اپنی نظموں میں سامنے آتے ہیں اور ایسے میں وہ حضرت محمد ﷺ کو ایک آئیڈیل شخصیت کے طور پر ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ اِس تہذیبی تقسیم میں وہ غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی "محمدی" ہو کر سامنے آتے ہیں

Marfat.com

۔زیرِ تبصرہ نظم کی آخری لائنیں دیکھیں

آپؐ تو مبعوث ہیں سارے زمانوں، ساری نسلوں
عالمین الکل کی بہبودی کی خاطر
ایسے جہلاء کو نظر انداز کر دوں؟ (۹۸)

انسانی انا اور محبت کے توازن سے پیدا ہونے والی شاعری ستیہ کے ہاں ایک خاص حُزنیہ اور استفہامیہ لہجے کی تشکیل کرتی ہے۔ جس کے دوران وہ فکری سطح پر بڑے کائناتی سوالوں کی جانب بھی متوجہ ہوتے ہیں۔ ستیہ کی نعتیہ نظموں میں فکری سطح پر دنیا بشکل گلوبل ولیج (Global Village) نظر آتی ہے اور فرد ایک اکائی کے طور پر اپنی شناخت پر مُصر نظر آتا ہے۔

مجھ کو لگتا ہے، قیافہ فہم یہ سب لوگ
ان اوضاع کو، اطوار کو پہچانتے ہیں
جن سے مصطفوی مرا چہرہ علامت بن گیا ہے
آپ کی امت کا
(چاہے غیر مسلم ہے یہ بندہ!) (۹۹)

نظم کا فرد "میں" غیر مسلم ہوتے ہوئے ان اخلاقی اور روحانی اقدار کا پابند ہے جو حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ ایسے میں اپنی وضع قطع سے وہ مسلم نظر آنے والا غیر مسلم اپنوں کی بے اعتنائی کا شکار ہے لیکن اجزاء کُل کو تلاش کرنے والا "میں" اپنے مصطفوی چہرے کے باوجود غیر مسلم ہے۔ وہ حُسن کو کُل (Total) میں آ کر تلاش کیوں نہیں کرتا۔ یہاں ستیہ کی شخصیت کے دو مختلف رخ ہمارے سامنے آتے ہیں محبت، خیر اور حسن کو اپنے باطن میں رکھنے والا خدائے بزرگ و برتر کے آگے حاضر ہونے میں کیوں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔ شاید شاعر کو یہ سوال خود سے بھی کرنے کی ضرورت ہے۔

رشید قیصرانی بھی انہی غیر مسلم شعراء میں شامل ہیں جو ہادی برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیغامِ حق سے متاثر ہوئے اور اپنے کلام میں اسے بیان بھی کیا۔ اُن کی ایک طویل نعتیہ نظم "روشنی کا پیمبر" ہے جس میں وہ نبی اکرم ﷺ کی رحمتِ بے کراں کو لفظ "محبت" کی شکل میں خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

Marfat.com

روشنی کا پیمبر

زمیں.........اندھی کالی زمیں پر

چمکتی ہوئی نور کی ایک چادر بچھائے چلا ہے

وہ چادر کہ جس پر مقدس ستاروں کی جھالر

چمکتے ہوئے زندہ لفظوں کی بیلیں سجی تھیں

وہ چادر جہاں سات افلاک کے سات رنگوں سے

اک قوس سی بن گئی تھی (۱۰۰)

رشید قیصرانی مختلف لہجے کے شاعر ہیں۔اُن کے ہاں علامت فطرت سے ہم آہنگ ہو کر آتی ہے۔وہ چادر کو علامتی سطح پر اُس رحمت کی چادر سے منسوب کر رہے ہیں جو آقا ﷺ نے تمام انسانوں کے سروں پر ڈال دی۔قرآن نے اِسی نکتے کی وضاحت یوں کی

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ O

ترجمہ:''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔(الانبیآء......آیت ۱۰۷)

رشید قیصرانی محبت کے لفظ کو آقا کریم ﷺ کی زندگی کے تمام عفوودرگذر اور خلوص سے تشبیہ دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

اور اس قوس کے دونوں جانب

پرانی زبانوں میں ایک لفظ............تنہا دہکتا سا اک لفظ لکھا ہوا تھا

وہ چادر جہاں چار کونوں پر تھے

چار حرفوں کے چہرے

یہی چار حرفی عبارت بنائے جہاں تھی (۱۰۱)

شاعر دو جہانوں کی بنیاد اِسی چار حرفی لفظ محبت کو قرار دے کر کائنات کی تشکیل میں محبت کے عنصر کے شامل ہونے کے فلسفے کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن یہ محبت دراصل خدا اور خدا کے حبیب حضرت محمد ﷺ کے درمیان تھی۔کائنات کی تشکیل ''کُن'' کے لفظ سے ہوئی لیکن اِس کی بنیاد میں محبت کا جذبہ تھا۔شاہ محمد سبطین شاہجہانی نے بزم حمد و نعت کے اسلام آباد کے زیر اہتمام منعقدہ نعتیہ مشاعرے میں فرمایا۔

Marfat.com

''سیرت کے جلسے کرنے والوں اور میلاد منانے والوں کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے۔سیرت کے جلسے منعقد کرنے والے آقا کریم ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملنے کے بعد نبی مانتے ہیں جبکہ میلاد منانے والے آقا کریم ﷺ کو یوم الست سے نبی تسلیم کرتے ہیں۔''(۱۰۲)

مقصد اختلافات کو ہوا دینا نہیں بلکہ آقا کریم ﷺ کی اپنی امت سے بے پایاں محبت کا اظہار ہے۔شاعر رشید قیصرانی کے ہاں بھی محبت کا مفہوم بہت وسیع ہے وہ نبی اکرم ﷺ کی روشنی اور رحمت کو کائنات کے آغاز سے ہی تسلیم کرتے ہیں اور آقا کریم ﷺ کی شخصیت کے ان نورانی پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہیں جنہوں نے کائنات میں ہر مخلوق پر اپنی رحمت کی بارش برسائی۔

یہی روشنی تھی
یہی روشنی کے پیمبر کا پیغام بھی تھی
یہی چار حرفی عبارت کو میں نے پڑھا تھا
مجھے "م" سے ماورائی حقائق کی دولت ملی
مجھے "ح" سے حرمت ملی لفظ کی
مجھے "ب" سے آنکھوں کی بارش ملی
مجھے "ت" سے تو مل گیا۔ (۱۰۳)

روشنی کے پیمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پیغام ہی دنیا میں امن، آشتی اور استحکام تھا۔

مجھے "م" سے ماورائی حقائق کی دولت ملی

یہ ماورائی حقائق کون سے ہیں۔شاعر یہاں منطق اور روحانی کیفیات کے درمیان ایک ایسا رشتہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا جو مذہب اور سائنس کے درمیان نئے تعلق کی نوید سناتا ہے۔قران حکیم ہمیں بار بار جاننے، سیکھنے اور تجسس کرنے کا حکم دیتا ہے اور شاعر اسے مجھے "ماورائی حقائق" کی دولت کہہ کر مشرق و مغرب کے درمیان نئے رشتوں کی وضاحت کرتا ہے اور آخر میں نظم کے اختتام کی جانب بڑھتے ہوئے وہ محبت کے جذبے کو زندگی اور کل جہانوں کی اساس بتاتا ہے۔

یہی چار حرفی عبارت تو سرمایۂ کل جہاں ہے
یہی کن فکاں ہے
یہی لامکاں ہے

Marfat.com

یہی جادواں ہے (۱۰۴)

نظم اپنے کلی تاثر میں اللہ کریم کی اپنے بندوں سے محبت اور اُس کے اظہار کے لیے آقائے نامدار ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کی وضاحت کرتی ہے اور طوالت کے باوجود شاعر قاری کو اپنے معنوی تجربے سے جوڑنے میں کامیاب رہتا ہے۔آج اردو دنیا میں نعت اور تنقید نعت پر کام کرنے والوں میں ایک اہم نام ڈاکٹر عزیز احسن کا ہے۔ڈاکٹر عزیز احسن کی نعتیہ شاعری روایت اور جدید حسیت کا امتزاج ہے ۔ڈاکٹر صاحب کے ہاں علامتی نظام سادہ ہے ۔وہ تشبیہ اور استعارے کو مقامی سطح پر استعمال کرتے ہیں۔یوں تشبیہ علامت میں داخل ہوتے رہ جاتی ہے۔ڈاکٹر عزیز احسن کے ہاں لفظوں کی انفرادیت سے اجتماعی تاثر ابھرتا ہے۔وہ اجتماعی شعور اور لاشعور کے درمیان استغاثہ سے اجتماعی تاثر پیدا کرتے ہیں یوں اُن کی نعتیہ شاعری امت کا استغاثہ بحضور سرورِ کونین ﷺ کا دیباچہ بن جاتی ہے

مسلم کا پستیوں سے نکلنا محال ہے
جب تک ہے اس کی شام عمل کی سحر سے دور
امت کی مشکلات کا حل صرف ایک ہے
اپنائیں ذوق وشوق سے سب اسوۂ نبیؐ (۱۰۵)

ڈاکٹر عزیز احسن کے ہاں تبلیغی عناصر بہت طاقت ور ہیں۔وہ تبلیغی قوت کا اظہار اپنی نعتیہ شاعری میں کرتے ہیں لیکن اِس اجتماعیت سے ان کے اشعار میں شعریت میں کچھ کمی ہو جاتی ہے تاہم اُن کی اِس اجتماعی کیفیت کو تصویر کرنے میں کسی قسم کے تصنع کا دخل نہیں یوں شعر سے شعریت اور ادبی اظہار کی کمی کے باوجود پیغام رسانی موثر ہوتی ہے۔

اے دوست کچھ عمل کی طرف بھی تو دھیان کر
کب تک رہے گا زینتِ لب اسوۂ نبیؐ
میں تابناک ماضی کی ضو میں کھو گیا ہوں
کچھ روشنی نہ آئی پھر بھی مرے چلن میں (۱۰۶)

عزیز احسن کے ہاں ایک پر خلوص دعائیہ اور استغاثیہ کیفیت مسلسل موجود رہتی ہے۔وہ امت کی زبوں حالی پر ہر لحہ ایک اضطرابی کیفیت میں مبتلا نظر آتے ہیں۔بے عملی اور نا اتفاقی کو وہ مسلم اُمّہ کے لیے زہر قاتل سمجھتے ہیں۔اُن کی شاعری میں اجتماعی سطح پر امت مسلمہ کے مسائل کا

Marfat.com

ادراک موجود ہے اوران مسائل کا حل وہ سیرت طیبہ میں تلاش کرتے ہیں۔اُن کے ہاں نعت کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ دکھ کی کیفیت شدید سے شدید تر ہونے لگتی ہے اور اسی کیفیت میں وہ امت کی اجتماعی ابتر صورتِ حال کا استغاثہ نبی اکرم (۱۰۶) کے دربار پر انوار میں پیش کرتے ہیں۔شدتِ اظہار کی اس کیفیت میں اظہار کی ادبی صورت کو سامنے رکھتے ہوئے علامت اور استعارہ کی زبان میں بیان ناممکن ہو جاتا ہے۔میں نے عزیز احسن کے نعتیہ شعری مجموعہ پر ایک اظہار میں کہا تھا کہ عزیز احسن یقیناً نعت کہنے کے دوران گریہ وزاری کرتے ہوں گے اور یہی وجہ ہے کہ عزیز احسن کے ہاں دعائیہ اور تبلیغی عناصر بہت زیادہ طاقت ور ہیں۔

نبیؐ کے عشق سے روشن ہر ایک جادہ کریں
انہی کی سیرتِ اطہر سے استفادہ کریں
ایسی اک آہ کروں قوم کے اِدبار پہ میں
کہ مری آہ سے اب عرشِ الٰہی ہل جائے
ابھی کلیسہ کا جبر بھی ہے، ابھی ہے جورِ یہود پیہم
ستم رسیدہ ہوئے مسلماں یہاں غریب الوطن ہزاروں
کبھی اے کاش یہ نکتہ مسلماں بھی سمجھ جائیں
نبیؐ کے عشق کی توہین ہے یہ چاک دامانی (۱۰۷)

عزیز احسن کی نعتیہ شاعری کو سماجی حوالوں کو سمجھے بغیر نہیں جانچا جا سکتا۔عزیز صاحب کے ہاں عشقِ رسول کی لازوال دولت تو موجود ہے ہی ساتھ ہی وہ عالمی سیاسی منظر نامہ میں آج کی امتِ مسلمہ کی تصویر دیکھتے ہیں۔اُن کی نگاہ میں کلیسا سے اٹھنے والی ان عالمی تحریکوں پر بھی ہے جو مسلمانوں کی تہذیبی شناخت کا تعلق مذہب سے ختم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔اردو نعت کی تنقید میں بھی ان اجتماعی حوالوں سے گاہے بہ گاہے بات کرتے نظر آتے ہیں۔"اردو نعت اور جدید اسالیب" کے ایک مضمون "نعت کے علمی وادبی افق" میں لکھتے ہیں:

> ''جس طرح ادب کی تمام اصناف میں عہد بہ عہد تبدیلیاں عمل میں آتی رہتی ہیں جو کچھ شعوری کچھ غیر شعوری ہوتی ہیں۔اسی طرح ہر عہد اپنے ساتھ ادب تخلیق کرنے اور ادب پڑھنے کا خاص شعور بھی لاتا ہے اور یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔'' (۱۰۸)

Marfat.com

عزیز احسن کی نعتیہ شاعری میں اپنے عہد سے متصل موضوعات ہوتے ہیں جو ہمارے عہد کی بے فیضی اور بے کسی کا ہمارے تابناک ماضی سے موازنہ کر کے تقابلی تصویر بناتے چلے جاتے ہیں۔

اقبال کی ملی شاعری میں یہ تقابلی تصویر نمایاں نظر آتی ہے۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تُو اک ٹوٹا ہوا تارہ
تجھے جن ماؤں نے پالا تھا آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا انہوں نے پاؤں میں تاجِ سردارا (۱۰۹)

عزیز احسن کے نعتیہ مجموعے " کرم ونجات کا سلسلہ " سے اِسی تقابلی عکس کو دیکھیے۔

چمک جب تک رہی اعمال میں اس پاک سیرت کی
یہ امت مستحق بھی تھی زمانے بھر میں عزت کی
اس ایک نام کی خوشبو سے جسم وجاں مہکے
اُس ایک رنگ کی نسبت سے دل گلاب ہوا
اسوہِ ختم رسل جب نظر انداز ہوا
اہل اسلام کے اِدبار کا آغاز ہوا
آپؐ آئے تو زمانے میں اجالے پھیلے
علم و حکمت کے نئے دور کا آغاز ہوا (۱۱۰)

عزیز احسن کی نعتیہ شاعری میں تبلیغی اور اجتماعیت کے عناصر کے غلبے کی بڑی وجہ ان کا اپنے عہد سے رشتہ مضبوط ہونا ہے ۔اس رشتے کی مضبوطی نے اُن کی شخصیت میں مثبت نفسیاتی تبدیلیاں پیدا کیں۔عزیز احسن کی نعت ہمارے عہد کا نوحہ بھی ہے اور شاندار ماضی کا داخلی سفر بھی ۔وہی سفر جو ہر نعت کہنے والا اپنی ذات کے اندر بھی کرتا ہے اور مدینہ کی ریاست میں بھی لیکن روحِ عصر کو ماضی کے ساتھ ملا کر جو نیا رنگ عزیز احسن نے نکالا وہ انہی کا حصہ ہے۔

بزرگ شاعر جناب رشید ساقی کے ہاں بھی تبلیغی عناصر کا معنوی ادراک موجود ہے وہ نعت میں سیرت رسول ﷺ کی شمع جلاتے ہیں اور اِسی روشنی میں سفر طے کرتے ہیں

آپؐ امی ہیں مگر آپؐ کی گویائی میں   اہل دانش نے بصیرت کا خزانہ دیکھا (۱۱۱)
آپؐ کے نقشِ قدم پر چل کے یہ عقدہ کھلا   وسعت کون ومکاں مومن کی اک جاگیر ہے (۱۱۲)

Marfat.com

اثر انسانیت لے گی ابد تک — پیمبر کے کلامِ دل نشیں کا(۱۱۳)
نبی کا فکر و عمل ،پیروِ رضائے خدا — حیات آپ کی انساں کے احترام کا ذکر(۱۱۴)

اردو نعت اور جدیدیت کا رشتہ بہت پرانا ہے۔اعلیٰ تخلیقی اذہان نے سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ کو معاشرتی تشکیل اور کائناتی تفہیم کے حوالے سے جب بھی سوچا اعلیٰ تخلیقات سامنے آئیں۔محبت رسول ﷺ وہ بنیادی جذبہ ہے جو نعت کی تخلیق کا باعث بنتا ہے لیکن اعلیٰ ادبی اظہار اور آقائے مدینہ حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کو کائنات کے وسیع تناظر میں جا کر سمجھنے کی کوشش کسی بھی نعت کو اعلیٰ تخلیقی دائرے میں لا کھڑا کرتی ہے اِس کا آغاز اقبال سے ہوا۔اقبال ایک بڑا تخلیقی ذہن تھے جو اشیاء مظاہر کو بڑے کائناتی تناظر میں دیکھتے اور نتائج اخذ کرتے تھے۔جدیدیت ہمیشہ جراتِ اظہار کی طالب ہوتی ہے۔امجد اسلام امجد کی نعتیہ نظم کا اختتامیہ دیکھیں جس میں ایک محتاط عاشق رسول ﷺ سے زیادہ ایک قلندرانہ کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

کبھی جی میں ہے ترے در پہ میں — کبھی ایسے جا کے صدا کروں
تو پلٹ کے پوچھے جو مدّعا — تو میں بے دھڑک تجھے مانگ لوں(۱۱۵)

نعت کے حوالے سے یہ روّیہ شاید ثقہ اور محتاط نعت گو شعراء کے لیے پسندیدہ نہ ہو لیکن اعلیٰ ادبی تخلیقات جراتِ اظہار مانگتی ہیں۔

نعت کی ادبی روایت سے ہی جدید حسیّت کی شاعری سامنے آتی ہے اور اہل تصوف کے ہاں بھی جدید اور اعلیٰ ادبی اظہار میں کائناتی تفہیم کی کیفیتیں سامنے آتی ہیں۔وفا چشتی ،سلسلہ چشت سے منسلک ایک ایسے شاعر ہیں جن کے ہاں شاعری اہل تصوف کی اسی ادبی روایت کا حصہ ہے جو تصوف کو برائے شعر گفتن استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ اِس طریق سے اپنی زندگیوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔اُن کی غزل کے دو تین اشعار دیکھیں جو وسعت کائنات اور انسانی باطن کے درمیان نئے تعلق کی نشان دہی کرتے ہیں۔

ابھی تلک مرے پیکر کی مٹی چاک پہ ہے — ابھی تلک مرا موجود بھی ہے ناموجود
کچھ لا مکاں کی آب و ہوا چاہیے اسے — درماندہ زندگی ہے مکاں میں تھکن سے چُور
اگرچہ صدیوں پہ پھیلا ہوا شعور ہوں میں — پر،ایک حلقۂ لاشے کے اختیار میں ہوں
(۱۱۶)

Marfat.com

وفا چشتی کی نعت بھی سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے آئینے میں بڑے کائناتی سوالات کو اٹھاتی ہے ۔وہ غزل کی طرح نعت میں بھی سیرت سے روشنی حاصل کر کے نئے ادبی منطقوں کی تشکیل کرتے نظر آتے ہیں۔

شبِ فراقِ نبیؐ میں جو شعلہ جاں ہوتے
غبارِ راہ سے تنویر لا مکاں ہوتے

کچھ اور ہی نظر آتا وجودِ پاک اُنؐ کا
مقطعات کے اسرار اگر عیاں ہوتے

محیطِ نورِ نبی میں یہ چند جاں ریزے
فنا جو ہوتے تو دریائے بیکراں ہوتے

مِلا نہ ہوتا اگر ان کو لمسِ لولاکی
تو کائنات ، سماء دمک کہاں ہوتے (۱۱۷)

نعت میں جدیدیت سے معمور اعلیٰ ادبی اظہار کا یہ بیان یہاں مکمل نہیں ہوتا کہ روشنیوں کا یہ سفر (نعت) قیامت تک جاری وساری رہے گی اور انشاءاللہ تلاشِ نعت کا یہ تنقیدی سفر بھی جاری رہے گا۔

☆☆☆

Marfat.com

حوالہ جات

(۱) معنی اور تناظر، وزیر آغا، ڈاکٹر، نردبان، سرگودھا، ۱۹۹۷ء، صفحہ ۱۸۰۔۱۷۹

(۲) فروغ نعت (سہ ماہی مجلہ) اپریل تا جون ۲۰۱۵ء، صفحہ ۲۰۶

(۳) نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۵ء، صفحہ

(۴) نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۵ء، صفحہ ۱۶۰

(۵) کلیات اقبال، علامہ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، س ن

(۶) میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت (نعتیہ مجموعہ)، سلیم کوثر، صفحہ ۳۱

(۷) میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت (نعتیہ مجموعہ)، بیک ٹائٹل

(۸) میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت (نعتیہ مجموعہ)، سلیم کوثر، صفحہ ۴۳

(۹) میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت (نعتیہ مجموعہ)، سلیم کوثر، صفحہ ۴۴

(۱۰) نسبت، ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، اقلیم نعت، کراچی، ۱۹۹۹ء

(۱۱) میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت (نعتیہ مجموعہ)، سلیم کوثر، صفحہ ۲۷

(۱۲) میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت (نعتیہ مجموعہ)، سلیم کوثر، صفحہ ۱۳۳

(۱۳) میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت (نعتیہ مجموعہ)، سلیم کوثر، صفحہ ۱۳۳

(۱۴) میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت (نعتیہ مجموعہ)، سلیم کوثر، صفحہ ۴۸

(۱۵) وطن سے وطن تک، ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، مجلس مطبوعات وتحقیقات، کراچی، ۱۹۷۶ء، صفحہ ۲۰۔۱۹

(۱۶) وطن سے وطن تک، ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، صفحہ ۱۹

(۱۷) اقراء، صہبا اختر، مکتبہ ندیم، کراچی، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۲۳

(۱۸) اقراء، صہبا اختر، مکتبہ ندیم، کراچی، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۵۰

(۱۹) اجمل و اکمل، محسن احسان، القلم، اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء، صفحہ ۹۰

(۲۰) اجمل و اکمل، محسن احسان، القلم، اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء، صفحہ ۱۰۹۔۱۰۸

(۲۱) اجمل و اکمل، محسن احسان، القلم، اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء، صفحہ ۸۸

(۲۲) اجمل و اکمل، محسن احسان، القلم، اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء، بیک ٹائٹل

(۲۳) اجمل و اکمل، محسن احسان، القلم، اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء، صفحہ ۸۴

(۲۴) کلیات اقبال

(۲۵) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء، صفحہ ۱۷

Marfat.com

(۲۶) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء، صفحہ ۶
(۲۷) دیوان میر، میر تقی میر،
(۲۸) نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، صفحہ ۳۳۶
(۲۹) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء، صفحہ ۱۰۲
(۳۰) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء، صفحہ ۵۵
(۳۱) القرآن، سورۃ الفاطر، آیت ۲۸
(۳۲) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء، صفحہ ۸۶
(۳۳) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء، صفحہ ۱۶۷
(۳۴) اقبال اور محبت رسول ﷺ، محمد طاہر فاروقی، ڈاکٹر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۰۶۔۱۰۵
(۳۵) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء، صفحہ ۹۴
(۳۶) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء، صفحہ ۱۵۵
(۳۷) معنی اور تناظر، صفحہ ۳۶
(۳۸) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء، صفحہ ۸۹
(۳۹) خوف کے آسمان تلے، مبین مرزا، اکادمی بازیافت، کراچی ۲۰۰۴ء، صفحہ ۱۷
(۴۰) انسان دوستی (نظریہ اور تحریک)، صلاح الدین درویش، ڈاکٹر، پورب اکادمی، اسلام آباد ۲۰۰۷ء، صفحہ ۱۰۰
(۴۱) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۶۰
(۴۲) القرآن، سورۃ ۲۱، آیت ۳۰
(۴۳) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۶۰
(۴۴) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ سرنامہ
(۴۵) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۸۹۔۸۸
(۴۶) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۹۴
(۴۷) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۹۴
(۴۸) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۱۱
(۴۹) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۱۱
(۵۰) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۰۵
(۵۱) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۲۵

Marfat.com

(۵۲) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۴۸
(۵۳) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۲۰۶
(۵۴) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء، صفحہ ۲۰۶
(۵۵) کلیاتِ اقبال
(۵۶) حفاظتِ حدیث، خالد علوی، ڈاکٹر، الفیصل پبلی کیشنز، لاہور، فروری ۲۰۰۸ء، صفحہ ۱۶
(۵۷) ہمارے ادبی، لسانی اور تعلیمی مسائل، ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، زین پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۰۶ء، صفحہ ۹
(۵۸) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۵۱
(۵۹) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۱۲۳
(۶۰) Poem "Daffodils" English (9) Punjab CT Board Lahore,Page 51
(۶۱) سہ ماہی تشکیل (حصہ سوم) جلد ۴ (مدیر) احمد ہمیش، جنوری ۱۹۹۳ء تا جون ۱۹۹۴ء، صفحہ ۲۲
(۶۲) سہ ماہی تشکیل (حصہ سوم) جلد ۴ (مدیر) احمد ہمیش، جنوری ۱۹۹۳ء تا جون ۱۹۹۴ء، صفحہ ۲۴
(۶۳) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۱۹
(۶۴) امراؤ جان ادا، مرزا ہادی رسوا، (مقدمہ) ڈاکٹر احسن فاروقی، پاپولر پبلیشنگ ہاؤس لاہور، ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۳، ۱۴ اور ۱۵
(۶۵) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۲۳
(۶۶) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۴۱
(۶۷) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۱۱۳
(۶۸) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۱۱۲
(۶۹) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء، صفحہ ۱۳۴
(۷۰) کلیات اقبال
(۷۱) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۱۳۵
(۷۲) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۱۳۵
(۷۳) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۱۳۷
(۷۴) سرکار کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء صفحہ ۱۳۷
(۷۵) نعتیہ ہائیکو، جنید آزر (غیر مطبوعہ): بزم حمد و نعت کے ریکارڈ سے حاصل کیے گئے نعتیہ ہائیکو
(۷۶) نعتیہ ہائیکو، جنید آزر (غیر مطبوعہ): بزم حمد و نعت کے ریکارڈ سے حاصل کیے گئے نعتیہ ہائیکو

Marfat.com

(۷۷) نعتیہ ہائیکو، کاشف عرفان (غیر مطبوعہ) بزم حمد و نعت کے ریکارڈ سے حاصل کیا گیا۔

(۷۸) نعتیہ ہائیکو، جنید آزر (غیر مطبوعہ): بزم حمد و نعت کے ریکارڈ سے حاصل کیے گئے نعتیہ ہائیکو

(۷۹) نگارِ گنبدِ خضریٰ، اکبر حمزئی، نازکو آرٹ پرنٹرز راولپنڈی، ۲۰۰۴ء، صفحہ ۱۴۰

(۸۰) نگارِ گنبدِ خضریٰ، اکبر حمزئی، نازکو آرٹ پرنٹرز راولپنڈی، ۲۰۰۴ء، صفحہ ۱۴۲

(۸۱) فروغِ نعت (مجلّہ) شاکر القادری (ادارت) شمارہ ۳ (گوشہ نذر صابری) جنوری تا مارچ ۲۰۱۴، صفحہ ۶۵

(۸۲) فروغِ نعت (مجلّہ) شاکر القادری (ادارت) شمارہ ۳ (گوشہ نذر صابری) جنوری تا مارچ ۲۰۱۴، صفحہ ۶۲

(۸۳) فروغِ نعت (مجلّہ) شاکر القادری (ادارت) شمارہ ۳ (گوشہ نذر صابری) جنوری تا مارچ ۲۰۱۴، صفحہ ۶۰

(۸۴) فروغِ نعت (مجلّہ) شاکر القادری (ادارت) شمارہ ۳ (گوشہ نذر صابری) جنوری تا مارچ ۲۰۱۴، صفحہ ۷۷

(۸۵) فروغِ نعت (مجلّہ) شاکر القادری (ادارت) شمارہ ۳ (گوشہ نذر صابری) جنوری تا مارچ ۲۰۱۴، صفحہ ۷۶

(۸۶) فروغِ نعت (مجلّہ) شاکر القادری (ادارت) شمارہ ۳ (گوشہ نذر صابری) جنوری تا مارچ ۲۰۱۴، صفحہ ۵۵

(۸۷) فروغِ نعت (مجلّہ) شاکر القادری (ادارت) شمارہ ۳ (گوشہ نذر صابری) جنوری تا مارچ ۲۰۱۴، صفحہ ۵۱

(۸۸) تذکرہ نعت گویانِ راولپنڈی اسلام آباد، (مرتبہ) قمر رعینی انجم پبلی کیشنز راولپنڈی اگست ۲۰۰۳ء، صفحہ ۱۱۲

(۸۹) روحِ کونین (نعتیہ مجموعہ)، عثمان ناعم، راولپنڈی

(۹۰) روحِ کونین (نعتیہ مجموعہ)، عثمان ناعم، راولپنڈی

(۹۱) ادبی تنازعات (مرتبہ) پروفیسر رؤف امیر، حرف اکادمی، راولپنڈی، ۲۰۰۰ء، صفحہ ۵۲

(۹۲) متاعِ نور (نعتیہ مجموعہ) حافظ نور احمد قادری، بیلا پبلی کیشنز، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۱ء، صفحہ ۲۳

(۹۳) متاعِ نور (نعتیہ مجموعہ) حافظ نور احمد قادری، بیلا پبلی کیشنز، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۱ء، صفحہ ۲۳۴_۲۳۳

(۹۴) متاعِ نور (نعتیہ مجموعہ) حافظ نور احمد قادری، بیلا پبلی کیشنز، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۱ء، صفحہ ۲۳۴_۲۳۳

(۹۵) متاعِ نور (نعتیہ مجموعہ) حافظ نور احمد قادری، بیلا پبلی کیشنز، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۱ء، صفحہ ۲۳۴_۲۳۳

(۹۶) متاعِ نور (نعتیہ مجموعہ) حافظ نور احمد قادری، بیلا پبلی کیشنز، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۱ء، صفحہ ۲۳۴_۲۳۳

(۹۷) نظم بصورت استغاثہ، ستیہ پال آنند، مشمولہ نعت رنگ نمبر ۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، صفحہ ۸۲۴

(۹۸) نظم بصورت استغاثہ، ستیہ پال آنند، مشمولہ نعت رنگ نمبر ۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، صفحہ ۸۴۴

(۹۹) نظم بصورت استغاثہ، ستیہ پال آنند، مشمولہ نعت رنگ نمبر ۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، صفحہ ۸۶۵

(۱۰۰) نعتیہ نظم "روشنی کا پیمبر"، رشید قیصرانی، مشمولہ نعت رنگ نمبر ۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، صفحہ ۸۳۲

(۱۰۱) نعتیہ نظم "روشنی کا پیمبر"، رشید قیصرانی، مشمولہ نعت رنگ نمبر ۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، صفحہ ۸۲۳

(۱۰۲) (گفتگو) مشمولہ نعتیہ مشاعرہ منعقدہ المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی F-6 مرکز اسلام آباد، بتاریخ ۰۲ دسمبر ۲۰۱۵

Marfat.com

(۱۰۳) نعتیہ نظم "روشنی کا پیمبر"، رشید قیصرانی، مشمولہ نعت رنگ نمبر۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، صفحہ ۸۳۳
(۱۰۴) نعتیہ نظم "روشنی کا پیمبر"، رشید قیصرانی، مشمولہ نعت رنگ نمبر۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، صفحہ ۸۳۳
(۱۰۵) شہپر توفیق، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی ۲۰۰۹ء
(۱۰۶) شہپر توفیق، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی ۲۰۰۹ء
(۱۰۷) شہپر توفیق، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی ۲۰۰۹ء
(۱۰۸) اردو نعت اور جدید اسالیب، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، دسمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۴
(۱۰۹) کلیات اقبال، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۷ء
(۱۱۰) کرم ونجات کا سلسلہ، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۰۵ء
(۱۱۱) حدیث شوق، رشید ساقی، پیپر کمیونیکیشن سسٹم، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، صفحہ ۱۴۸
(۱۱۲) حدیث شوق، رشید ساقی، پیپر کمیونیکیشن سسٹم، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، صفحہ ۱۱۹
(۱۱۳) حدیث شوق، رشید ساقی، پیپر کمیونیکیشن سسٹم، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، صفحہ ۲۲۰
(۱۱۴) حدیث شوق، رشید ساقی، پیپر کمیونیکیشن سسٹم، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، صفحہ ۲۹۹
(۱۱۵) نعتیہ نظم (امجد اسلام امجد)، مشمولہ نعت رنگ نمبر۲۵، اگست ۲۰۱۵ء، صفحہ ۸۱۸
(۱۱۶) دریاب، وفا چشتی، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء، صفحہ ۳۷
(۱۱۷) دریاب، وفا چشتی، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء، صفحہ ۳۴۔۳۳

☆☆☆

Marfat.com

اُردو نعت نگاری پر مابعد جدیدیت کے اثرات

اُردو نعت نگاری پر مابعد جدیدیت کے اثرات کے جائزے سے قبل اس حقیقت سے آگاہ ہونا ضروری ہے کہ خود مابعد جدیدیت کا جدیدیت اور روایت سے کیا رشتہ ہے؟ پھر اس سوال پر غور کیا جانا بھی ضروری ہے کہ مابعد الطبیعات (Meta Physics) ادب میں سائنس اور طبیعات (Physics) کے کن اصول وضوابط کو تخلیق کے رشتے سے منسلک کرتی ہے۔ روایت ، جدیدیت اور مابعد جدیدیت ایک تاریخی تناظر میں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ روایت ایک خاص تناظر میں جدیدیت کا راستہ ہموار کرتی ہے۔ روایت کو ادب کی کسی بھی صنف میں مکمل علیحدگی (Isolation) میں جا کر نہیں دیکھا جا سکتا کیوں کہ روایت خود صنفِ ادب میں موجود اُس لفظی و معنوی نظام کے ادغام سے وجود میں آتی ہے جس کا رشتہ تاریخ سے جڑتا ہے۔ روایت صنفِ ادب سے علیحدہ اپنا کوئی نفسیاتی نظام نہیں رکھتی بلکہ یہ صنف کے اندر حیاتیاتی (Biological) تغیرات سے وجود میں آتی ہے۔ حیاتیات کا لفظ صنفِ ادب کے اندر ہونے والے اُن عوامل کی وضاحت کرتا ہے جو ارتقائی عمل کو باضابطہ (Systematic) بناتے ہیں آیئے دیکھیں کہ روایت کے حوالے سے ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کیا کہتے ہیں۔

> "شاعر کے اپنے ماضی کے ساتھ رشتے کی بہتر وضاحت کے لیے یہ کہوں گا کہ وہ ماضی کو ایک بے جان اور غیر مربوط انبار شمار نہیں کر سکتا نہ ہی وہ اپنی ذاتی پسند سے اُس کی تعبیر کر سکتا ہے......شاعر کو ماضی کے دریا کے اصل دھارے کا شعور ہونا لازمی ہے"(۱)

گویا روایت ماضی کے دریا کے اصل دھارے کا شعور ہے۔ ماضی کا یہ دھارا صرف ادبی تخلیقات یا ادبی شخصیات کی مختلف تحریروں کا حصہ ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کی جڑیں ساجیات میں

Marfat.com

بھی موجود ہو سکتی ہیں۔ روایت یہ نہیں کہ تاریخ کے دو دھاروں کے درمیان موجود ادبی شخصیات کے فن پاروں کو سامنے رکھ کر تقابل کیا جائے بلکہ روایت ہمیں اس اجتماعی تغیر پذیر ذہن کا پتہ دیتی ہے جو خود آگاہ حال کو ماضی کے دریچوں تک لے جاتا ہے۔

روایت کا عمل ارتقائی ہے یعنی یہ کسی تاریخی منظر نامے میں بنائے گئے ادبی منصوبے یا فکری نظریے کا پابند نہیں ہوتا۔ روایت کا تعلق ثقافت کے ساتھ گہرا ہے۔ ادب اور ثقافت کی بنیاد ایک ہی ہے اور روایت اس بنیاد کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا روایت اور جدیدیت کے تناظر میں کچھ یوں رقمطراز ہیں۔

> "اردو ادب میں مابعد جدیدیت کے اثرات کے تحت کچھ چیزیں تخلیق ہوئی ہیں مگر ان میں سے بیشتر شعوری کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ مجموعی اعتبار سے اردو ادب کو جدیدیت اور ہائی موڈرن ازم نے نسبتاً زیادہ متاثر کیا ہے۔" (۲)

روایت سے جدیدیت کا سفر انسانی اذہان کی پیچیدگی (Complexity) کا مظہر ہے۔ ماہرین علوم بشریات (Anthropologists) اس بات پر متفق ہیں کہ معاشرتی سطح پر تبدیل ہوتی ہوئی صورت حال اور سائنس کی روز افزوں ترقی نے انسانی ذہن پر علم کے دریچے ہی وا نہیں کیے بلکہ ذہنی ساخت میں کچھ پیچیدہ تبدیلیاں بھی کی ہیں اس تبدل و تغیر کے زیر اثر روایت سے جدیدیت کی جانب سفر کا آغاز ہوا۔ جدیدیت کا تعلق زمین سے ہے۔ ارضی سطح پر ان عوامل کی تلاش جدیدیت کا موضوع ہوتا ہے جو کسی انسان کو اصل تک لے جاتی ہیں۔ گویا انسان کی اپنی جڑوں کی تلاش خود جدیدیت کا موضوع ہے۔

اگر ہم جدیدیت کو مختصراً بیان کرنا چاہیں تو تین چار نکات فوری ذہن میں آتے ہیں۔

- ☆ زمین سے رشتہ اور جڑوں کی تلاش اور اجتماعی شعور سے آگاہی۔
- ☆ نفسیات کی مدد سے لاشعور میں جھانکنے کا عمل جو لاشعور سے اجتماعی لاشعور تک پہنچتا ہے۔
- ☆ اساطیری حوالوں سے ادب کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش
- ☆ جدیدیت لفظ و معنی کے رشتے تلاش کرتی ہے۔ جدیدیت کا تعلق ساختیات سے ہے۔

اردو شاعری کے حوالے سے جب ہم جدیدیت کے ان نکات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں اقبال کے ہاں اجتماعی شعور اور لاشعور کو سمجھنے کی کوشش نظر آتی ہے۔

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے؟   یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں

Marfat.com

طلوع ہے صفتِ آفتاب اُس کا غروب   یگانہ اور مثالِ زمانہ گونا گوں!

یا دوسری جگہ مُسلم اجتماعی شعور کو کچھ اس طرح چھوتے نظر آتے ہیں کہ انفرادی لاشعور تک پہنچ جاتے ہیں۔

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز   نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود   ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

جدیدیت سے مابعد جدیدیت کا سفر ایک تیز رفتار ریل گاڑی سے مشاہدے کی مانند ہے جہاں رفتار تیز ہونے کے باعث منظر اپنی اصل آشکار ہونے نہیں دیتا۔ اگر مابعد جدیدیت کو پھر نکات کی صورت میں بیان کیا جائے تو منظر کچھ یوں بنے گا۔

- ☆ مابعد جدیدیت زمانے کی سیاسی، سماجی، ثقافتی، علمی، نظریاتی اور ادبی کروٹوں کے پھیلتے ہوئے آفاق سے ہم رشتہ ہوتا ہے۔
- ☆ مابعد جدیدیت، جدیدیت کا ردعمل ہے۔ جدیدیت ادب کی ارضی سطح سے مشاہدہ ہے جبکہ مابعد جدیدیت آفاقی سطح سے معائنہ ہے۔
- ☆ مابعد جدیدیت تخلیق کے اندر اور باہر کی دنیا کے درمیان ہم آہنگی کی تلاش کا نام ہے۔
- ☆ آفاقیت اور وسعت مابعد جدیدیت کی ایک اہم کڑی ہے۔
- ☆ لامحدودیت، مابعد جدیدیت کو جدیدیت سے ممتاز کرتی ہے۔
- ☆ مابعد جدیدیت کائنات کی حدود میں پھیلاؤ اور کائنات کی لامحدودیت کو سمجھنے کا عمل ہے۔
- ☆ مابعد جدیدیت تاریخ، عمرانیات اور لسانی رشتوں کا مطالعہ کرتی ہے۔

(نعت نگاری میں تاریخی تناظرات اور عمرانیات کے علوم کے زیرِ اثر عرب معاشرے سے برصغیر کے تہذیبی تعلق کو سمجھنے کی کوشش مابعد جدیدیت کا موضوع رہی ہے۔)

- ☆ مابعد جدیدیت زندگی کی پیچیدگی (Complexity) کو ادب کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش ہے۔
- ☆ معنی کی کثرت مابعد جدیدیت کا اہم موضوع ہے۔

نعتیہ میدان میں مابعد جدیدیت کے حوالے سے اقبال کی شاعری اُس آفاقی سطح کو چھوتی نظر آتی ہے جس کی جانب مابعد جدیدیت کا نظریہ اشارہ کرتا ہے۔ اردو میں نعتیہ تنقید کو سب سے بڑا مسئلہ یہی درپیش رہا کہ اُس نے اقبال کو معیار (Standard) اور مرکز مان کر بات کو آگے

Marfat.com

بڑھانے کے بجائے ایسے کلام پر گفتگو کی جو خود اُس درجے کو نہیں چھوتا جہاں شعر آفاقیت حاصل کر لیتا ہے مابعد جدیدیت کا ایک اہم نکتہ کائنات کی حدود میں پھیلاؤ اور کائنات کی لامحدودیت کو سمجھنے کے عمل سے متعلق ہے۔ اردو نعت میں کائنات کی لامحدودیت کو اللہ کے حکم سے تسخیر کرنے کا عمل واقعہ معراج میں نظر آتا ہے۔ اردو نعت میں واقعہ معراج کو مختلف سطحوں پر مختلف شعراء نے بیان کیا ہے۔ اِس موضوع کے بیان میں عام طور پر شعراء ندرتِ بیان اور نزاکت خیال کے ساتھ فکری گہرائی کا احساس نہیں رکھ پاتے یوں بہت سے عمدہ نعت گو بھی افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سید عارف کا اسی موضوع پر ایک خوبصورت شعر دیکھیے۔

میں اُس کی وسعتوں کو لفظ پہناؤں تو کیا جس کا
زمیں پر اک قدم ہے دوسرا افلاک سے آگے

(سید عارف)

واقعۂ معراج کو وسعت کائنات اور لامحدودیت کے حوالے سے سائنسی اور منطقی طور پر سمجھنے کی کوشش ہمیں دوسرے کئی شعراء کے ہاں نظر آتی ہے تاہم اقبال اس حوالے سے بھی سرخیل ٹھہرتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں (اقبال)

مابعد الطبیعات اور طبیعات کے درمیان موجود آفاقی رشتے کی کڑیاں معراج مصطفیٰ ﷺ سے ہی دریافت ہوتی ہیں اور اقبال اِس کے منطقی استدلال کو سمجھنے کی سنجیدہ کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ معراج مصطفیٰ ﷺ کو مختلف شعراء کرام نے اپنے اپنے انداز میں پیش کیا تاہم اس کا عظمت انسان اور معراج انسانیت کا پہلو اُس طرح سے سامنے نہیں آیا جیسے اقبال نے اسے پیش کیا۔ توقیر احمد ملک اپنے ایک مضمون "معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے فکرِ اقبال پر اثرات" میں لکھتے ہیں۔

''کلام اقبال میں استعمال ہونے والے رموز و علائم کی نظریاتی اساس بھی منبع انوار ہے۔ اس باب میں اقبال نے دو طرح کے وسائل بطور خاص استعمال کیے ہیں۔ اوّل مظاہر فطرت میں سے نورانی پیکر مستعار لیے ہیں اور دوم تصوف کی اصلاحات کو اپنے تمام تر روایتی جمال کے ساتھ بھی برتا ہے اور نئے معنی بھی عطا کیے ہیں'' (۳)

Marfat.com

اقبال کے تتبع میں اور ان سے قبل بھی اردو نعت میں مختلف شعراء نے واقعۂ شبِ معراج کو لفظوں کی شکل دی۔ روایتی کلام کی تعداد زیادہ ہے تاہم مابعد جدیدی نظریات اور عظمتِ انسان کا پہلو کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ چند مثالیں دیکھیں۔

علیم اختر مظفر نگری کے لہجے کی انفرادیت دیکھیں۔

تعینات کے پردے اٹھا رہا ہے کوئی　　متاعِ تابِ نظر آزما رہا ہے کوئی

رئیس بدایونی فرماتے ہیں:

کیا سمجھے راز کوئی معراجِ مصطفیٰ کے　　ہیں خلوتِ دنا میں مہمان وہ خدا کے

ضیاء القادری بدایونی کا انداز اگرچہ روایتی ہے تاہم موضوع اور فن پر گرفت قابلِ تحسین ہے:

جلوے صفات وذات کے ہر سمت چھاگئے　　سلطانِ عرش، عرشِ معلیٰ پہ آگئے

شاہ انصار الہ آبادی کی نعت کا یہ شعر دیکھیے:

شب معراج ہیں توحید کی محفل کا چراغ　　کیوں نہ آئینہ ہو آئینہ نگر آج کی رات

آئینہ نگر کی ترکیب نے شعر کے صوتی اور معنوی حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔

مابعد الطبیعات کو دریدہ (Dareda) نے آزاد کھیل سے تشبیہ دی تھی لیکن یہ آزاد کھیل بھی اُن معنوں میں آزاد نہیں تھا جن میں اصول وضوابط کار فرما نہیں ہوتے۔ مابعد الطبیعات کا منطق سے بہت گہرا تعلق ہے اور منطق اصول وضوابط کے بغیر وجود نہیں پا سکتی۔ خود سائنس بھی عوامل کی منطقی وجوہات تلاش کرنے کا ہی نام ہے۔ مابعد الطبیعات بنیادی طور پر خدا، انسان اور کائنات کے درمیان ہم آہنگی کو تلاش کرنے کا نام ہے۔

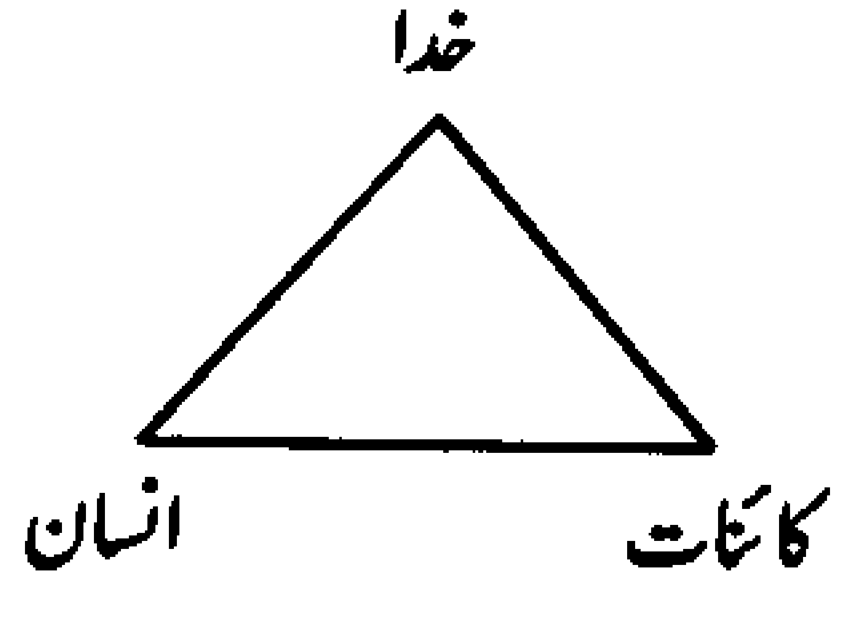

مابعد جدیدیت کی اہم ترین کڑی مابعد الطبیعات ہے۔ انسان دوستی، قدروں کی بقاء کی خواہش، محبت اور موجود کو ماوراء سے جوڑنے کے نظریے کو مابعد الطبیعات کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ خدا اور انسان کے رشتے کو کائنات کی وسعت میں سمجھنے کا عمل ہے۔ خود نعت بھی

Marfat.com

نبی اکرم ﷺ کی شخصیت اور خدا سے ان کی محبت کو سمجھنے کا عمل ہے۔قرآن کریم میں **"ورفعنا لك ذكرك"** کہہ کر اللہ تعالی نے نہ صرف اس بات کا یقین دلا دیا کہ آپ کی سیرت وصورت اور کردار کی شان قیامت تک بیان کی جاتی رہے گی۔دوسری طرف اللہ تعالی نے اپنے محبوب بندے اور رسول ﷺ کے لیے اپنی محبت کا اظہار بھی فرما دیا۔نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو اور آپ کے کردار وافعال کی شان کا بیان رہتی دنیا تک کیا جاتا رہے گا۔

مابعدالطبیعات کائنات کے بڑے اسرار سے پردہ اٹھانے اور کائناتی عوامل کو سمجھنے کے لیے ایک آکہ ٔفکر واظہار ہے۔نعت کے شعراء کے ہاں عمومی سطح پر ذاتی فکری حوالوں کے ذریعے بات کہنے کا رجحان موجود ہوتا ہے۔لیکن یہ ذاتی حوالے مابعدجدیدیت کے نظریے کی نعت کے شعبے میں تشریح کرتے نظر آتے ہیں۔سید ابوالخیر کشفی کی ایک نعتیہ نظم دیکھیں جو ذات سے کائنات تک کا سفر کرتی ہوئی معنوی سطح پر آفاقی حصار بنانے میں کامیاب نظر آتی ہے۔

(نظم) **سب لفظوں کا مفہوم**

"عرش"

"کرسی"

"زمان اور مکاں"

"کائنات"

کتنے بڑے لفظ ہیں یہ

اور ان کے مفاہیم..........ہمارا اور کائنات کا مقدر ہیں

"ہم"، "میں" یہ لفظ بھی ایسے ہی ہیں

مگر ان کا کوئی مفہوم نہ ہوتا

یہ لفظ موتی سے خالی صدف کی طرح ہوتے

اگر محمد ﷺ نہ ہوتے

محمد ﷺ..........ان سب لفظوں کا مفہوم ہیں

سلام اُن پر، درود اُن پر (۴)

مابعدجدیدیت کے مفاہیم کو سامنے رکھیں تو آفاقی اشاروں سے بھی اِس کائنات رنگارنگ میں انسان مرکز کے طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے اور انسانوں کی نمائندگی انسانوں میں سب سے بہتر

Marfat.com

انسان اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ (جن کے لیے یہ کائنات بنائی گئی) کرتے ہیں۔عظمتِ انسان کا یہ پہلو کشفی صاحب سے قبل اقبال کے ہاں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ساختیاتی تجزیے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ عرش ،کرسی ،وقت اور خود کائنات اپنے بڑے مفہوم کے باوجود اپنی ادھوری شناخت رکھتے تھے اور پھر اس شناخت کی تکمیل کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد ہوتی ہے اور یوں کائنات کو ایک پہچان مل جاتی ہے۔نظم کا مصرع:

اوران کے مفاہیم..........ہمارااورکائنات کامقدر ہیں

وقت کائنات اور انسان کے درمیان نئے رشتوں کی وضاحت کرتا ہے۔

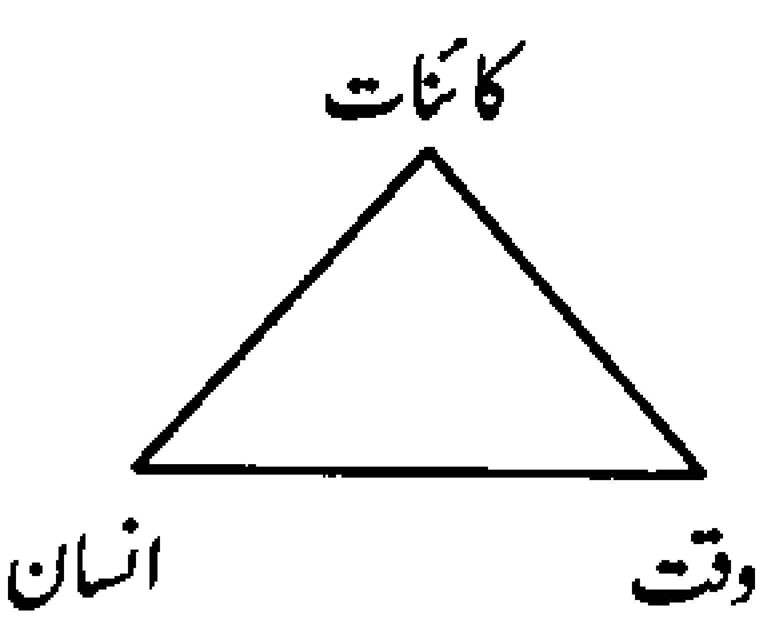

کائنات وقت اور انسان تینوں ہی اللہ کی مخلوقات ہیں لیکن حضرت محمد ﷺ سے قبل کی دنیا اِس رشتے کی معنویت سے آگاہ نہیں تھی ۔وقت کے ازل سے ابد تک کے سفر میں انسان کی حیثیت کا تعین آسان نہ تھا اور پھر آقا کریم ﷺ کی تشریف آوری نے وقت اور کائنات کے اسرار کو انسانوں کے سامنے کھولنا شروع کر دیا۔سائنس آج بھی وقت اور کائنات کے رازوں کی دریافت کے لیے کوشش جاری رکھے ہوئے ہے لیکن اُس کو حتمی فیصلے کے لیے قرآن حکیم اور سیرتِ رسول ﷺ سے مدد لینی ہوگی کہ سچا نظریہ اپنی اصل میں منبع علوم سے جاملتا ہے۔سٹیون ہاکنگ نے اپنی معروف کتاب "وقت کا سفر" میں اپنی ان کوششوں کے بارے میں لکھا ہے

"اگر ہم ایک مکمل وحدتی نظریہ دریافت کرلیں تو یہ صرف چند سائنسدانوں کے لیے نہیں بلکہ وسیع معنوں میں ہر ایک کے لیے قابل فہم ہوگا ۔پھر ہم سب فلسفی ،سائنس دان بلکہ عام لوگ بھی اِس سوال پر گفتگو میں حصہ لے سکیں گے کہ ہم اور یہ کائنات کیوں موجود ہیں۔اگر ہم اس کا جواب پالیں تو یہ انسانی دانش مندی کی حتمی فتح ہوگی کیونکہ تب ہم خدا کے ذہن کو سمجھ لیں گے۔"(۵)

Marfat.com

سائنس اور فلسفہ خدا کے ذہن کو پڑھنے کی کوشش میں عرصہ دراز سے مصروف ہیں۔ یونانی فلسفیوں ارسطو، سقراط اور افلاطون کے ہاں یہ کوشش موجود رہی لیکن تین ہزار سال سے اب تک انسانی فکر اِن بڑے سوالات کے حل کے لیے صرف اپنے فہم پر بھروسہ کرتی رہی ہے۔ مذہب سے علیحدہ ہو کر کسی بھی کائناتی سوال کا حتمی جواب تلاش کرنا ممکن نہیں کہ کائنات کی معنوی تفہیم کے لیے انسان اللہ کریم کے پیغامات کا ہمیشہ محتاج رہا۔ اردو شاعری میں بڑی اور مابعد الطبیعاتی فکر کو سیرت مصطفیٰ ﷺ کے تناظر میں دیکھنے کا رجحان نمایاں نہیں ہو سکا۔ وجوہات بہت سی ہیں لیکن بڑی وجہ علوم دین اور علوم دنیا کی غیر فطری تقسیم ہے۔ مذہبی حلقوں کے لیے یہ بات قابل قبول نہ تھی کہ منطق اور فطرت کے اصولوں پر مبنی نئی کائناتی تفہیم سامنے آئے۔ یوں شعر کی روایتی شکل آسان اور مغلوب ذہنوں کے لیے قابل فہم تصور ہوئی اور تن آسانی نے فکر کی مشکل تہوں میں جھانکنے کو قابل اعتناء نہ جانا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نعت میں نعتیہ نظم کو اُس طرح فروغ نہ ملا جو نعتیہ غزل (غزل کے فارمیٹ میں کہی گئی نعت) کو حاصل ہوا۔ حمد اور نعت میں نئے تجربات بھی مابعد جدیدیت کا حصہ رہے ہیں۔ مابعد جدیدیت بنیادی طور پر زمان و مکان کے مسائل کو پیش کرنے اور ان کا حل تلاش کرنے کا نام ہے لہذا یہ مکمل منطقی اور سائنسی اندازِ فکر کا دوسرا نام ہے زمان و مکان کے حوالے سے آفتاب کریمی نے اپنی کتاب "قوسین" میں ایک حمدیہ نظم (واکا، جاپانی صنف شعر) پیش کی ہے جس میں مشرق اور مغرب کو زمانی حالت کے طور پر بھی لیا ہے اور علامتی سطح پر مشرق کو قرآنی احکامات کی روشنی میں بھی دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

(حمدیہ نظم) واکا (پانچ مصرعوں کی جاپانی صنفِ سخن)

اے ربِ مشرق و مغرب، خدائے واحد و یکتا
تری عظمت کے چرچوں میں
تری مدحت کے نغموں میں
یہ "واکا" اک اضافہ ہے
مجھے مشرق کی بابت ہے خدا کا حکم قرآں میں
یہیں سے سورج ابھرتا ہے
یہیں دن نکلتا ہے
زمیں کا یہ وہ خطہ ہے

Marfat.com

نہیں ہے جس کے پیچھے اوٹ (۶)

مشرق بعید کے ملک جاپان کی صنف نظم کو نعت میں استعمال کرنے کا اولین تجربہ ہے تاہم مشرق اور مغرب کی معنوی حیثیت کا بیان نعت کے موضوعات میں ایک نیا اضافہ ہو سکتا تھا اگر اس کا بیان ذرا بہتر ہوتا۔ مصرع "مجھے مشرق کی بابت ہے خدا کا حکم قرآں میں" کی وضاحت سورج کے ابھرنے اور دن کے نکلنے سے نہیں ہو پاتی۔ بہر حال "واکا" کو انہوں نے نعت بنایا جو ہیئتی سطح پر ایک مستحسن عمل ہے۔ غزل میں یہ کارفرمائیاں بہت سی اصناف اور ہستیوں کے حوالے سے ہوتی رہی ہیں لیکن نعت کا روایتی شعر گو ایسے کسی تجربے سے بہت گھبراتا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ اُس کی اپنی نفسیاتی کیفیات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت میں سیرت رسول ﷺ کے تناظر میں بڑے فلسفیانہ سوالوں کے جواب یا ان سوالات کی معنوی تفہیم پر مبنی شاعری سامنے نہیں آسکی۔

مابعد جدیدیت مذہب، منطق اور سائنس کے درمیان اُس نکتۂ مشترکہ کی تلاش ہے جہاں علوم کے درمیان مذہبی اور غیر مذہبی کی غیر فطری اور غیر منطقی تقسیم کا اختتام ہو جاتا ہے۔ مغرب میں سولہویں صدی کے بعد اٹھنے والی نشاۃ الثانیہ کی تحریک بنیادی طور پر علوم کو منطقی سطح پر سمجھنے کی کوشش تھی لیکن روایتی مذہبی حلقے نے اسے اپنے خلاف محاذ قرار دیا۔

ڈاکٹر صلاح الدین درویش لکھتے ہیں:

> ''اس نشاۃ الثانیہ کی تحریک کے باعث انسان دوستی کا جو نظریہ منظر عام پر آیا وہ مذہب عیسائیت کے خلاف ہرگز نہ تھا اور نہ ہی اس کا مقصود مذہبی تعلیمات کی نفی کرنا تھی بلکہ انسان دوستی کی یہ تحریک جن روشن خیال کلاسیکی فلاسفروں کی تحریروں کو زندہ کرنا چاہتی تھی ان کی اشاعت کے باعث جو صورت حال پیدا ہوئی مذہبی حلقوں نے اسے اپنے خلاف ابھرنے والا محاذ قرار دے دیا۔'' (۷)

اُردو نعت کی روایتی صورت حال اِس سے مختلف نہیں کہ بہت کوشش اور محنت کے بعد عمومی ادباء نے اب نعت کو ایک صنف سخن کی حیثیت دے دی اور تنقیدی سطح پر کچھ بڑے ناموں نے نعتیہ تخلیقات پر اظہار خیال شروع کر دیا ہے۔ یہی مابعد جدیدیت کے نظریے کی کامیابی ہے کہ روایت سے علیحدہ نئے معاشرتی علوم اور منطقی استدلال کے ذریعے حمد اور نعتیہ تخلیقات پر بات کا آغاز ہو رہا ہے۔

Marfat.com

نعت کے موضوعات سیرت رسول ﷺ کا آئینہ ہوتے ہیں۔ حُسنِ ازلی کا ادراک اور اُسے دیکھنے اور محسوس کرنے کی خواہش کا بیان صوفیائے کرام کی متصوفانہ شاعری کی بنیاد بنتا ہے اور یہی ادراک اور خواہش مابعد جدیدیت کے نظریے کے زیرِ اثر عمومی سطح پر مذہبی شاعری کا مرکزی نکتہ بھی ہوتی ہے۔ سلیم کوثر کے حمدیہ اشعار ذاتی تاثر کے ساتھ اسی حُسنِ ازلی کا بیان کر رہے ہیں۔

وہ رات سے دن کشید کرتا ہے، دھوپ سے چھاؤں کاڑھتا ہے
چراغ تخلیق کرنے والے نے تیرگی کو بہم کیا ہے

نہ کام میرا نہ نام میرا نہ علم میرا ہے اور پھر بھی !!
وہ مجھ میں پوشیدہ قوتوں کو عجب طرح سے ابھارتا ہے

سلیم آغاز بھی اُسی سے، سلیم انجام بھی اُسی پر
وہ وقت میری اذان کا تھا، یہ وقت میری نماز کا ہے (۸)

مابعد جدیدیت شعریت کو فکری و فنی ہر دو سطحوں پر یکساں اہمیت دیتی ہے۔ ڈاکٹر توصیف تبسم کا نام ادبی حلقوں میں معروف ہے۔ غزل، نظم، نعت، تنقید اور تحقیق تمام شعبوں میں نام کمایا ہے۔ نعت کے اِس معروف شعر کے خالق ہیں۔

اے روشنی مقامِ محمود!!
سورج ترے سائے میں کھڑا ہے

عزیز احسن ڈاکٹر توصیف تبسم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر توصیف تبسم کا شمار بھی ایسے ہی شعراء میں ہوتا ہے جو کوچہ غزل سے حلقہ مداحانِ مصطفیٰ ﷺ طرف آئے ہیں چنانچہ ان کی شعری اقدار کے بارے میں تو بلا جھجک کہا جاسکتا ہے کہ وہ مکمل طور پر ادبی اسلوب کی حامل ہیں۔" (۹)

ڈاکٹر توصیف تبسم مذہبی شاعری میں ایک بالکل مختلف اپروچ کے ساتھ سامنے آئے ہیں۔ اُن کے ہاں مابعد جدیدیت کے نظریے کا پھیلاؤ ذات سے کائنات تک نظر آتا ہے۔ ایک نظم کا ٹکڑا ملاحظہ کریں

عجیب نغمہ سرمدی ہے!

Marfat.com

کہ جیسے یہاں

وقت بھی سانس روکے ہوئے چل رہا ہو

نظم انوارِ مدینہ' جادہ ٔزندگی کو روشن کرنے کی بات استعاراتی سطح پر کرتی ہے جہاں راستے میں ہزار ہا دشتِ ظلمت آتے ہیں۔ وقت کے سانس روک کر چلنے کا استعارہ اُس احترام کی کیفیت کا بیان ہے جہاں محبت اور عقیدت ذات سے ہوتی ہوئی کائنات تک پھیل جاتی ہے۔ مابعدالطبیعات ہمیں وقت کی ماہیت کی مختلف سطحوں سے بھی روشناس کرواتی ہے۔ کائنات میں وقت کا تصور (جدید سائنسی تحقیق کے مطابق) خود اضافی (Relative) ہے۔ اضافی یا Relative سے مراد ایسی اشیاء جن کی پیمائش کے پیمانے مختلف اوقات یا مقامات پر مختلف ہو جائیں۔ وقت کی جہات مختلف اوقات یا مقامات پر اللہ کے حکم سے مختلف ہونے کا عمل ہمیں قرآن کریم میں تین مختلف واقعات سے ملتا ہے۔

☆ "پہلا واقعہ حضرت عزیرؑ کا ہے۔ یہ واقعہ قرآن پاک کی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۹ میں بیان ہوا ہے۔

☆ دوسرا واقعہ نبی اکرم ﷺ کا واقعہ معراج ہے۔ واقعہ معراج سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بیان ہوا ہے۔ اللہ کے حکم سے وقت کا موجودہ پیمانوں کے مطابق ٹھہر جانا اور نبی اکرم ﷺ کا معراج سے واپس آنے تک کُنڈی کا ہلتے رہنا اور آپ ﷺ کے بستر کا گرم رہنا وقت کی اسی جہت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

☆ تیسرا واقعہ اصحاب کہف کا ہے۔ یہ واقعہ سورۃ الکہف کی آیت ۹ سے آیت ۲۵ تک بیان ہوا ہے۔ اس واقعے میں بھی وقت کا موجودہ پیمائش کے مطابق ٹھہرنا ثابت ہے۔" (۱۰)

تینوں واقعات میں وقت کی تفہیم اُس پیمانے کے مطابق نہیں ہوئی جو ہماری دنیا میں رائج ہے گویا موجود اور ماوراء کے درمیان وقت کی گمشدہ کڑیوں کی دریافت اِن تینوں واقعات کی بنیاد بنتی ہے۔ رب کریم نے اپنے محبوب بندوں کے لیے موجود پیمانوں میں تبدیلی کی اور وقت کو اُن محترم شخصیات کی خاطر ٹھہرایا جس کا تین ثبوت ہمیں قرآن میں ملتا ہے۔

اقبال کے مذکورہ بالا شعر میں پہلی بار انسانوں میں سب سے کامل انسان اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کے معراج پر تشریف لے جانے سے سائنسی، منطقی اور ارضی سطح پر ایک نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اقبال کے فلسفہ عشق اور فلسفہ تحرک کی روشنی میں اگر اس شعر پر غور

Marfat.com

کیا جائے تو یہ شعر معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے تناظر میں عظمتِ انسان اور معراجِ انسانیت کی بات کرتا نظر آتا ہے۔

وقت کی ماہیت کو سمجھنے کے لیے روحانی اور مابعد الطبیعاتی نظام کے متوازی سائنس نے بھی ایک مختلف نظام وضع کیا ہے جو طبیعات میں تجرباتی بنیادوں کو مَس کرتا نظر آتا ہے۔ آئن سٹائن نے طبیعات میں ایک نظریہ پیش کیا جسے آئن سٹائن کا نظریہ اضافت (Theorey of Relativity) کہا جاتا ہے جسے طبیعاتی شکل میں کچھ یوں لکھا جاسکتا ہے

Energy = Mass x (speed of light)

E = M x C

توانائی = مادہ x (روشنی کی رفتار)

مادہ اور توانائی کے درمیان رشتے کو سائنسی، منطقی اور تجرباتی سطح پر ثابت کرنے سے وقت کی ماہیت کو سمجھنے کے ایک نئے عمل کا آغاز ہوا۔ یہ نظریہ ہمیں وقت کے ایک نئے پہلو سے آگاہ کرتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق انسان اگر روشنی کی رفتار کے مربع (C) سے سفر کرنے کے قابل ہو جائے تو وہ اپنی مادی حیثیت کو تبدیل کر کے توانائی کی لہروں میں تبدیل ہو جائے گا گویا وہ اپنی مادی شکل وصورت کے بجائے توانائی کی لہروں یا بنڈلز کی صورت اختیار کر لے گا۔ ایسی حالت میں وہ مادے کی نسبت لاکھوں گنا تیز رفتاری سے سفر کر سکے گا۔ اِس بات کو ایسے بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر انسان کسی بھی طرح توانائی کی لہروں میں تبدیل ہو جائے تو وہ روشنی کی رفتار سے سفر کرنے کے قابل ہوسکتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے واقعۂ معراج کو عارف عبدالمتین نے کچھ یوں دیکھا

مرحلے تیرے سفر کے تھے ازل اور ابد

جادۂ وقت سے آگے ترا جادہ دیکھا (عارف عبدالمتین)

جادۂ وقت سے آگے جادۂ محمد ﷺ کو دیکھنے کا یہ عمل وقت کی ماہیت کے اِس تغیر وتبدل کو سمجھنے کی کوشش بھی ہے۔ آئن سٹائن کی تھیوری آف ریلٹو سائنس کے بعد وقت کے حوالے سے آج کی سائنس نئے نئے انکشافات کر رہی ہے۔ زمان ومکاں (Time & Space) کے حوالے سے یہ انکشافات کائنات میں وقت کے عمل کو سمجھنے کے نئے در وا کر رہے ہیں۔ سائنس اور

Marfat.com

منطق آج ہمیں بتا رہی ہے کہ سورج کی روشنی (یاد رہے کہ سورج بھی ایک ستارہ ہے) ہماری زمین تک آٹھ منٹ بیس سیکنڈ میں پہنچتی ہے۔ہم یہ بات جانتے ہیں کہ کسی بھی جسم سے نکلنے والی روشنی کے باعث ہماری آنکھیں اُسے دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں۔روشنی کا سفر ہمیں ہر بار آٹھ منٹ بیس سیکنڈ پرانا سورج دکھاتا ہے بالکل اسی طرح لاکھوں نوری سالوں کے فاصلے پر موجود ستاروں کو بھی ہم دیکھ سکتے ہیں۔جن ستاروں کی روشنی ہماری آنکھوں تک یا ہماری زمین تک ایک لاکھ سال میں پہنچتی ہے۔انہیں ہم ایک لاکھ سال ماضی میں دیکھتے ہیں۔اس کو زیادہ آسانی سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک لاکھ نوری سال کے فاصلے پر موجود ستارے کو ہم ایک لاکھ سال ماضی میں دیکھتے ہیں۔یہ بھی ممکن ہے زمین تک اُس کی روشنی کے پہنچنے کے دوران وہ ستارہ مختلف فلکیاتی اور کائناتی تغیرات کے باعث ختم ہو چکا ہو لیکن ہماری آنکھیں اُسے اس لمحے میں دیکھتی ہیں جب روشنی اُس ستارے سے سفر کا آغاز کر رہی تھی۔وقت کے اِس ماضی اور حال کے درمیان سفر کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وقت کی حیثیت ریلیٹو ہے۔اب آئن سٹائن کے نظریۂ اضافت اور وقت کے متعلق اِس نظریے نے ہمیں معراج مصطفیٰ ﷺ کو سائنسی اور منطقی طور پر بہتر طریقے سے سمجھنے کے قابل بنا دیا ہے۔سائنس کے اِن نئے نظریات نے مابعد الطبیعات اور طبیعات کے مابین ایک ہم آہنگی پیدا کردی ہے۔"(۱۱)

حنیف اسعدی کا ایک شعر اِسی موضوع سے متعلق ہے۔

سوچیں تو روحِ عصر کے ادراک کے بغیر
معراج کیسے آئے کسی کے گمان میں (حنیف اسعدی)

یہ شعر پہلے بھی کئی بار پڑھا تھا۔عقیدت ومحبت کے جذبات دِل پر اثر انداز ہوئے لیکن سچ پوچھیں تو شعر کی گرہیں کھل نہ پائیں۔مابعد جدیدیت کے نظریے اور طبیعاتی سائنس کی دریافتوں کے باعث "روحِ عصر کا ادراک" ہوا تو معلوم ہوا کہ وقت کی حیثیت اِس کائنات میں مستقل نہیں۔زمان ومکاں ایک خاص طرح کے جبر میں رہتے ہوئے بھی آزاد ہیں۔حال موجود میں رہتے ہوئے بھی پیچھے ماضی کی جانب اور آگے مستقبل کی طرف اللہ کے حکم سے ہاتھ بڑھا سکتا ہے۔

انسان کی عظمت کے حوالے سے اقبال یوں رقمطراز ہیں۔

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگہہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام

Marfat.com

شکیب جلالی نے شاید ایسے ہی کسی لمحے کی آزادی کو محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔

فصیلِ جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدودِ وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی (شکیب جلالی)

لیکن شکیب کا تجربہ ایک عام آدمی کا تجربہ تھا اِس لیے شعر میں "تازہ لہو کے چھینٹے" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ حدودِ وقت سے آگے نکلنے کا عمل اللہ کی مدد سے انبیاء کرام یا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے لیے تو روا ہو سکتا ہے لیکن اِس تجربے سے کسی دوسرے انسان کا گزرنا ناممکن ہے۔

واقعۂ معراج کو مابعد الطبیعاتی سطح پر سمجھنے کے لیے پھر اقبال کی جانب رجوع کرنا پڑے گا۔

عِشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اِس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں (اقبال)

اقبال کا یہ شعر کائنات کی وسعت اور پھیلاؤ کو عظمتِ انسان کے تناظر میں دیکھتے ہوئے ایک نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ایک قدم کا فاصلہ بھی کائنات کے پھیلاؤ سے زیادہ ہے۔ اگر اللہ کی مدد سے سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کا ایک غلام محمد اقبالؒ کے عشق کا ایک قدم زمین و آسماں کی وسعتوں کو چھو سکتا ہے تو پھر امام الانبیاء کی اللہ کے حکم سے آسمانوں کی سیر اور رب سے ملاقات عین برحق بھی ہے اور اُمت کے لیے رب کا انعام بھی۔ اللہ کی اپنے محبوب سے محبت کا یہ عالم کہ جہاں وقت کی موجود اور ماوراء کے درمیان معلق کر دیا جائے اور زمان و مکاں کو کائناتی نظم و ضبط سے آزاد کر دیا جائے صرف واقعۂ معراج میں ہی نظر آتا ہے۔ وقت کی رفتار کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے روکنا بھی نبی کریم ﷺ اور اُمت نبی اکرم ﷺ کے لیے ایک تحفہ تھا جو ہمیں رب کریم کی بارگاہ میں شکر بجالانے کا پیغام بھی دیتا ہے اور اِس پر غور و فکر کی دعوت بھی۔

مابعد جدیدیت زمانے کی سیاسی، سماجی، ثقافتی، علمی، نظریاتی اور ادبی کروٹوں کو اپنے عہد کے تناظر میں دیکھنے کا عمل ہے۔ اردو نعت نگاری کا رشتہ جہاں برصغیر کی مٹی سے ہے وہیں عرب کی سرزمین سے بھی ہے۔ برصغیر کی ثقافت اور زبان کا رچاؤ جتنا امام احمد رضا خان بریلویؒ کے ہاں نظر آتا ہے شاید ہی کسی شاعر کے ہاں فنی سطح پر یہ رچاؤ موجود ہو۔

آفاقی شاعری کی ایک خاص خوبی اُس کا علامتی پیرایہ ہوتی ہے۔ شاعری میں وسعت پیدا ہی اُس وقت ہوتی ہے جب شاعر شعوری سطح پر علامت کو تہذیبی عنصر کے طور پر برتے۔ مابعد جدیدیت جس آفاقیت اور وسعت کی بات کرتی ہے وہ شاعری میں علامت کے موضوع کے ساتھ

Marfat.com

ہم آہنگ ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

غالب کا ایک شعر ہے۔

سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو وصنوبر
تو اِس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے (غالب)

استاد محترم جناب ڈاکٹر عبد العزیز ساحر (محترم ڈاکٹر عبد العزیز ساحر ہیڈ آف اردو ڈیپارٹمنٹ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد) نے دوران گفتگو اِس شعر کے علامتی اظہار کو ایک نئے زاویے سے دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ غزل کے اِس شعر میں دنیاوی محبوب کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ محبوب، محبوب خدا حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی طویل قامت کے باعث سرو کی علامت اُن سے منسوب ہے جبکہ صنوبر مناسب قامت کے باعث حضرت علیؓ کی شخصیت کی علامت ہے اور شعر کی تشریح ایک منظر پر مبنی ہے جب نبی اکرم ﷺ اپنے ظاہری جمال کے ساتھ بازار مدینہ میں تشریف لاتے تو حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ ان کے ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے۔ اب علامتی اظہار کے معنی کے لحاظ سے تہہ داری ہمیں اِس شعر کی بُنت میں نظر آ رہی ہے۔

علامتی اظہار کے ساتھ ساتھ شاعر کو تاریخی تناظرات سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ شاعری ایسا فن ہے جسے علم سے جلا ملتی ہے نعتیہ شاعری میں تاریخی حقائق کا درست صورت میں آنا ضروری ہے۔ تلمیحات کا درست اور برمحل استعمال شعر کی قدر متعین کرنے کا باعث بنتا ہے۔ تلمیحات کے حوالے سے اردو شاعری سے کچھ مثالیں ذہن میں آتی ہیں۔

آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت (حالی)

لازم نہیں کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی (غالب)

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاکِ پا جن کی
انہی کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھیں (میر)

باغ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں؟
کار جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر (اقبال)

Marfat.com

تلمیح اشعار میں کسی تاریخی واقعے، مقام یا شخصیت کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ تلمیح کا درست استعمال پورے منظر، مقام یا شخصیت کی تصویر آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے۔ حالیؔ کے شعر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن کے بھائیوں کی جانب سے کنویں میں دھکا دینے کے واقعے کا ذکر ہے۔ غالبؔ کے شعر میں حضرت موسیٰؑ کے پہاڑ پر خدا کی تجلی کو دیکھنے اور پھر اُس نور کی شدت سے پہاڑ کے جل جانے کا ذکر ہے۔ میرؔ کے شعر میں مغل عہد کے آخری حصے میں فرخ سیئر نامی بادشاہ کو تخت کے امیدواراں کی جانب سے اندھا کر دینے کا ذکر ہے جبکہ اقبالؔ کے شعر میں آدم کا خلد سے نکلنے اور دنیا میں آنے کی قرآنی کہانی کا ذکر ہے۔ اِسی حوالے سے غالبؔ کا ایک شعر یاد آتا ہے۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن

بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے (غالبؔ)

نعت نگاری میں تلمیحات کا استعمال بہت زیادہ ہے۔ تاریخی واقعات کے حوالے سے اقبال کا تنقیدی شعور بہت بلند تھا۔ اقبال کے ہاں مکمل عنوان کے ساتھ نعت کم کم ہی ملتی ہے لیکن

لوح بھی تُو قلم بھی تُو تیرا وجود الکتاب

گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

جیسے اشعار اُس کی نبی اکرم ﷺ سے محبت کا ثبوت دیتے ہیں وہاں اُس کے تاریخ، ثقافت اور زبان پر عبور کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں۔

اسی نعت میں وہ کہتے ہیں:

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود

فقرِ جنید بایزید تیرا جمال بے نقاب

نعت کے اِس شعر میں خلافتِ عثمانیہ کے بادشاہوں کے جلال کو مثال بناتے ہوئے جمال اور محبت کے پیکر صوفیائے کرام حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کی زندگی اور فلسفہ حیات کے ساتھ ساتھ اُن بزرگانِ دین کی حضرت محمد ﷺ سے محبت کو بھی موضوع بنایا گیا ہے تلمیح کی یہ ایک خوبصورت مثال ہے۔ اقبال کی اِس نعت پر بات کی جائے تو اقبال اِس نعت میں پُرشکوہ الفاظ اور پُرجلال ماحول کے ذریعے ایک ایسا افق بنانے میں کامیاب ہوئے جہاں جلال اور جمال کے ملنے کا خوبصورت منظر پیدا ہوتا ہے اسی نعت میں وہ آگے کہتے ہیں:

Marfat.com

شوق اگر ترانہ ہو میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

محبت اتنی شدت کے ساتھ اقبال کے ہاں نبی اکرم ﷺ کے لیے خصوصی طور پر جلوہ گر نظر آتی ہے اِس پوری نعت میں جلال اور بزرگی کا عنصر کچھ اِس طرح چھایا ہوا نظر آتا ہے کہ اِسے سنتے یا پڑھتے ہوئے گنبدِ خضریٰ کی سر سبز چھاؤں اور سنہری جالیوں کی روشنی آنکھوں میں پھرنے لگتی ہے ۔بچپن میں یعنی آج سے پچیس تیس سال قبل اِس کلام کو (PTV) پی ٹی وی پر محترمہ منیبہ شیخ کی زبانی سنا تھا۔پھر کئی نعت خواں خواتین وحضرات نے اِسے پڑھا لیکن کلام کے جلال و جمال کو جس طرح محترمہ نے اپنے ترنم سے زبان دی وہ انہی کا خاصہ ہے۔ میں اِس کلام کی اتنی خوبصورت اور پرتاثیر ادائیگی پر محترمہ کے لیے دعا گو ہوں۔

UTube (یوٹیوب) کی وساطت سے اِس کلام کو میں نے مکرر سنا اور اسی لطف کو پایا جو ہزار ہا دنوں کی گہرائی میں کہیں کھو گیا تھا

انہی نعتیہ اشعار میں آگے چل کر اقبال کہتے ہیں:

عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

ذرۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب

تاریخی حقائق کا شاعرانہ زبان میں بیان فکری گہرائی کے ساتھ کچھ آسان کام نہیں۔اقبال کے ہاں لسانی سطح پر اپنے دور کے دوسرے ہم عصر شعراء سے ایک مختلف تجربہ ملتا ہے۔اُن کی شاعری کی فنی سطح پر بلندی لفظ کا علامت کی سطح پر استعمال ہونا ہے۔لفظ اپنی ہیئت بدلتا ہے اور سات رنگوں کے نگینے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔اِس نعتیہ شعر کا پہلا مصرع لفظوں کی اِسی ہمہ جہتی کی مثال ہے۔"عالم آب و خاک" کو نبی اکرم ﷺ کی آمد سے حاصل ہونے والی سربلندی اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ منعکس ہوتی نظر آتی ہے اور سچ پوچھیں تو دل پر اثر کرتی ہے۔جمال محمدی ﷺ اور جلال الٰہی کی مثال شاید ہی اردو نعت میں کہیں نظر آئے۔

آخری شعر میں اقبال عقل اور عشق کا موزانہ نعت کے تناظر میں کچھ یوں کرتے ہیں۔

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے

عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

اقبال کے ہاں فکری سطح پر ایک خاص طرح کا توازن دکھائی دیتا ہے جیسے مومن کی شان بھی

Marfat.com

کہتے ہیں۔اقبال کے ہاں دوطرح کے فلسفے اُن کی پوری شاعری اور نثر میں دکھائی دیتے ہیں۔

فلسفۂ عشق:

اس فلسفے کا تعلق مومن کی فکری زندگی سے ہے۔خودی اور بے خودی اِسی فلسفے سے نکلنے والی وہ ندیاں ہیں جنہوں نے عالم اسلام کو سیراب کیا۔اسی فلسفۂ عشق کی بنیاد وہ عشق رسول ﷺ کو قرار دیتے ہیں۔ساقی (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) سے کچھ یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

تُو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی (اقبال)

فلسفۂ تحرک:

اقبال کے ہاں دوسرا اہم فلسفہ تحرک کا ہے۔اِس کا تعلق مومن کی جسمانی زندگی سے ہے ۔فکر یا نظریے پر عمل کا دارومدار اسی فلسفۂ تحرک کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔اِسی فلسفے کے تحت وہ ایک ایسے اسلامی معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں جہاں عدل وانصاف اور محبت ہر انسان تک پہنچتی تھی...... پاکستان کو اِسی فلسفے کی عملی تصویر بنا تھا لیکن ....

نعت مبارک میں تلمیحات کی چند مثالیں دیکھیں:

اورنگِ سلیماں کے لیے رشک کا باعث
اے سیدِ کونین ترے در کی چٹائی (میاں اویس مظہر)
ستم ترکِ وطن کے جو سہے سب بھول جاتے ہیں
ہمیں یاد آتی ہے مکے سے جب ہجرت محمد کی (بیدل جونپوری)
قدموں کے کچھ نشان تھے صحرا کی ریت پر
قربان دو جہان تھے صحرا کی ریت پر
ہجرت کا آٹھ دن کا سفر، راستہ طویل
وہ صبر کی چٹان تھے صحرا کی ریت پر (کاشف عرفان)
دستِ کرم سے تھم گئیں منبر کی سسکیاں
دیکھا شجر نے آ گئی رفتار پاؤں میں (اشفاق انجم)

مابعد جدیدیت ایک متن پر دوسرے متن کی تخلیق کے رجحان کو اہمیت دیتی ہے۔نعت نگاری

Marfat.com

میں ایک متن کے حوالے سے متن میں دوسرے تخلیقی رجحان کو علامت نگاری کے حوالے سے دیکھا جاسکتا ہے۔ شاعری میں علامت تخلیقی بنیادوں پر آتی ہے لہٰذا لفظ ہمہ جہت ہو جاتا ہے اور اُس کے کئی معنی لیے جاسکتے ہیں۔ اِس حوالے سے ڈاکٹر گوہر نوشاہی کی رائے بڑی دلچسپ ہے۔

''میرے نزدیک اِس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں کہ کوئی شخص تخلیقی لفظ کی تلاش لغت کی کتاب میں کرے۔ لُغت کی کتاب میں اِس لفظ کا جو کسی تخلیقی فن پارے میں آتا ہے صرف ڈھانچہ ہوتا ہے۔ اُس کی پوری ذات نہیں ہوتی۔'' (۱۲)

آفاقی شاعری میں لفظ منشور یا Prism (ایک تکون شیشے کا ٹکڑا جس میں سے گزر کر روشنی سات رنگوں میں تقسیم ہوتی ہے) سے نظر آنے والے رنگوں کی طرح نظر آتا ہے منشور میں روشنی کی شعاع ایک طرف سے داخل ہوتی ہے اور دوسری طرف سے سات رنگوں میں تقسیم ہو کر باہر دیکھنے والی آنکھ کو نظر آتی ہے۔ بڑی علامتی شاعری میں لفظ' معنی کی کئی تہیں بناتا ہے اور شعر لفظوں کی اِسی ہمہ جہتی کے باعث آفاقیت اور کلاسیکی درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ یاد رہے کہ علامت تشبیہ اور استعارہ سے مختلف ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے الفاظ میں علامت کی تعریف دیکھتے ہیں۔

''علامت مخفی تصورات کے وسیع ترین نظام کی مجمل ترین شکل ہے۔ یہ بھی دراصل تشبیہ کے خاندان سے ہے اور کسی نہ کسی جہت سے مشابہت کا رابطہ اس میں کارفرما ہوتا ہے۔'' (۱۳)

علامت ایک واضح وجود ہے جو لفظوں میں اپنی معنویت پوشیدہ رکھتا ہے۔ علامت لفظوں میں پوشیدہ ہونے کے باوجود اِس کی شناخت صرف لغت سے ممکن نہیں بلکہ لفظ یا اصطلاح کو معنوی پس منظر، ماحول (جہاں یہ لفظ استعمال ہوا) اور تاریخی تناظر میں شناخت کیا جاتا ہے۔ غزل میں علامت کے استعمال کی کچھ مثالیں دیکھیں۔

خموش ہوں تو مجھے اتنا کم جواز نہ جان
مرے بیان سے باہر بھی ہیں سبب میرے (جمالِ احسانی)

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اِس کارگہ شیشہ گری کا (میرؔ)

Marfat.com

آواز دے رہے ہیں درِدل پہ وسوسے
ہر گام ایک کوہِ ندا ہے ہمارے ساتھ (سجاد باقر رضوی)

ملی ہے اِس لیے خلعت کہ میں نے زیرِعبا
چلا تھا گھر سے تو شمشیر بھی پہن لی تھی (محمد اظہار الحق)

اردو نعت نگاری میں علامت کا گہرا اور تہذیب میں گندھا ہوا استعمال خال خال ہی نظر آتا ہے۔اِس کی بنیادی وجہ شعراء کی تن آسانی اور سامع کی آسان پسندی ہے۔نعت خوانی میں ایسے کلام کا چناؤ جس کی شاعرانہ حیثیت مُسلّم نہ ہو عوامی مزاج کے بگاڑ کا سبب بنا پھر اردو غزل کا بڑا شاعر نعت کی جانب آنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا رہا۔ان سب وجوہات کے باوجود ایسا نہیں کہ اردو نعت میں بڑی علامتی شاعری بالکل ہی نہیں ہوئی۔اردو نعت نگاری میں علامت کے استعمال کی چند مثالیں دیکھیں۔

سیرت ہے تیری جوہرِ آئینۂ تہذیب
روشن ترے جلوؤں سے جہانِ دل و دیدہ (حفیظ تائب)

فروغِ جاں بھی وہاں ہے،فراغِ خاطر بھی
جہاں جہاں بھی تری روشنی کا ہالہ ہے (انور مسعود)

لیل ونہار آپ کے در کے طواف میں
لوح وقلم ہے آپ کی مدحت کا آئینہ (محمد اقبال نجمی)

میں اُسی روز سے منسوب تری ذات سے ہوں
جب کہ جبریلِ امیں بھی ترا دربان نہ تھا (حافظ مظہر الدینؒ)

اُردو نعت نگاری میں مابعد جدیدیت سے متعلق جو موضوعات وقتاً وقتاً شامل ہوتے رہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- ☆ حسنِ ازلی کا ادراک اور بیان
- ☆ انسان دوستی
- ☆ آفاقیت اور وسعت کائنات کے تناظر میں محمد ﷺ کی سیرت کا بیان
- ☆ سیرت مصطفیٰ ﷺ کے تناظر میں تہذیبی عناصر کی دریافت
- ☆ سیرت نبی ﷺ کے حوالے سے جدید عہد میں مسلمان ذہن پر پڑنے والے'

Marfat.com

پیچیدگی (Complexity) کے اثرات۔

سیرت پاک سے تمام انسانوں کو انسان دوستی کا جو عالم گیر پیغام ملتا ہے اُس پر بات کی جانی ضروری ہے۔ اردو نعت نگاری میں مختلف شعراء کرام اس موضوع پر کام کر رہے ہیں تاہم ابھی بہت سا کام کیا جانا باقی ہے (آج ۲۰۱۴ میں اسلام پر اٹھنے والے سوالات کے جوابات دینے کے لیے انسان دوستی کے پہلو پر لکھنا ہم تنقید نگاروں اور شعراء پر لازم ہو جاتا ہے) انسان دوستی کے حوالے سے فتح مکہ کا دن انسانی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جانے والا ہے جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دیا۔ رحمتہ للعالمین سرکار دو عالم ﷺ نے ابوسفیان جیسے واضح اور کھلے دشمن کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ان کے گھر کو جائے امن بھی قرار دیا۔ انسانی تاریخ میں شاید ہی ایسا کہیں ہوا ہو کہ اپنی بیٹی اور چچا کے قاتلوں کو بھی اللہ کی رضا کی خاطر انسانی بنیادوں پر عام معافی دی گئی ہو۔ فتح مکہ کے حوالے سے مجھے اپنے چار مصرے یاد آتے ہیں۔

اک عہد تھا چٹائی سے آدھی کھجور تک
پہنچے حضور کیسے مقاماتِ نور تک؟
مکہ کی فتح دین کا رخشندہ باب ہے
بخشے گئے تھے قتلِ عمد کے قصور تک (کاشف عرفان)

اکیسوں صدی کے آغا میں نائن الیون (۹/۱۱) نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے مسائل کے انبار لگا دیے۔ دنیا تہذیبی ٹکراؤ کے دہانے تک پہنچ چکی ہے۔ آج خصوصاً عراق شام افغانستان ،ایران اور پاکستان کے مسلمان عیسائی دنیا کی نفرت کا شکار ہیں اُس پر زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ مسلمان متحد نہیں ہیں۔ فرقہ بندی اور مسالک کی جنگ نے ہمیں تنہا کر دیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے گروہوں نے استعماریت کے خلاف اپنی اپنی جنگ شروع کر دی ہے۔ دین کی جس شکل کو جس نے پسند کیا اُس پر نہ صرف خود عمل شروع کر دیا بلکہ ساتھ ہی بزورِ بازو و ہتھیار دوسرے کو بھی اِسی شکل پر عمل کرنے پر مجبور کیا یوں ہم مسلمان نفرتوں کے ایک ایسے جنگل میں گم ہو گئے ہیں جہاں سے ہمیں صرف سیرت محمد ﷺ ہی نکال سکتی ہے۔ اِسی حوالے سے صبیح رحمانی کی ایک نعتیہ نظم دیکھیے:

(نعتیہ نظم)

اے نوید مسیحا دعائے خلیل
نفرتوں کے گھنے جنگل میں شہا

Marfat.com

عہد حاضر کا انسان محصور ہے
مشعلِ علم و اخلاق سے دور ہے
کتنا مجبور ہے
اے نویدِ مسیحا
دعائے خلیل
روک دے نفرتوں کی جو یلغار کو
پختگی ایسی دیں میرے کردار کو
آپ کا لطف و رحمت تو مشہور ہے

(صبیح رحمانی)

انسانی دوستی کے عناصر کو نعت میں شامل ہونا شعراء سے بہت سے مطالعے اور ریاضت کا متقاضی ہے۔ سیرتِ پاک کا مطالعہ اور آپ کی زندگی کے اُن گوشوں کو اردو نعت کا حصہ بنانا اور لوگوں تک پہنچانا نہایت ضروری ہے جہاں ابھی شعراء کی نظر نہیں پہنچی۔ نعت کے شاعر کا تخیل بلند ہونے کے باوجود ادھر اُدھر بھٹکتا ہوا نہیں ہونا چاہیے نعت نگار جتنا (متوجہ موضوع) ہوگا اُس کے لیے اچھی نعت کہنا آسان ہوگا۔ عمومی شاعری اور نعتیہ شاعری میں فرق کے حوالے سے عزیز احسن کہتے ہیں۔

"نعت کی زبان' فصاحت، بیان' متانتِ اظہار، ادراکِ رسالت اور تفہیمِ کارِ نبوت کا نمائندہ ہو اور مقصدِ اظہار' ترویجِ منشائے رب العزت، تبلیغِ دینِ متین اور دفاع ناموسِ رسالت ٹھہرے اور مجموعی تاثر اتباعِ محبوبِ رب العالمین کے جذبوں کو بیدار کرنے والا ہو۔" (۱۴)

زبان و بیان میں پاکیزگی کا تعلق جہاں عقیدت و احترام سے ہے وہاں فکری گہرائی' علمی سر بلندی سے نصیب ہوتی ہے۔ مطالعہ اور مسلسل مطالعہ ہی سے انسانی ذہن کو وہ بالیدگی حاصل ہوتی ہے جو بڑی شاعری کی بنیاد بنتی ہے۔ یہ عمومی اصول نعت نگاری میں بھی کارفرما ہے۔ نعت کے شاعر کے لیے قرآن حکیم اور سیرت پاک ﷺ کا مطالعہ از حد ضروری ہے

اب آخر میں صرف ایک نکتے پر بات کرنا چاہوں گا جس کی ضرورت آج کے تناظر میں پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ ہے ترجمہ نگاری کی روایت۔ اردو کے نعتیہ ادب کو اگر دنیا کے دوسرے لوگوں تک پہنچانا ہے تو ہمیں اپنی نعتیہ شاعری اور نعتیہ تنقید کو اردو سے انگریزی کے قالب میں

Marfat.com

ڈھالنا ہوگا۔علوم کے پھیلانے میں ترجمہ ہر دور میں اہم رہا ہے۔عرب میں قدیم مصر، روم اور ایران (فارس) کی کتب ترجمہ ہوئیں تو اہل عرب زبان اور فکر کی بلندی تک پہنچے۔نعت ریسرچ سنٹر نے اِس روایت کا آغاز کیا ہے جس کے لیے صبیح رحمانی اور ان کے احباب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اُن سے ایسے کسی عمل میں جس سے قرآن اور سیرت نبی ﷺ کا علم دنیا کے کونے کونے میں پہنچے،خود کا شامل کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔

☆☆☆

حوالہ جات

(۱) مضمون ''روایت اور نئی تخلیق''، ٹی ایس ایلیٹ مشمولہ ''نئی تنقید''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

(۲) مضمون ''جدیدیت اور مابعد جدیدیت'' ڈاکٹر وزیر آغا مشمولہ ''معنی اور تناظر'' مکتبہ نردبان سرگودھا، دسمبر ۱۹۹۸ء

(۳) سہ ماہی جریدہ ''جدیدیت اور مابعد جدیدیت''، ڈاکٹر وزیر آغا مشمولہ ''معنی اور تناظر'' مکتبہ نردبان سرگودھا، دسمبر ۱۹۹۸ء

(۴) نسبت (نعتیہ مجموعہ)، سید ابوالخیر کشفی، اقلیم نعت کراچی، ۱۹۹۹ء، صفحہ ۹۴

(۵) وقت کا سفر، سٹیون ہاکنگ، مشعل لاہور ۱۹۹۸ء، صفحہ ۲۱۹

(۶) قوسین، آفتاب کریمی، اقلیم نعت، کراچی ۲۰۰۵ء، صفحہ ۱۳۸

(۷) انسان دوستی (نظریہ اردو تحریک) پورب اکادمی اسلام آباد ۲۰۰۷ء صفحہ ۱۳

(۸) میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت، سلیم کوثر، امیرہ پبلی کیشنز کراچی 2015، صفحہ ۲۴

(۹) نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، ۲۰۱۵، صفحہ ۳۲۲

(۱۰) اردو فکشن میں وقت کا تصور، ڈاکٹر ناہید قمر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

(۱۱) وقت کی ماہیت کے حوالے سے سائنسی معلومات طبیعات (Physics) کے حوالے سے مختلف ویب سائٹس (Websites) سے لی گئیں۔

(۱۲) مضمون ''تخلیقی صلاحیت''، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، مطبوعہ ''نئی شاعری'' (مرتبہ افتخار جالب) نئی مطبوعات لاہور، ۱۹۶۶ء

(۱۳) اردو افسانے میں علامت نگاری، ڈاکٹر اعجاز راہی، ریز پبلی کیشنز، مری روڈ راولپنڈی، دسمبر ۲۰۰۲ء

(۱۴) نعت کی تخلیقی سچائیاں، ڈاکٹر عزیز احسن، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، مارچ ۲۰۰۳ء

☆☆☆

Marfat.com

اُردو نعت اور وقت کی ماورائی جہات

اُردو نعت میں وقت کا تصورِ ماضی، حال اور مستقبل کے ساتھ ساتھ ماورائیت پر بھی مشتمل رہا ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل وقت کی معلوم جہات ہیں جس میں ہم اور آپ موجود ہیں اور چوتھی سمت اُن ماورائی عناصر کا بیان ہے جو وقت کی رفتار کے کم یا زیادہ ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔

اردو نعت نگاری میں وقت کا ماورائی تصور بنیادی طور پر واقعۂ معراج اور حضرت محمد مصطفیؐ کے معجزات کے ساتھ منسلک ہے۔ واقعۂ معراج مصطفیؐ اور معجزۂ شق القمر کے ساتھ ساتھ ہجرت مدینہ کے سفر کے دوران غارِ ثور میں قیام میں پیش آنے والے واقعات مثلاً غار کے منہ پر مکڑی کا جالا اور فاختہ (کبوتر یا اسی طرح کا کوئی دوسرا پرندہ) کا چند ساعتوں میں گھونسلا بنا کر انڈے دینا وقت کے اُسی ماورائی اور مابعد الطبیعاتی تصور کا اظہار ہے۔ وقت کے اِس ماورائی تصور کو عہدِ جدید میں وقت کے نئے نظریات کے سامنے رکھ کر تجزیہ کرنا اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقانیت ثابت کرنا اِس مضمون کے مقاصد میں شامل ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھنا ضروری ہوگا کہ اردو نعت میں ان واقعات کا بیان حقائق سے قریب تر ہے یا نہیں۔ شاعری میں مبالغہ آرائی پر نظر رکھتے ہوئے خلافِ حقیقت مضامین پر گرفت کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس سے پہلے کہ ہم اردو نعت اور سیرتِ اطہر سے اِن واقعات کو سائنسی اور منطقی انداز میں سمجھنے کی کوشش کریں آیئے دیکھتے ہیں کہ خود وقت کیا ہے؟ اور وقت کی مختلف جہات کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ، انسان اور کائنات کی مثلث میں وقت کے کون سے نئے زاویے سامنے آتے ہیں؟

کائنات کی تشکیل کے بعد انسان کو جب پہلی بار فنا اور بقا کے فلسفے کا ادراک ہوا تو اُس کو وقت کے موجود ہونے کا احساس ہوا۔ وہی لمحہ تھا جب انسان نے وقت کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کی، گویا وقت ایسا پُل ہے جو بقا کو فنا سے ملاتا ہے۔ مگر بنیادی سوال تو پھر اپنی جگہ موجود ہے یعنی

Marfat.com

وقت کی ماہیت کیا ہے؟

؟..........بقا..........................فنا.......................؟

وقت کو سمجھنا' آغاز ہی سے انسان کی ضرورت بن گیا لہذا آغاز سے ہی وقت کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہو گی لیکن اِس کی عقلی توجیہہ آج تک پیش نہیں کی جا سکی۔ اس کی بنیادی وجہ وقت کا تجریدی ہونا ہے۔ وقت کو تجسیم نہیں کیا جا سکتا۔

وقت ماضی، حال اور مستقبل میں اپنی شکل تبدیل کرتا رہتا ہے۔ حال کو روکا نہیں جا سکتا یوں حال مستقل طور پر ماضی میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور ماضی کو ہاتھ بڑھا کر روکا یا پکڑا نہیں جا سکتا ۔خود مستقبل ہمیشہ پردۂ اخفا میں رہتا ہے لہذا اُس کی تجسیم بھی نہیں کی جا سکتی۔ وقت کا تعلق زمانہ ،عہد اور عرصہ کے ساتھ ہے اس لیے وقت کا تصور سامنے آتے ہی ماضی، حال اور مستقبل کے مفاہیم سامنے آتے ہیں یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وقت کا تصور اپنے ساتھ وسیع، گہرے اور ماورائی مفاہیم رکھتا ہے۔

آئن سٹائن نے کہا تھا:

"Time is the fourth dimension of the universe" (1)

آئن سٹائن نے اپنے نظریہ اضافیت (Theorey of Relativity) کے ذریعے ثابت کیا کہ خلاء میں روشنی کوانٹمی شکل میں سفر کرتی ہے یعنی توانائی کے بنڈلز(Bundles) کی شکل میں۔ یہ نظریہ روشنی کے لہر ہونے کے پرانے نظریات کے خلاف تھا۔اس طرح آئن سٹائن نے روشنی کے پرانے ذراتی نظریے کو پھر سے زندہ کر دیا۔ آئن سٹائن نے روشنی کو ذرہ اور لہر کی متضاد خوبیوں کا حامل قرار دیا یوں خلاء میں روشنی کی رفتار کے مستقل ہونے کا نظریہ سامنے آیا۔ یوں آئن سٹائن کی تھیوری آف ریلٹویٹی (Theorey of Relativity) سے ہی یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ کائنات میں کسی بھی چیز کی حدِ رفتار روشنی کی رفتار ہے۔ اس نظریے نے وقت کی ماہیت کے حوالے سے بہت سے نئے سوالوں کو جنم دیا۔

☆ کیا وقت ایک حقیقت ہے یا محض فریب؟
☆ کیا وقت کائنات کی معروضی حقیقت ہے یا موضوعی؟
☆ کیا وقت کا کوئی آغاز و انجام ہے؟
☆ کیا وقت مستقل حقیقت ہے یا اضافی (Relative)؟

Marfat.com

☆ وقت جن چیزوں کے تقابل سے وجود پاتا ہے کیا اُن اشیاء سے وقت کا کوئی حقیقی تعلق ہے؟

وقت کا تصور کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے حوالے سے کیا جاسکتا ہے یعنی کوئی واقعہ کسی دوسرے واقعے سے کتنا پہلے یا بعد میں وقوع پذیر ہوا لہذا زیادہ آسانی سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وقت کا تصور مادے اور انرجی کے ساتھ ہے۔ انسانی شعور وقت کی پیائش مادے اور توانائی کی مختلف انداز میں حرکات اور ان کا آپس میں تقابل کر کے کرتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہماری اِس کائنات میں ارب ہا کہکشائیں ہیں۔ ان کہکشاؤں میں سے ہر ایک کہکشاں کا نظام شمسی علیحدہ ہے۔ ہر نظام شمسی کے مختلف ہونے کے باعث کشش کا نظام بھی مختلف ہوگا لہذا وقت کی پیائش کا نظام بھی مختلف ہوگا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ دو ارب سے زائد کہکشائیں ہماری اس کائنات کا حصہ ہیں۔ سائنس، وقت کا تعلق روشنی کی رفتار سے جوڑتی ہے۔ وقت کو کائنات کی وسعت میں پیائش کرنے کے لیے نوری سال (Light Year) کی اصطلاح بنائی گئی۔ وقت کے تصور کو سمجھنے کے لیے ہمیں پہلے خود کائنات اور اُس کے پھیلاؤ کے نظریے (Big Bang Theorey) کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ وقت کی تعریف مختلف لغات میں وقفہ (Duration) کی گئی ہے جو وقت کو سمجھنے کو اور مشکل بنا دیتی ہے۔

سٹیون ہاکنگ اپنی معروف تصنیف ''وقت کا سفر'' میں لکھتے ہیں۔

> ''وقت کی ماہیت کے بارے میں ہمارے خیالات چند سالوں میں کس طرح تبدیل ہو چکے ہیں اِس صدی کے آغاز (بیسویں صدی) تک لوگ مطلق وقت پر یقین رکھتے تھے، یعنی ہر واقعہ وقت نامی ایک عدد سے منفرد انداز میں منسوب کیا جاسکتا تھا.........تاہم اس دریافت نے کہ ہر مشاہدہ کرنے والے کو اپنی رفتار سے قطع نظر روشنی کی رفتار یکساں محسوس ہوگی، اضافیت کے نظریے کو جنم دیا۔'' (۲)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں وقت کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

> ''انسانی تجربے کے مطابق وقت ایک ایسے بہاؤ کا نام ہے جس کی رفتار نا قابلِ فہم ہے'' (۳)

''نا قابلِ فہم رفتار'' کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ وقت کے گزرنے کی رفتا نا معلوم ہے اور نا معلوم رفتار ظاہر کرتی ہے کہ زمان کا تصور مکان کے تصور سے زیادہ پیچیدہ ہے۔

Marfat.com

سائنسی نظریات کے حوالے سے وقت کو تین مختلف نظریات کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے:

☆ بگ بینگ تھیوری (Big Bang Theorey)

☆ نیوٹن، آئن سٹائن اور سٹیفن ہاکنگ کا تصورِ وقت

☆ بگ کرنچ تھیوری (Big Crunch Theorey)

۱۔ بگ بینگ تھیوری (Big Bang Theorey):

بگ بینگ تھیوری دو مفروضوں پر اپنی بنیادیں استوار کرتی ہے۔ پہلا آئن سٹائن کا عمومی نظریہ اضافیت مادے کے تجاذبی تعامل (Gravitational Interaction) کو درست طور پر وضاحت جبکہ دوسرا کائناتی اصول ہے جو یہ بتاتا ہے کہ کائنات میں بگ بینگ کا مرکز خلاء کا کوئی مخصوص نکتہ نہیں تھا بلکہ یہ پوری کائنات میں بیک وقت وقوع پذیر ہوا تھا۔ یہ دونوں نقاط پلانک ٹائم (Plank Time) کے بعد کی صورت حال کا جائزہ ممکن بناتی ہیں۔

بگ بینگ تھیوری کے حوالے سے مختلف نظریات مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ کائناتی بیضے کا نظریہ: یہ نظریہ بتاتا ہے کہ کائنات مکان میں محدود ہے سوائے زمان میں بھی محدود ہونا چاہئے۔

۲۔ جھولتی کائنات کا نظریہ: یہ نظریہ کہتا ہے کہ کائنات کچھ عرصے کے لیے پھیلتی ہے پھر واپس ایک نکتہ پر مرکوز ہو جاتی ہے پھر دوبارہ پھیلنا شروع کرتی ہے۔

۳۔ عقبی تابکاری کا نظریہ: جارج گیماؤ نے 1948ء میں بگ بینگ سے جنم لینے والے تابکاری اثرات کا نظریہ پیش کیا۔ اُس کا خیال تھا کہ خلاء میں بگ بینگ کے بعد ایک بازگشت پیدا ہوئی ہوگی۔

۴۔ افراطی کائنات کا نظریہ: یہ تھیوری سب سے جدید ہے جو امریکی سائنسدان Alan Guth نے ۷۰ء کے عشرے میں دی۔ اُس کا خیال تھا کہ کائنات میں بگ بینگ کے بعد درجہ حرارت اس قدر تیزی سے گرا کہ مختلف عوامل کے مکمل ہونے کا وقت نہیں ملا اور یہ تفریق کائنات کے کافی بڑی ہونے کے بعد وجود میں آئی۔ آغاز کی بگ بینگ تھیوری میں کائنات کا سائز ایک انگور کے دانے کے برابر قرار دی جاتی تھی لیکن Guth نے بتایا کہ

Marfat.com

ہائیڈروجن کے نیوکلیس سے بھی ایک ارب گنا چھوٹی ہوگی اور پھر روشنی کی رفتار سے بھی کئی گنا تیزی سے پھیلی ہوگی۔ وقت کا تصور جدید سائنس کے مطابق ایک ایسی شے کا ہے جس نے ہمیں یعنی کائنات کو چاروں جانب سے گھیرا ہوا ہے۔ آئن سٹائن کے حوالے سے ایک روایت سامنے آتی ہے کہ

"آئن سٹائن سے اُس کی موت کے قریب کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے سائنسدان ہیں لیکن آپ بھی موت کا شکار ہو رہے ہیں تو اُس نے تاسف سے جواب دیا ہاں! تمام ذی ارواح کی طرح میں بھی موت کا شکار ہو رہا ہوں۔ صرف ایک صورت تھی کہ میں موت کا شکار نہ ہوتا اگر میں کسی طرح وقت سے باہر نکل جاتا لیکن ایسا ممکن نہیں کیونکہ وقت کا جبر ہمارے چاروں جانب موجود ہے" (۴)

۲۔ آئن سٹائن کا تصورِ وقت:

وقت کے حوالے سے آئن سٹائن کا خیال بھی یہی تھا کہ کائنات میں وقت کا آغاز بگ بینگ کے بڑے دھماکے کے ساتھ ہی ہوا اور اس کا اختتام بھی اسی طرح ایک عظیم دھماکے (بگ کرنچ) پر ہوگا۔

۳۔ سٹیفن ہاکنگ کا تصورِ وقت:

سٹیفن ہاکنگ نے بھی بگ بینگ تھیوری کو ہی وقت کی بنیاد قرار دیا۔ اُس نے اپنی کتاب A Brief History of Time میں کہا:

"کائنات مختصر تھی تو بگ بینگ کا دھماکہ ہوا اور وقت کا آغاز ہوا۔ کائنات کے پھیلاؤ کا تصورِ وقت کی ابتداء کا تصور بھی دیتا ہے۔" (۵)

۴۔ نیوٹن اور تصورِ وقت:

ارسطو اور نیوٹن دونوں وقت کے حتمی تصور پر یقین رکھتے تھے یعنی وقت کو بغیر کسی شک کے درست طور پر ناپا جاسکتا ہے اور یہ اضافی نہیں بلکہ حتمی ہوگا۔ نیوٹن کے قوانین روشنی اور مادے کی حرکات پر قائم تھے لہٰذا اُس کے ہاں وقت کا حتمی تصور قائم ہوا۔ نیوٹن کے خیال میں وقت خطِ مستقیم میں ہر طرف رواں ہے۔ نیوٹن کا خیال تھا کہ مادے کے بغیر بھی وقت قائم رہے گا۔ آج کی جدید

Marfat.com

سائنس وقت کو حتمی نہیں بلکہ اضافی (Relative) تصور کرتی ہے۔

وقت کے حوالے سے ڈاکٹر ناہید قمر اپنی تصنیف میں لکھتی ہیں

"انسان، کائنات اور وقت کی مثلث اسی لمحے وجود میں آ گئی تھی جب انسا
ن کو پہلی بار اپنی فنا کا ادراک ہوا تھا اور اُس نے کائنات میں اپنے مقام
کے تعین کے لیے وقت کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کی۔" (۶)

نیوٹن جدید طبیعات کا بانی تھا اور اُسے بلاشبہ Father of Modern Physics کہا جا سکتا ہے۔ نیوٹن نے وقت کے حتمی تصور کو بنیاد بنا کر کششِ ثقل کا قانون پیش کیا۔ اُس کا کہنا تھا کہ کائنات میں موجود ہر مادی چیز دوسری مادی چیز کو ایک خاص قوت سے اپنی طرف کھینچتی ہے جسے کششِ ثقل کہتے ہیں۔ کھنچاؤ کی اِس قوت کا انحصار دونوں اجسام میں موجود مادے کی مقداروں اور ان اجسام کے درمیان پائی جانے والی کشش بھی اُسی کے مطابق زیادہ ہوگی اور اجسام کے درمیان جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا کشش کی قوت بھی اُسی کے حساب سے کم ہوگی۔ نیوٹن نے اِس تھیوری کے بیان میں یہ بھی کہا کہ چاند کششِ ثقل کے زیرِ اثر مسلسل زمین کی طرف آ رہا ہے لیکن وہ زمین سے کبھی بھی نہیں ٹکراتا اِس کی وجہ اُس نے کھنچاؤ کی قوت (Gravitational Pull) کو قرار دیا۔ نیوٹن نے اس کھنچاؤ کی قوت کو بنیادی طور پر کائنات میں موجود توازن کا بنیادی نکتہ قرار دیا۔ اُس نے اِس قوت کو بغیر کسی واسطے (Mediam) کے اثر انداز ہونے والی ایسی قوت قرار دیا جیسے رسی سے بندھا ہوا جسم ہم دائرے میں گھماتے ہیں نیوٹن کا خیال تھا کہ یہ طویل فاصلوں پر بھی ایسے ہی اثر انداز ہوتی ہے جیسے قریب رکھے ہوئے دو اجسام پر۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وقت کو حتمی تصور کرنے والی یہ مساوات آج بھی رائج ہے اور ٹھیک کام کر رہی ہے۔ راکٹوں، مصنوعی سیاروں اور خلائی مشنز کے مداروں کا حساب لگانے اور قوت کی شرح نکالنے کے لیے یہ کامیابی سے استعمال کی جاتی رہی ہے۔

آئن سٹائن وہ دوسرا اہم سائنسدان تھا جس نے وقت کو اضافی قرار دے کر نیوٹن کے بنیادی نظریہ میں دراڑ ڈالی۔ اس نے کششِ ثقل کے نظریے کو ایک نیا زاویہ اور نئی وضاحت دی۔ وہ روشنی کی رفتار اور ماہیت پر غور کرتے ہوئے جب اِس یقین پر پہنچا کہ کائنات میں کوئی بھی چیز روشنی سے تیز سفر نہیں کر سکتی تب اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر سورج (ہمارے نظامِ شمسی کی مرکزی قوت) مکمل طور پر ختم ہو جائے تو کیا ہوگا؟ اپنے اِس ذہنی سفر میں اُس نے اس کا جواب

Marfat.com

جاننے کی کوشش کی۔ نیوٹن کے مطابق اگر سورج ختم ہو جائے تو سورج کی کشش جو نظام شمسی میں سیاروں کو مدار میں گھومنے کی وجہ ہے، بھی ختم ہو جائے گی اور سورج کے گرد گردش کرنے والے سیارے فوراً اپنے مداروں سے نکل کر خطِ مستقیم پر سفر کرنے لگیں گے۔ یہاں نیوٹن کے نظریے کے ساتھ ایک مسئلہ پیدا ہوا۔ مسئلہ یہ تھا کہ روشنی کو سورج سے زمین تک پہنچنے میں آٹھ منٹ لگتے ہیں تو سورج کے ختم ہوتے ہی زمین اپنا مدار چھوڑنے کے آٹھ منٹ بعد تک روشن ہی رہے گی۔ آئن سٹائن نے کہا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ تجرباتی سطح پر وہ یہ نتیجہ نکال چکا تھا کہ کائنات میں موجود کوئی بھی شے روشنی کی رفتار سے زیادہ تیز رفتار نہیں ہوسکتی حتیٰ کہ کششِ ثقل بھی اِس سے تیز رفتار نہیں تو پھر زمین سورج کے ختم ہو جانے کے بعد بھی آٹھ منٹ تک اپنے مدار میں قائم رہے گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورج کے ختم ہو جانے سے کشش کا نظام بھی ختم ہو گیا تو پھر وہ کون سی قوت ہے جو زمین کو آٹھ منٹ تک مدار میں قائم رکھے گی۔ یہاں آئن سٹائن وقت کے اضافی (Relative) ہونے کے نظریہ ہونے پر پہنچ گیا۔ اس ذہنی سفر سے وہ اِس نتیجے پر بھی پہنچا کہ کششِ ثقل نامی کوئی شے موجود نہیں۔ اصل میں اِس معاملے کا تعلق سپیس ٹائم (Space Time) کے ساتھ ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم آئن سٹائن کے وقت کے متعلق اِس نظریے کو سمجھیں پہلے یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ آئن سٹائن نے سپیس ٹائم کی اصطلاح کیوں اور کس کے لیے استعمال کی۔ اسپیس ٹائم (Space Time) کے اِس نسبتاً پیچیدہ تصور کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پر غور کرتے ہیں۔ فرض کریں ہمارے اردگرد موجود تمام چیزیں غائب ہو جائیں یعنی عمارتوں، پہاڑوں، درختوں سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی اشیاء تک اگر کسی عمل سے غائب کردی جائیں تو پھر پیچھے کیا بچے گا؟ ایسی صورت میں پیچھے بچ جانے والا مواد خلاء یا Space کہلائے گا۔ اگر ہم سپیس یا خلاء کو سادہ زبان میں بیان کریں تو سپیس یا خلاء وہ گنجائش ہے جس میں تمام مادی اجسام موجود ہیں اور انہیں آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے حرکت کرنے کے لیے جگہ میسر ہوتی ہے۔ نیوٹن خلاء (Space) کو غیر متغیر اور غیر عامل مانتا تھا جبکہ آئن سٹائن کے خیال میں خلاء غیر متغیر اور غیر عامل نہیں ہے۔ بلکہ یہ کائنات میں رونما ہونے والے عوامل میں حصہ لیتی ہے۔ خلاء پھیل اور سکڑ سکتی ہے بل کھا سکتی ہے اور لچک بھی اِس کی خصوصیات میں شامل ہو سکتی ہے۔ آئن سٹائن نے وقت کے متعلق بھی ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ اُس نے کہا کہ خلاء کی طرح وقت بھی مستقل اور غیر متغیر نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی پھیل اور سکڑ سکتا ہے۔ کائنات کے مختلف منطقوں میں وقت کی رفتار

Marfat.com

بھی مختلف ہوسکتی ہے۔اُس نے وقت کو اضافی (Relative) قرار دیا۔اُس نے خلاء اور وقت کے غیر متغیر اور غیر مستقل (اضافی) ہونے کو ایک نئی اصطلاح سپیس ٹائم (Space Time) کا نام دیا۔آئن سٹائن کے مطابق تمام مادی اجسام سپیس ٹائم پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس میں خم پیدا کردیتے ہیں۔مادی جسم جس قدر بڑا ہوگا اُسی قدر زیادہ خم ڈالے گا اور جتنا ہلکا ہوگا اُس کا خم بھی اُسی لحاظ سے کم ہوگا۔یوں سمجھیں کہ مادی اجسام اپنے مادے کی مقدار کے لحاظ سے سپیس ٹائم میں ایک گڑھا بنادیتے ہیں اور اردگرد کے چھوٹے اجسام اِس گڑھے میں گرنے لگتے ہیں اور ایسا سمجھا جاتا ہے کہ بڑے اجسام کی کشش چھوٹے اجسام کو اپنی جانب کھینچ رہی ہے یعنی سیب درخت سے ٹوٹ کر اس لیے زمین کیطرف نہیں گرتا کہ اُسے زمین کی کشش اپنی جانب کھینچتی ہے بلکہ زمین کے گرد موجود سپیس ٹائم کا خم اُسے زمین کی جانب دھکیلتا ہے۔آئن سٹائن نے اپنے نظریے سے یہ بھی بتا دیا کہ کتنا بڑا خم سپیس ٹائم میں کتنا بڑا گڑھا ڈالے گا۔سپیس ٹائم یعنی وقت اور خلا کے اس نظریے کو بعد میں دو مختلف تجربات کے ذریعے سائنسی طور پر ثابت بھی کیا گیا۔1976ء میں دو ایٹمی گھڑیوں کے ذریعے پہلا تجربہ کیا گیا۔اِس تجربے کو گریویٹی پروب اے(Gravity Prob A) کا نام دیا گیا۔اِس تجربے میں ایک ایٹمی گھڑی کو زمین پر رکھا گیا اور دوسری کو خلاء میں بھیجا گیا۔کچھ وقت کے بعد زمین والی گھڑی اور خلاء کی گھڑی کا موزانہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ زمین کے نزدیک موجود گھڑی کا وقت خلاء میں موجود گھڑی کی نسبت سُست تھا یعنی دونوں مقامات پر وقت کی رفتار میں فرق تھا۔

دوسرا تجربہ 2004ء میں گریویٹی پروب بی (Gravity Prob B) کے نام سے کیا گیا اس میں ایک مصنوعی سیارہ خلاء میں بھیجا گیا اور اِس میں موجود آلات کی مدد سے ایسی پیمائشیں کی گئیں جس سے یہ ثابت ہوا کہ زمین اپنے گرد موجود سپیس ٹائم میں خم ڈال رہی ہے۔ان تجربات سے حاصل شدہ نتائج آئن سٹائن کی مساواتوں سے حاصل کردہ نتائج سے بالکل ہم آہنگ تھے لیکن بنیادی سوال کا جواب آئن سٹائن کے پاس بھی نہیں تھا کہ

مادی اشیاء میں ایسا کیا ہے جو سپیس ٹائم کو موڑ دیتا ہے؟

آئن سٹائن کے اِس نظریے نے بلیک ہول (Black Hole) کے تصور کو بھی زندگی دی۔ بلیک ہول یا سیاہ گڑھا ایک مردہ ستارہ ہوتا ہے جو اپنی ہی کشش کی وجہ سے ایک نکتے پر سکڑ جاتا ہے اور اِس کا حجم کم ہونے سے اِس کی کشش ہزار ہا گنا طاقت ور ہوجاتی ہے کہ یہ سپیس ٹائم اور روشنی کو

Marfat.com

بھی اپنے اندر گھسیٹ سکتا ہے۔ بلیک ہول کے نزدیک جانے والی تمام اشیاء اس میں دفن ہو جاتی ہیں۔ بلیک ہول کی بے پناہ کشش اور انتہائی کم حجم نے آئن سٹائن کے نظریے پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ آئن سٹائن کے خیال میں بڑے اجسام سپیس ٹائم میں بڑا گڑھا بناتے ہیں جبکہ کم حجم والے بلیک ہول کی کشش زیادہ طاقت ور ہونے کی وجہ سے اس کے مرکز میں وقت صفر ہو جاتا ہے سچ یہ کہ وقت کے اضافی ہونے کے بہت سے تجرباتی ثبوت ہونے کے باوجود ایسی وضاحت ملنی باقی ہے جس کا اطلاق بڑے بڑے اجسام کے ساتھ چھوٹے اجسام مثلاً ایٹم یا اُس سے بھی چھوٹے ذرات پر بھی یکساں طور پر کیا جا سکے۔ موجودہ دور میں گاڈ پارٹیکلز اور گریوٹیان (God Particles /Gravitons) کے نظریات نے کشش ثقل اور وقت کے اضافی ہونے کے نظریے کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ صرف طبیعات کی مدد سے وقت کی ان ماورائی جہات کو سمجھنا ناممکن ہے کہ مابعد الطبیعاتی عوامل یکساں طور پر ہماری کائنات پر عمل پذیر ہو رہے ہیں۔ ان مابعد الطبیعاتی عوامل کو سمجھنے کے لیے ہمیں قرآن کی جانب رجوع کرنا پڑے گا اور اِس کے لیے دل میں عشق رسول ﷺ اور عشق خدا کی شمعیں روشن کرنا پڑیں گی۔ اس حوالے سے شاہ محمد سبطین شاہجہانی کے چند جملے درج کرنے ضروری ہوں گے

> ''یہ بات روزِ روشن کی طرح منور ہے کہ تفہیم قران مجید اور اس کے رموز سمجھنے کی یہ سعادت کما حقہ اُسے ہی حاصل ہوتی ہے جس کے دل میں عشق رسالت مآب ﷺ کی نورانی قندیل روشن و تاباں ہو اور تزکیہ نفس، تصفیہ قلب اور تجلیہ روح کی سعادتوں سے وہ شخص بذریعہ مرشدِ کامل مستفید و مستفیض ہو چکا ہو'' (۷)

وقت کی ان ماورائی جہات کو سمجھنے کے لیے صرف سائنس اور منطق پر بھروسہ کرنا دانشمندی نہیں ہے کہ مذاہب میں روحانی عوامل کا حصہ مادی عوامل سے کم نہیں ہوتا۔ وقت کو کائنات کی چوتھی جہت (Fourth Dimension) سائنس اور منطق نے کہا لیکن قرآن وقت کے حوالے سے بالکل واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔

الشمس و القمر بحسبان

ترجمہ: سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں۔ (۸)

Marfat.com

دوسری جگہ وقت کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ: اُس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے۔

وقت کے حوالے سے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر وقت (زمانہ) کے حوالے سے انسان کو مختلف پیغامات دیے ہیں۔ زمانے کو پروفیسر احمد رفیق اختر نے ایک نئے زاویے سے بیان کیا۔ فرماتے ہیں۔

"میرے نزدیک زمانہ ایک حد بندی ہے جس میں مختلف حادثات و واقعات اِس طرح پابند کیے گئے ہیں کہ آپس میں رگڑ نہ کھائیں۔ اِس وقت زمان و مکاں پر جتنے بھی تھیسز زمین پر موجود ہیں ان میں زمانے کو لامحدود قرار دیا گیا ہے یا لازمان قرار دیا گیا ہے جبکہ مذہبی طور پر زمانہ بھی چیزوں اور وقت کے تعین کے لیے خدا کا ایک آلہ ہے۔ اسکو قطعی لا انتہا نہیں کہا جا سکتا۔"(۹)

مذہبی نقطۂ نظر سے وقت محدود ہے۔ اگر زمین اور کائنات کے تناظر میں وقت کو دیکھا جائے تو یہ محدود ہو جاتا ہے۔ وقت دراصل مختلف اشیاء کی پہچان ہے۔ یہ چیزوں کو چیزوں سے جدا کرنے کا ایک آلہ ہے اسی لیے عربی میں کہا جاتا ہے:

الوقت سیف قاطع (ترجمہ: وقت کاٹتی ہوئی تلوار ہے)

وقت کے ریلیٹو یا اضافی ہونے کا نقطۂ نظر شعراء کے ہاں بھی موجود رہا۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی ایک نظم ملاحظہ کریں۔ وقت کے لمحۂ موجود میں ہوتے ہوئے ماوراء ہونے کا تصور کس خوبصورت انداز میں سامنے آتا ہے۔ نظم ملاحظہ ہو

نظم وقت ٹھہرا ہوا ہے

زماں کی روانی فقط واہمہ ہے
زماں......گول منکوں کا اک ڈھیر جس کو
مری انگلیاں رات دن گن رہی ہیں
جو بے حس پڑا ہے
فقط ایک پل ہے کہ جس کی

Marfat.com

ازل بھی نہیں اور ابد بھی نہیں ہے
مگر دیکھنے والے کہتے ہیں
منکے رواں ہیں
مری انگلیوں سے گزرتے چلے جا رہے ہیں
زماں کی روانی فقط واہمہ ہے
ہر اک شے خود اپنی جگہ پر
حنوطی ہوئی لاش ہے
وقت کی منجمد قاش ہے
وقت ٹھہرا ہوا ہے (۱۰)

نظم وقت کے مسلسل ہونے کا بیان ہے۔ شاعر نے برگساں کے آن واحد (Elan Vital) کے نظریے کو بیان کرتے ہوئے وقت کی رفتار کو لمحہ موجود سے ماوراء کی جانب ایک مسلسل سفر میں بیان کیا ہے۔ مرزا غالب کے ہاں بھی وقت کا یہی فلسفیانہ تصور موجود تھا۔ کہتے ہیں

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد
عالم تمام حلقہ دامِ خیال ہے (غالب)

لیکن شعراء حضرات نے وقت کے مذہبی تصور کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اگر چہ اس کے لیے بہت سا مطالعہ اور فکری گہرائی کی ضرورت ہوتی ہے لہذا ہمیں اس حوالے سے دینی اور ادبی سطح پر کوئی بڑی کوشش نظر نہیں آتی۔ اسی حوالے سے میری ایک نظم "چوتھی دشا" پیش کرتا ہوں جس میں وقت کے مذہبی تصور کو ایک خاص زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی گئی

(نظم) چوتھی دشا

وہ کہ تعداد میں تین تھے، پانچ تھے، سات تھے
کون جانے مگر
ساتھ تھا
ان کے اک پالتو جانور
(دوستوں کی طرح)
کھوج میں تھے وہ سب منبع نور کی

Marfat.com

وقت اپنی حقیقت کسی کو بھی دیتا نہیں
وقت مٹھی سے گرتی ہوئی ریت جیسا عمل بھی نہیں
(ہے ازل سے ابد کو ملانے کا اک راستہ)
وقت کتنی دشاؤں میں پھیلا ہوا
کون جانے مگر
وقت کی ایک چوتھی دشا بھی تو ہے
منبع نور کی کھوج میں غار کے پتھروں پہ تھے وہ سجدہ زن
تین سو سال تک
جانے کتنے زمانوں میں بہتے رہے
وقت رکتا نہیں
ہاں! مگر دوستوں کے لیے رک ہی جاتا ہے وہ
اپنی آغوش میں لے لیا
وقت نے آگے بڑھ کے انہیں
وہ جو تعداد میں تین تھے' پانچ تھے' سات تھے
کون جانے مگر
وقت کی ایسی چوتھی دشا کو چلے
جس کے آگے فقط
منبع نور تھا (۱۱)

وقت کی حقیقت کا تعلق بنیادی طور پر اُس بڑی حقیقت سے ہے جس کی تلاش ہمیشہ سے انسان کا مقصد رہی ہے۔ فلسفہ اور دوسرے علوم کی مدد سے انسان اُس حسنِ ازلی کو پانے کا خواں رہا ہے جو موجود ہوتے ہوئے بھی ماوراء سے جاملتا ہے۔ قرآن و حدیث میں وقت کے مختلف تصورات کے حوالے سے اشارے ملتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

والعصر ان الانسانَ لفی خُسر

ترجمہ: قسم ہے زمانے کی بے شک انسان نقصان میں ہے۔ (۱۲)

Marfat.com

زمانے سے مراد یہاں وقت ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہاں عصر (شام کا وقت) مراد ہے۔ دونوں صورتوں میں وقت کی مدت یا وقت کے ایک دورانیہ کو ہی مراد لیا گیا ہے۔ تاہم زیادہ قرین از قیاس یہ ہے کہ زمانہ مراد لیا گیا ہوگا۔ وقت ازل و ابد سے بے نیاز ہمیشہ سے موجود اور ہمیشہ رہنے والی شے نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں ارشا ہوتا ہے۔

لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ (شوریٰ۔ آیت ۱۱)

ترجمہ: کوئی شے (کائنات میں) اس سے مشابہ نہیں۔ (۱۳)

ایک حدیث قدسی ہے:

ترجمہ: زمانے کو برا مت کہو بے شک زمانہ میں خود ہوں (۱۴)

ایک حدیث اسی حوالے سے ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ: آدم کا بیٹا زمانے کو برا کہتا ہے اور زمانے کا مالک تو میں ہوں۔ رات اور دن میرے ہاتھ میں ہیں۔ (۱۵)

اسلام اور قرآن و حدیث کی تعلیمات میں وقت کی باگ ڈور اُس رب ذوالجلال کے ہاتھ میں ہے جو اس ساری کائنات کو بنانے والا ہے۔ وہ خود کو زمانہ (وقت) بھی کہتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وقت اُس کی تخلیق ہے۔ وقت کے پیمانے اُس نے مختلف مقامات کے لیے مختلف رکھے

قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے سب آسمانوں اور زمینوں کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش قائم ہوا۔ (۱۶)

اصحاب کہف کے حوالے سے بھی سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

ترجمہ: اور اصحاب کہف اپنے غار میں نو اوپر تین سو سال رہے۔ (۱۷)

اصحاب کہف کا واقعہ جو قرآن پاک کی سورۃ الکہف کی آیات ۱ تا ۲۵ میں بیان کیا گیا ہے۔ جس میں وقت کی رفتار اور کائنات کے کسی نئے منطقے میں اللہ کے حکم سے اصحاب کہف کے داخل ہونے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اصحاب کہف کا اللہ کے حکم سے تین سو سالوں تک سوئے رہنا اور اٹھنے پر اُن کے احساسات کا صرف چند گھنٹے نیند کرنے والوں جیسا ہونا وقت کی اسی نئی جہت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

قرآن پاک کے مطابق وقت کی ماورائی جہات کا دوسرا اور اہم ترین تصور ہمیں حضرت محمد

Marfat.com

ﷺ کی معراج سے حاصل ہوتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کا آغاز انہی آیات سے ہوتا ہے جس میں آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کو رات کے چھوٹے سے حصے میں مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کی سیر کے لیے لے جایا گیا۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے:

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا مِن المسجد الحرام

اِلی المسجد الاقصا الذی بٰرکنا حولہٗ لنریہٗ من اٰیٰتنا ط

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی جس کے آس پاس ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کے کچھ نمونے دکھائیں۔ (۱۸)

مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک پرانے زمانے کے مطابق مسافت ۴۰ دن کی تھی۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جب مکہ میں معراج سے واپس آکر اِس کی خبر لوگوں کو دی تو کفار نے استہزاء کیا لیکن ایمان والے مسلمانوں نے اِس پر یقین بھی کیا اور کفار کو اُن کے استہزاء کا جواب بھی دیا۔ اسلامی تاریخ میں اپنی نوعیت کے اس انوکھے اور شاندار واقعے کی تفصیلات کا درست صورت میں ملنا ذرا مشکل ہو گیا کہ واقعات میں رطب و یابس اور افراط و تفریط بھی شامل ہو گئی۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''واقعۂ معراج ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور اِس میں اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ بھی عظیم تر ہے لیکن عجیب بات ہے کہ ابھی تک اس معجزۂ عظیم کی مستند تفصیلات کسی ایک جگہ نہیں ملتیں.......... علاوہ ازیں اس معجزے کی بابت لوگ افراط و تفریط کا شکار بھی ہیں'' (۱۹)

واقعۂ معراج کے حوالے سے مستند احادیث میں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے بتائے گئے واقعات کی ترتیب کچھ یوں ہو گئی۔

(۱) معراج نبی اکرم ﷺ کو خواب یا روحانی مشاہدہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپؐ کو جسمانی طور پر آسمانوں کی سیر کروائی گئی اور مشاہدات حق سے سرفراز کیا گیا

Marfat.com

(۲) معراج کے دو حصے ہیں اسریٰ اور معراج لیکن عام طور پر دونوں حصوں کو اجتماعی طور پر معراج ہی کہا جاتا ہے۔ پہلے حصے میں آپؐ کا مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کا سفر اور دوسرے حصے میں بیت المقدس سے آسمانوں کا سفر۔

(۳) معراج سے واپسی پر جب آپؐ نے معراج پر جانے کے بارے میں مکہ والوں کو خبر کی تو آپؐ کا استہزاء کیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کی سچائی کو تسلیم کیا اور بارگاہ نبوی سے صدیق کا لقب حاصل کیا۔

(۴) معراج نبیؐ کا واقعہ صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل چار مقامات پر تفصیلی طور پر بیان ہوا ہے

(الف) کتاب الصلوۃ، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء (حدیث: ۳۴۹)

(ب) کتاب بدء الخلق، بات ذکر الملائکہ (حدیث: ۳۲۰۷)

(ج) کتاب مناقب الانصار، بات المعراج (حدیث: ۳۸۸۷)

(د) کتاب التوحید، باب ماجاء فی قولہ عز وجل (حدیث: ۷۵۱۵)

کچھ دیگر مقامات پر اس کی جزئیات بھی بیان ہوئی ہیں:

(الف) کتاب مناقب الانصار، باب حدیث الاسراء (حدیث: ۳۸۸۶)

(ب) کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ (حدیث: ۳۳۹۴ تا ۳۳۹۶)

(ج) کتاب التفسیر، باب اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام (حدیث: ۴۷۰۹ تا ۴۷۱۰)

(د) تفسیر سورۃ النجم (حدیث: ۴۸۵۵ تا ۴۸۵۸)

(ر) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باالاسراء برسول اللہ (۲۰)

(۶) صحیح بخاری میں معراج شریف کی تفصیلات اُس روایت سے لی گئی ہیں جو حضرت انس بن مالکؓ، مالک بن صعصعہؓ سے بیان کرتے ہیں

(۷) آپؐ حطیم میں استراحت فرما رہے تھے کہ ایک آنے والا (فرشتہ) آپؐ کے پاس آیا اور آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا۔ دل باہر نکالا اور سونے کی طشت میں لائے ہوئے ایمان اور حکمت سے دل کو دھویا گیا اور پھر سفید جانور (براق) لایا گیا۔ وہ تیز رفتار جانور تھا۔ آپؐ کو اس پر سوار کروایا گیا اور جبرائیلؑ ساتھ چلے یہاں تک کہ پہلے آسمان پر پہنچے۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے خوش آمدید کہا۔

(۸) پھر دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی خوش

Marfat.com

آمدید کہا۔

(۹) تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ سے ملاقات ہوئی۔

(۱۰) چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی۔

(۱۱) پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ تشریف فرما تھے۔انہوں نے بھی پیغمبر آخرالزماں کو خوش آمدید کہا۔

(۱۲) چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔

(۱۳) ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی۔

(۱۴) آپ کو پھر سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اٹھایا گیا۔یہ ایک درخت ہے جس کا پھل (بیر) عجز شہر کے مٹکوں جیسا تھا اور پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے۔

(۱۵) وہاں آپؐ نے چار نہروں کا مشاہدہ کیا۔دو نہریں جنت کے اندر اور دو جنت سے باہر تھیں۔ آپؐ سے جبرئیلؑ نے فرمایا۔ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں جبکہ باطنی نہریں جنت کی نہریں ہیں۔

(۱۶) پھر آپؐ کے لیے المعمور بلند کیا گیا۔پھر تین برتن لائے گئے۔ایک میں شراب دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد تھا۔آپؐ نے دودھ منتخب کیا۔حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا" یہ وہ فطرت ہے جس پر آپؐ اور آپ کی امت ہے۔"

(۱۷) پھر آپ کو پانچ نمازوں کا تحفہ بارگاہ رب کائنات کی جانب سے ملا۔

وقت کے مذہبی تصور کو شعراء نے واقعۂ معراج کے تصور میں دیکھا لیکن زیادہ تر شعراء کے ہاں یہ روایت سے جڑا ہوا اندازِ نظر ہی سامنے آیا البتہ اقبالؔ اِس میں ایک استثناء کے ساتھ سامنے آتے ہیں

ڈاکٹر عالم خوندمیری اپنے مضمون ''زمانہ.....اقبال کے شاعرانہ عرفان کے آئینے میں'' میں لکھتے ہیں:

''اقبال کا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے ایک حرکت پذیر کائنات میں انسانی موقف کو متعین کرنے کی کوشش کی۔کائنات اگر تغیر پذیر ہے تو پھر انسانی تقدیر کو بھی تغیر پذیر ہونا چاہیے۔انسانی تاریخ کی کوئی بھی منزل آخری اور قطعی نہیں ہوسکتی دوسرے الفاظ میں انسان تبدیلی کے قابل ہے.....

Marfat.com

تاریخ کی سطح پر ارادہ اور زمانہ یا وقت قریبی تعلق رکھتے ہیں"(۲۱)

اقبال کے ہاں واقعہ معراج سے انسانی عظمت اور تحرک کا فلسفہ سامنے آتا ہے۔ وہ واقعہ معراج کے تناظر میں وقت کی ماہیت پر بحث کرتے ہیں اور وقت کو کائنات میں انسان کے آگے بڑھنے اور کائنات کے شکست وریخت کے تناظر میں ایک آلے کے طور پر دیکھتے ہیں

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اقبال کے ہاں نعت نگاری سے ہٹ کر بھی مختلف مقامات پر وقت کے فلسفیانہ تصور کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساقی نامہ کے یہ اشعار دیکھیے:

فریب نظر ہے سکون و ثبات — تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہر تا نہیں کاروانِ وجود — کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی — فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے — دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے(۲۲)

اقبال کے ہاں بھی زمان ومکان کا تصور اضافی اور غیر مستقل اور اعتباری ہونے کا ہے ۔اقبال نے اِس تصور کو قرآن سے ہی حاصل کیا ہے قرآن نے زمان(Time) کو اعتباری یعنی اضافی قرار دیا ہے۔ اِس کی دو مثالیں سامنے کی ہیں

(۱) محشر میں ہزاروں، لاکھوں برس پہلے مرے ہوئے لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے جب پوچھا جائے گا کہ تم کو دنیا سے گئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا تو وہ اُس کو مدت ایک آدھ دن ہی بتائیں گے۔

(۲) زمان کے اعتباری (اضافی) ہونے کا ایک اور ثبوت یہ بھی قرآن سے ملتا ہے کہ قرآن میں فرمایا گیا کہ خدا کا ایک دن تمہارے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔

اقبال کے تصورِ وقت کے اہم نکات یہ ہیں

(الف) زمان (Time) ایک تخلیقی قوت ہے

(ب) زمان (Time) ایک ارتقائی قوت ہے

(ج) زمان(Time) پر قابو پا کر ہی زندگی کے ممکنات کو نمایاں کیا جا سکتا ہے

(د) زمان کی دو شکلیں ہیں پہلی شکل زمانِ حقیقی ہے جو لمحوں کا مرکب ہے اور اس میں تسلسل بھی نہیں ہے جبکہ دوسری شکل زمانِ مسلسل ہے جو مختلف اکائیوں (لمحات) کا مرکب ہوتا ہے۔

Marfat.com

اقبال کے ہاں زمانِ حقیقی کا بیان جگہ جگہ ہوا ہے:

خرد ہوئی ہے زمان ومکان کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لاالہ الا اللہ

اقبال نے زمانِ حقیقی کو تقدیر کے متبادل سمجھا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی اِس وقت کو وحدت اور کلیت قرار دے کر تقدیر ہی کہا ہے۔

وقت کی اِس زمانی حقیقت کو معراج کے تناظر میں مختلف نعت گو شعراء نے لفظوں کی شکل دی ہے۔

اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی رقمطراز ہیں:

"اقبال جیسا ہمہ جہتی اور کثیر الابعادی شاعر ہماری زبان میں کوئی اور نہیں۔ اس سے اقبال کے ناقدوں کی مشکلات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اقبال پر تنقید کا حق وہی ادا کر سکتے ہیں جو ایک طرف شعر کے ہنر اور فن کے نکات آشنا ہوں دوسری طرف وہ قرآن وحدیث اور اسلامی علوم پر نظر رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ فکر مغرب اور عصری مسائل کے منظر اور پس منظر کی تاب لا سکتے ہوں۔" (۲۳)

اقبال کے ہاں زندگی کا حرکی تصور ملتا ہے جو اسلام کے انقلابی اور حرکی مزاج سے ہی اخذ کیا گیا ہے۔ اُن کے ہاں وقت کا تصور زمانی ومکانی بھی ہے اور ماورائے زمان ومکان بھی وہ وقت کو کائناتی تفہیم کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اصغر گونڈوی فرماتے ہیں:

عالمِ ناسوت میں اور عالمِ لاہوت میں
کوندتی ہے ہر طرف برقِ جمالِ مصطفیٰؐ

عالمِ لاہوت سے مراد وقت کی وہی زمانی حقیقت ہے جہاں وقت ٹھہر جاتا ہے یا وقت (Time) کی قیمت صفر ہو جاتی ہے۔ شبِ معراج نبی اکرم کا آسمانوں پر جانا اور جنت وجہنم کا مشاہدہ وقت کے مختصر وقفے میں ہونا وقت کی اِسی مطلق قیمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

میں نے اس عرضداشت میں یہی کوشش کی ہے کہ ان اشعار کا انتخاب کروں جس میں واقعۂ معراج میں وقت کی زمانِ حقیقی (Absolute Time) کی طرف شعراء نے اشارہ کیا ہو اور ایسے

Marfat.com

اشعار کو جن میں روایتی اندازِ فکر شامل ہو انہیں منتخب نہ کیا جائے کہ میرے موضوع کا تقاضا وقت کی ماورائی جہات کے عمل کو سمجھنا اور سمجھانا ہے۔

مولانا ظفر علی خان تحریک پاکستان کے مجاہد اور بے باک صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے عاشقِ رسول بھی تھے۔ اُن کی محبت سے لکھی گئی نعتوں نے برصغیر پاک و ہند میں بہت شہرت حاصل کی۔ فرماتے ہیں:

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ایمان کی روشنی میں قرآن سے رہنمائی حاصل کر کے نعت کہنے والے اِس مجاہد نے واقعۂ معراج کو کس انداز میں دیکھا:

جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر
اُس کی حقیقتوں کے شناسا تمہیؐ تو ہو

وہ مقام جہاں سے آگے جانا مقرب فرشتہ جبرائیلؑ کے لیے بھی ممکن نہ تھا نبی اکرمؐ اُس سے آگے کی کیفیات کے بھی شاہد ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات بھی فرمائی۔

امام احمد رضا خان شبِ معراج کے حوالے سے رسول اللہؐ کی شان بیان کرتے ہوئے لاشعوری سطح پر وقت کی مختلف عددی قیمت کے لحاظ سے عرش اور فرش کے درمیان تقابل بھی فرما گئے۔ بنیادی طور پر اِس تقابل کا مقصد معراج کے واقعہ سے رسول اللہؐ کی شان کا بیان ہے تاہم بادی النظر میں وقت کی زمانی حقیقت کی جانب بھی اشارہ کر گئے۔ فرماتے ہیں

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا! عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

قرآن پاک میں سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: پھر وہ قریب ہوا اور اتر آیا، پس وہ دو کمانوں کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا۔ پس اُس نے اپنے بندے یا اُس کی طرف وحی کی جو وحی کی، دل نے اسے جھوٹ نہیں کہا جو پیغمبر نے دیکھا، کیا تم جھگڑا کرتے ہو اُس پر جو وہ دیکھتا ہے اور اُس نے ایک مرتبہ اور اترتے ہوئے دیکھا تھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اُس کے پاس جنت الماویٰ ہے

Marfat.com

جبکہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو چھارہی تھی، نہ تو نگاہ بھکی نہ حد سے
بڑھی، یقیناً اُس نے اپنے رب کی بعض بڑی نشانیاں دیکھیں۔(۲۴)

قرآن کریم کی آیات میں سرورِ کائناتؐ کے معراج کے دوران اللہ تعالیٰ سے قربت کا بیان ہوا ہے۔ قاب قوسین سے معروف ان آیات کی تشریح و تفسیر دو مختلف انداز میں کی جاتی رہی ہے۔ علماء کی ایک جماعت قاب قوسین سے مراد حضرت محمدؐ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیتی ہے جبکہ ایک اور گروہ کا خیال اِس سے مختلف ہے۔ ان کی رائے ہے کہ قاب قوسین (دو کمانوں کا فاصلہ) سے مراد حضرت محمدؐ اور جبرائیلؑ کی ذات ہے۔ اُس کی دلیل میں وہ کہتے ہیں کہ وحی کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حضرت محمدؐ سے دو کمانوں کے فاصلے پر نہیں آئی۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن وحی کی جگہ کلام کا لفظ استعمال کرتا۔

انہی آیات کے حوالے سے ہمارے شعراء کرام نے بھی نعتیہ اشعار کہے ہیں مرزا دبیر کی ایک رباعی اِسی موضوع سے متعلق ہے:

معراجِ نبیؐ میں جائے تشکیک نہیں
ہے نور کا تڑکا شب تاریک نہیں
قوسین کے قرب سے یہ صادق ہے دبیر
اتنا کوئی اللہ کے نزدیک نہیں (مرزا دبیر)

مرثیہ کے مشہور شاعر میر انیس کے ہاں بھی قاب قوسین کی آیات کے حوالے سے اظہارِ خیال ملتا ہے۔ نعتیہ بند دیکھیے:

معراج سے اُس کو جو ملا رتبۂ اعلیٰ — یہ رتبہ کسی اور پیمبر نے نہ پایا
اللہ سے جو قربِ محمد تھا کہوں کیا — قوسین کا ہے فرق جہاں رتبہ اولا
جبرئیل امیں کو بھی نہ واں دخل کی جا ہے — یا احمد مختار ہے یا ذات خدا ہے (میر انیس)

دونوں نعتیہ اظہار میں دبیر اور انیس کے ہاں قاب قوسین کے حوالے سے اللہ سے ملاقات اور معراج کے حوالے سے شان رسول کا بیان ہے۔ دونوں مذکورہ اشعار میں وقت کی ماہیت کو سمجھنے یا کم از کم فکری سطح پر واقعہ معراج کو سمجھنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ روایت سے جڑے ہوئے ان نعتیہ اشعار میں واقعہ معراج کو معنوی سطح پر سمجھنے کا عمل نظر نہیں آتا۔ شان رسولؐ کے بیان اور لفظوں کی عمدہ درو بست کے باعث انہیں عمدہ نعتیہ اشعار قرار دیا جا سکتا ہے تاہم یہ آفاقی یا عظیم شاعری نہیں

Marfat.com

کہ فکر نے روایت سے علیحدہ اپنا کوئی معنوی نظام ترتیب نہیں دیا۔ اِس کے مقابلے میں تجمل حسین اختر کا اِسی موضوع پر یہ خوبصورت شعر دیکھیں:

کھلا طلسمِ زمان و مکاں شبِ معراج
ہزار صدیوں کی گردش سے ایک رات بنی (تجمل حسین اختر)

اسی موضوع پر سید نصرت زیدی کا زندہ رہنے والا شعر ملاحظہ کریں:

آئینۂ حیراں کی طرح وقت کی رفتار
اے صاحب معراج خرد مُہر بہ لب ہے (سید نصرت زیدی)

مذکورہ بالا دونوں اشعار میں وقت کی رفتار کے حوالے سے فکری سطح پر ایک حیرانی کا اظہار کیا گیا ہے۔ شانِ رسولؐ کے بیان میں اللہ کی قدرت سے وقت کی رفتار کا کم ہونا شاعر کا اس محیر العقول واقعے پر حیرانی کا اظہار بھی دراصل اِس واقعے کی روحانی سطح سے نیچے آ کر منطقی استدلال کے ساتھ سمجھنا اِن دونوں اشعار کی بنیاد ہے۔

غور کیا جائے تو اوپر دیے گئے اشعار سے شعراء کی فکری اُپج کے ساتھ ساتھ فنی گرفت بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ دونوں اشعار میں لفظوں کا خاص دروبست معنوی سطح پر ایک نئے منظر نامے کا راستہ کھول رہا ہے۔

وقت کا تصور انسانی اذہان میں پائیداری اور ستقلال کے حوالے سے رہا ہے لیکن بعض شعرائے کرام نے اِس کی اضافیت (Relativity) کو فکری سطح پر ادبی حوالوں سے جانچنے کی بھی کوشش کی ہے۔ نعت کا یہ خوبصورت شعر وقت کی اِسی جہت کی تصویر کاری کر رہا ہے۔

میں روشنی کے ساتھ حرم کے سفر پہ تھا
ان کی کشش میں وقت سے آگے نکل گیا (۲۵)

سرشار صدیقی نے ادبی اظہار کو اپنے فن کا حصہ بنانے کے ساتھ ساتھ وقت کی اِس ماورائی کیفیت کو نظم کرنے کی بھی کوشش کی جو لمحوں میں صدیوں کے رنگ سمیٹ دیا کرتی ہے۔ اِس ماورائی کیفیت کا تعلق سائنس اور منطق کے بجائے روحانیت اور انسانی نفسیات کے ساتھ ہے۔ وقت کا روحانی تصور منطق سے جُدا ایک نئے فکری منطقے کی تشکیل کرتا ہے جہاں عقیدت راستوں کی رہنما بن جاتی ہے لیکن یہ کیفیات ہر ایک کے نصیب میں کہاں ہوتی ہیں۔

دوسرے مقام پر وقت کی رفتار کو جذبۂ شوق سے یوں مہمیز دیتے ہیں۔

Marfat.com

یوں سفر ہو تو پھر اسبابِ سفر کیا معنی؟
ابھی سوچا ہی تھا میں نے کہ مدینہ آیا (۲۶)

وقت کی رفتار کا یہ حوالہ تو انفرادی تھا لہذا اِس کیفیت میں انفرادی رنگ نمایاں ہے لیکن جب حوالہ حضرت محمد ﷺ کی معراج سے متعلق ہو تو اُن کا قلم بھی بلندی پر نظر آتا ہے

بس ایک لمحۂ شب میں یہ راز ہوگیا فاش
کہ وقت کیا ہے، مکاں کیا ہے، لامکاں کیا ہے (۲۷)

وقت کی تفہیم کا یہ مرحلہ جس میں مکاں سے لامکاں تک کا فاصلہ لمحہ موجود سے ناموجود کے درمیان فاصلے کی طرح چشم زدن میں طے ہو جائے۔ سرشار صاحب کا خاصہ ہے۔ بیان میں ندرت اور اظہار میں سلیقے نے اُن کے اشعار کو ادبی سطح پر اعلیٰ تخلیقات کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ وقت اور کائنات کے حوالے سے یہ نعتیہ شعر دیکھیں

دھڑک رہا ہے دلِ کائنات کی صورت
وہ رازِ کن جو ابھی وقت کے ضمیر میں ہے (۲۸)

صہبا اختر کی ایک نعتیہ نظم "نور کی پرچھائیاں" نعت میں وقت کی رفتار اور ان ماورائی کیفیات کو سمجھنے کی کوشش ہے جن پر واقعہ معراج کی بنیاد ہے۔

نظم

نور کی پرچھائیاں

ایک دشتِ بیکراں سے آسماں
اور دشتِ بیکراں میں صورتِ ماہ و نجوم و کہکشاں
جا رہے ہیں رات کے یہ بادپا گھوڑے کہاں
ان کے سر پر کیوں تنے ہیں بجلیوں کے سائباں
کیسے گھوڑے ہیں کہ جن کو پر لگے ہیں بے گماں
اور یہ گھوڑے پرندے ہیں اگر تو اے سمائے بیکراں
کن خلائی شاخساروں میں ہیں ان کے آشیاں
اک ستارے نے کہا یہ ناگہاں
جو براقِ سیدُالافلاک تھا
سب اسی کا عکسِ ضو ہیں

Marfat.com

سب اُسی کے نور کی پرچھائیاں (۲۹)

نظم کی غنائیت اور لفظوں کا دروبست شاعر کی قادرالکلامی کی گواہ ہے لیکن نظم کی اصل خوبصورتی 'فطرت کا مضبوط حوالہ ہے۔ وقت کے حوالے سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی معراج کی رات آسمانی سواری براق کی رفتار کے حوالے سے کائناتی مظاہر کو شانِ مصطفیٰ ﷺ کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش صہبا کی اس نظم کی بنیاد ہے

اک ستارے نے کہا یہ ناگہاں
جو براقِ سیدُ الافلاک تھا
سب اسی کا عکسِ ضو ہیں

نعتیہ نظم میں براق کی رفتار کو نور کا عکس قرار دے کر فطرت کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کی کوشش ہے۔

شعراء کے ہاں فکری سطح پر موضوع پر گرفت تو موجود ہوتی ہے تاہم جب وہ اپنی فکر کو شعر کی صورت میں ڈھالتے ہیں تو لفظوں کا چناؤ درست نہ ہونے کے باعث شعر اپنا پورا تاثر نہیں دے پاتا بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ باقاعدہ خراب تاثر پیش کرتا ہے۔ نعت میں یہ صورت حال اور زیادہ تکلیف دہ بن جاتی ہے کہ ہمارے لفظوں نے آقائے نامدار حضرت محمدؐ کی تعریف و توصیف بیان کرنی ہوتی ہے اور کوئی ایک غلط لفظ یا غلط ترکیب شعر میں منفی تغیرات پیدا کر دیتے ہیں۔

شاہدہ حسن کا ایک نعتیہ شعر اِسی موضوع سے متعلق ہے تاہم صرف ایک لفظ نے شعر کے ساختیاتی تاثر کو جتنا نقصان پہنچایا شاید اِس کا اندازہ خود شاعرہ کو بھی نہ تھا۔ شعر دیکھیے:

لکھ سکا کون سرِ عرش ملاقات کا حال
شبِ معراج خدا اپنے ہی دلبر سے ملا

لفظ " دلبر " اپنی تاثیر اور بناوٹ دونوں کے لحاظ سے عوامی بلکہ عامیانہ صورت اختیار کر چکا ہے۔ کسی حد تک اِس لفظ میں تیسرے درجے کی فلمی یا عوامی شاعری کے سارے منفی رنگ جھانکتے نظر آتے ہیں۔ شاید دوسرے لوگ اِس خیال سے اتفاق نہ کریں تاہم بعض اوقات صرف ایک لفظ یا بعض صورتوں میں صرف ایک اضافت بھی شعر کے ظاہری حُسن کو برباد کر دیتی ہے اور نعت کے معاملے میں تو شاعر یا شاعرہ کو اور بھی زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے

بالکل اِسی طرح محمود الحسن صاحب کا ایک شعر ہے:

Marfat.com

ان کی تو جبرئیل کو بھی کچھ خبر نہیں
پہنچے جہاں جہاں ہیں نشانے حضورؐ کے

نشانے کا لفظ پورے شعر کے توازن میں ایک بڑے بگاڑ کا پیش خیمہ بن گیا اور سچ پوچھیں تو لفظ ''نشانے'' معنوی سطح پر بھی شعر میں ایک بڑے سقم کی جانب اشارہ کر رہا ہے اِس لفظ سے جنگ وجدل کا تاثر ابھرتا ہے جو اسلام کے بنیادی نظریے کے خلاف ہے۔ دوسرے پہلو سے غور کریں تو حضرت محمدؐ اللہ کے حکم سے معراج پر تشریف لے گئے اور آپؐ نے اللہ کے حکم سے آسمانوں کی سیر کی تو ایسی صورت میں آقاؐ کے نشانوں کا ذکر تعریف نبیؐ کے ذیل میں نہیں آتا ہے۔

آپ حضرات نے شعروں کے ظاہری حُسن کے حوالے سے لفظوں کا منفی استعمال تو دیکھا اب مختلف شعراء کے ہاں نعتیہ اشعار میں لفظوں کا مثبت بلکہ استعاراتی و علامتی انداز بھی دیکھیں۔ سید عارف کے 'معراج نبیؐ' کے موضوع پر شعر میں لفظ کے ہشت پہلو ہو کر علامتی انداز اختیار کرنے کی کیفیت سے لطف اندوز ہوں

میں اس کی وسعتوں کو لفظ پہناؤں تو کیا، جس کا
زمیں پر اک قدم ہے دوسرا افلاک سے آگے (سید عارف)

"وسعتوں" نے پورے شعر کو ایک خاص طرح کی فکری وسعت دے دی۔ نبی اکرمؐ کا معراج پر جانا اور وقت کے ایک قلیل حصے میں آسمانوں کی سیر سے واپس آنا اُسی "وسعت" کی جانب اشارہ کرتا ہے جس میں وقت اور اِس سے متعلق مظاہر بھی شامل ہیں۔ زمین پر وقت کے پیمانے آسمانی پیمانوں سے مختلف ہیں۔ وقت کے گزرنے کی رفتار دونوں جگہوں پر مختلف ہے جس کا ثبوت قرآن حکیم ہے اور حضرت محمدؐ اللہ کے حکم سے وقت کے دو مختلف منطقوں سے گزرے۔ یقیناً یہ اللہ کے نبیؐ کی شان ہے کہ آپؐ کے لیے رب تعالیٰ نے وقت کو زمین پر ساکت کر دیا۔ شاید طاہر شیرازی نے اِسی لمحے کو لفظوں میں مقید کرنے کی کوشش کی ہے:

اذنِ معراج مل گیا ہے اُسےؐ
وقت رک رک کے دیکھتا ہے اُسےؐ (طاہر شیرازی)

''وقت رک رک کے دیکھتا ہے اُسےؐ'' سے محاورہ بندی (زبان و بیان) کی خوبصورتی تو سامنے آتی ہی ہے ساتھ ہی وقت کے ساکت ہونے کی سائنسی حقیقت کی جانب اشارہ بھی ہو جاتا ہے۔

نعت گو شعراء کے ہاں یہ خیال عام طور پر راسخ ہوتا جا رہا ہے کہ صرف اپنے زبان و بیان اور

Marfat.com

لفظوں کے زور پر وہ اچھی نعت کہہ سکتے ہیں حالانکہ اِس کے لیے صرف محبت رسولؐ ہی کافی نہیں بلکہ رسول اللہؐ کی سیرت، حسب ونسب اور صفات کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے۔

رشید وارثی لکھتے ہیں:

''نعت گوئی کے لیے صرف انشاء وعروض سے واقفیت یا قادرالکلامی پر انحصار نہیں کیا جاسکتا بلکہ اِس کے لیے حضور اکرمؐ کے فضائل شیون و صفات، اسوۂ حسنہ اور ذاتِ اقدس سے متعلقہ دیگر علوم سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔''(۳۰)

معراج نبیؐ کے حوالے سے بھی نعت میں قادرالکلامی تو جگہ جگہ اپنے رنگ دکھاتی رہی لیکن موضوع کی فکری جہات کو سمجھنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء اِس موضوع پر روایتی اندازِ فکر کے حامل رہے جو بہت سی جگہوں پر موضوعاتی اسقام میں بھی تبدیل ہوا۔ روایتی اندازِ شعر کی ایک مثال دیکھیں:

طویل بحر میں یزدانی جالندھری کا شعر:

واپس آئے تو بستر ابھی گرم تھا اور زنجیر در میں تھی جنبش ابھی
فرش سے عرش تک، عرش سے فرش تک ہوگیا طے سفر دیکھتے دیکھتے

طویل بحر کے اِس شعر میں واقعہ کا بیان ایک خبر کے انداز میں ہے۔ شاعری کا بنیادی تعلق ذہن کی جگہ دل سے ہوتا ہے اور اچھا شعر اپنے تشبیہاتی اور استعاراتی رنگ کے باعث دل کو چھوتا ہے۔ شاعری نثر سے مختلف چیز اِسی لیے ہے کہ اِس میں لفظوں کے دروبست سے ایک واقعہ دوسرے واقعے کے قریب محسوس ہونے لگتا ہے۔ لفظوں کو علامت کے طور پر برتنے سے شعر میں آفاقیت پیدا ہوتی ہے۔

وقت کی ماورائی جہت کو ایک نئے زاویے سے محسن احسان نے بھی دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ وقت کے ٹھہر جانے کا احساس اُن لوگوں کو بھی ہوسکتا ہے جو اپنے لبوں پر دعائیں سجائے بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوتے ہیں اور گنبدِ خضریٰ کا واسطہ دے کر اپنی دعائیں اللہ کریم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وقت کے اِس پہلو کے بارے میں نعتیہ نظم ''زائرین کے لیے ایک نظم'' کا یہ ٹکڑا ملاحظہ کریں۔

....

Marfat.com

آسمانوں کی طرف اُن کے یہ اٹھتے ہوئے ہاتھ
ایسے لگتا ہے زمانے کی مسلسل گردش
ایک نکتے پر تھمی ہو جیسے
وقت پر برف جمی ہو جیسے

....

سبز گنبد کے مکیں
اُن کی تسبیح کے دانوں میں جو خوابیدہ تمنائیں ہیں
پوری کردے (۳۱)

محسن احسان کے ہاں واقعہ معراج نبی ﷺ کو بھی بڑی محبت اور اُس واقعے کی عظمت کے حوالے سے عقیدت کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے۔

زمیں سے عرشِ معلیٰ تک ایک زینۂ نور
رواں تھے سوئے فلک تزک واحتشام کے ساتھ (۳۲)

دوسری جگہ اسی مضمون کو دوسرے انداز میں شعری فکر کا حصہ بناتے ہیں:

چلے زمیں سے تو افلاک کی حدیں چھو لیں
رکے تو قرنوں کو لمحات میں شمار کیا (۳۳)

محسن نے سیرت کے اس محیر العقول اور معجزاتی حصے کو علمی سطح پر دیکھنے اور سمجھنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ وہ اِس کا بیان کرتے ہوئے ایک حیرتی کی طرح علمی اور منطقی سطح پر اسے پہچاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عمومی طور پر شعراء کے ہاں فکری سطح پر شعر برائے گفتن کی طرز پر اس واقعے پر اظہارِ خیال ہوتا ہے۔ جو شعر کی بنت کے لحاظ سے تو درست ہے لیکن کسی بڑے خیال کو منطقی سطح پر پہچاننے کی کوشش کرنا اور پھر اُس نتیجے کو شعر میں ڈھالنا بڑی نعتیہ شاعری کی بنیاد ہونی چاہیے اور محسن احسان اس میں کامیاب ٹھہرے:

کہکشاں اس کے غبارِ کفِ پا کا پرتو — اُس کا جلوہ ہے جو آفاق میں تنہا پھیلا
کرۂ ارض کو ہے ناز کہ وہ ابرِ کرم — اس پہ برسا جو سرِ عرشِ معلیٰ پھیلا (۳۴)
ہیں آپ کی آواز کی زد میں کئی صدیاں — دیکھا ہے زمانے نے جلال آپ کا مولا (۳۵)

Marfat.com

چمک ذروں سے لے کر کہکشاؤں تک گئی محسن
کہ ہے آفاق میں خورشیدِ نعت مصطفیٰ روشن (۳۶)

درونِ ذات سفر کی عجیب لذتیں ہیں — دلوں میں ہے وہ تجلی جو مہر و ماہ میں ہے (۳۷)
ترے سفر نے جمالِ سفر دیا ہے اسے — زمیں سے تا بہ فلک کہکشاں مسافت ہے (۳۸)
ہے عرصۂ آفاق میں پھیلی ہوئی ہر سُو — اک کاہکشاں آپؐ کے نقشِ کفِ پا کی (۳۹)
کہا یہ اُس نے کہ تسخیر کائنات کرو — خدا گواہ کہ اعلان ارتقاء ہیں نبیؐ (۴۰)

حضرت محمدؐ معراج پر وقت کے چھوٹے سے حصے میں تشریف بھی لے گئے اور واپس بھی آئے۔ وقت اتنا قلیل تھا کہ بستر کی گرمی باقی تھی اور دروازے کی کنڈی بھی ابھی تک متحرک تھی۔ واقعہ تو مکمل بیان ہوا لیکن شاعری کہاں گئی؟ اِسی سے ملتے جلتے موضوع کو سید سلمان رضوی نے اپنے شعر میں استعمال کیا لیکن پوری شعریت موجود رہی۔

معراج جس کو کہتے ہیں وہ ہے مرے خدا
اک منفرد روش ترے شائستہ گام کی

آپ نے غور کیا کہ وقت کی رفتار کو خاص حضرت محمدؐ کے لیے روکنے اور تیز رفتاری سے آسمانوں کی سیر اور رب سے ملاقات کو "شائستہ گام کی منفرد روش" کہہ کر کس طرح شاعری کے فن میں خوبصورتی سے ڈھالا گیا۔

اُردو نعت سے منسلک شعرائے کرام کے ہاں معراج مصطفیٰ ﷺ کو منطقی سطح پر سمجھنے کا عمل خال خال نظر آتا ہے۔ سید ابوالخیر کشفی کی ایک نظم "قصیدہ بردہ شریف کا ایک نقش" کا ایک حصہ "فی ذکر معراج النبی ﷺ" ملاحظہ کریں

وہی ذاتِ مبارک آیتِ معراج انساں ہے
حرم سے بیتِ اقدس تک
محمد مصطفیٰ معراج آدم کے امیں بن کر
بلندی کے نشاں بن کر
افق پر جگمگاتے ہیں
یہ تارے، کہکشاں، نجم سحر، خورشید خاور، آج تک ہمدم
اسی معراج کی افسانہ خوانی کرتے جاتے ہیں

Marfat.com

فضائے بے کراں میں ذرۂ خاکی
اسی معراج کے نقشِ کہن کو ڈھونڈنے نکلا
گروہِ مسلمیں! آگے بڑھو، تاروں کو اب چھولو
زمیں کی پستیوں کو آسماں کردو (۴۱)

سید ابوالخیر کشفی کی نعتیہ نظم کے اس ٹکڑے میں معراج نبی کو ذرۂ خاکی کے منطقی سطح پر سمجھنے کے عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے علم اور تجسس کے جو راستے کھولے ہیں، معراج نبی ﷺ کو سمجھنے کا یہ عمل بھی اُسی کا حصہ ہے۔ مصرعے

فضائے بے کراں میں ذرۂ خاکی
اسی معراج کے نقشِ کہن کو ڈھونڈنے نکلا

انسان کی کائناتی توازن کو سمجھنے کی جدوجہد کا بیان کرتی ہیں۔ خلاء اور کائنات میں پھیلی ہوئی ارب ہا کہکشاؤں کے درمیان موجود سیارۂ زمین کا انسان، اللہ کی بنائی ہوئی اس عظیم کائنات کا حصہ بھی ہے اور اِس کے رازہائے سربستہ کو تلاش کرنے کی خواہش کا اسیر بھی۔ فلسفہ، سائنس یا عمرانی علوم سبھی راستے اُسی منبعِ علوم کی جانب لے کر جاتے ہیں اور معراج نبی ﷺ اُس کائنات میں موجود اللہ کے اسرار کو سمجھنے کا ایک راستہ ہے۔ سید کشفی نے بھی

گروہِ مسلمیں! آگے بڑھو، تاروں کو اب چھولو
زمیں کی پستیوں کو آسماں کردو

کہہ کر مسلمانوں کو منطقی علوم حاصل کر کے اللہ کی کائنات کو مسخر کرنے کے بارے میں بتایا ہے۔ وہ معراجِ نبی کی عظمت کو عظمتِ انسان اور عظمتِ مسلمان کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔ نعت کہنے میں شاعر کا اپنا ہنر اتنا کام نہیں کرتا جتنا توفیق خداوندی کام آتی ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا اپنے ایک مضمون "رنگِ نعت کی بہارِ جاوداں" میں نعت کی تعریف بیان کرتے ہیں

> ”نعت کیا ہے۔ یہ پہلے قلب و جاں پر نازل ہوتی ہے پھر نوکِ قلم سے جواہرِ بے بہا کی صورت ٹپک کر صفحۂ قرطاس کی زینت بنتی ہے۔ یہ محبانِ رسول اللہؐ کے لیے حسنِ کائنات ہے، بے قرار جذبوں کی تسکین کے لیے رحمت الٰہی کی سوغات ہے“۔ (۴۲)

شاعری نثر سے مختلف ہی اِسی لیے ہوتی ہے کہ اِس کے اثرات ہمارے جذبات و

Marfat.com

احساسات پر پڑتے ہیں۔ یہ عقل کو اپیل کرنے سے پہلے دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ واقعۂ معراج کے حوالے سے بھی نعتیہ اشعار عمدہ، مناسب یا آفاقی ہوتے ہیں۔ اچھا شعر صرف ہنر اور زبان و بیان کے زور پر نہیں کہا جا سکتا۔ فکر حضرت محمدؐ کی محبت سے معطر ہو اور سیرت کا مطالعہ روزمرہ کا حصہ ہو تو اچھی نعت کے لیے موضوعات بھی حاصل ہوتے ہیں اور لفظوں کا دروبست اچھی نعت میں ڈھلتا ہے۔

رشید ساقی کا ایک شعر معراج نبیؐ کے موضوع سے متعلق ہے:

حاصل ہے سوا آپؐ کے کس کو یہ سعادت
مہمانِ سرِ عرش علیٰ مرے آقاؐ

آقائے نامدار کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نے آپ کو عرش پر بلوایا اور میزبانی فرمائی۔ حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کو بھی مالکِ دو جہاں نے اپنا جلوہ نہیں دکھایا لیکن نبی آخرالزماں آقائے نامدار حضرت محمدؐ کو یہ فخر حاصل ہوا۔ یقیناً یہ امت محمدیہؐ کے لیے بھی فخر کا مقام ہے لیکن اِس کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے غور و فکر کا مقام بھی ہے کہ ہمیں نبی اکرمؐ کی امت کی حیثیت سے جہاں بانی کے فرائض انجام دینے ہیں، اُس کے لیے علم سے محبت اور تحقیق و تجسس سے دلچسپی ہماری زندگی کا حصہ ہونا چاہیے' لیکن ایسا نہیں ہے۔ دسویں صدی عیسوی سے اٹھارویں تک ہم اقبال کے اس شعر کی تفسیر تھے

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (اقبال)

اردو نعت میں واقعۂ معراج کو شانِ رسولؐ کے حوالے سے شعراء کرام نے بیان کیا لیکن اِس طرف توجہ کم رہی کہ اسے اجتماعی شعور کے حوالے سے عظمت انسان کے تناظر میں دیکھا اور سمجھا جائے۔ میری رائے میں واقعۂ معراج میں وقت کی رفتار کا رک جانا اور حضرت محمدؐ کا آسمانوں کے سفر پر مقرب فرشتہ حضرت جبرائیلؑ کے ہمراہ جانا اور جنت جہنم کا مشاہدہ کرنا اور اپنے رب سے ملاقات کرنا (اِس بات پر بھی امت میں اتفاق نہیں ہے) کو مندرجہ ذیل موضوعات کے حوالے سے دیکھا جانا ضروری تھا

☆ رب العالمین کی قدرت کا بیان
☆ شانِ رسولؐ کا واقعۂ معراج کے تناظر میں بیان

Marfat.com

☆ عظمتِ انسان کا واقعۂ معراج کے تناظر میں بیان

☆ اجتماعی شعور کی معنوی تفہیم (واقعۂ معراج کے تناظر میں)

☆ قرآنی آیات (قاب قوسین) کے حوالے سے نبی اکرم کی اللہ سے محبت کا بیان

☆ وقت کی تغیر پذیر کیفیات کا واقعۂ معراج کے حوالے سے بیان

ان میں سے زیادہ تر موضوعات پر شعراء کرام نے طبع آزمائی کی تاہم عظمتِ انسان اور وقت کی تغیر پذیر کیفیات کو واقعۂ معراج کے تناظر میں بیان کرنے کی سنجیدہ کوششیں کم کم ہوئی ہیں اور اس کی بڑی وجہ نعت گو شعراء کا روایتی اندازِ فکر کا حامل ہونا ہے

ابوالخیر کشفی نے اپنے سفرنامۂ حج میں وقت کے حوالے سے ایک اہم بات کہی۔ حیران کن طور پر وہ وقت کی اُسی مطلق قیمت کو ذاتی حوالے سے سمجھنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

''طواف کے سات دائرے مکمل ہوئے .... طواف کے سات چکر۔
جیسے تخلیق کے سات مراحل ہیں۔ دن تو سات ہی ہیں۔ یہ طواف وقت کو
اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔'' (۴۳)

اردو میں نعت عام طور پر غزل کی ہیئت میں لکھی جاتی ہے اور نعت خوانی کی محافل کے باعث یہ طریقہ مقبول بھی ہے۔ اس کی بڑی وجہ قافیہ اور ردیف کی خوبصورت بُنت ہے جو نعت کے سامع کے لیے خوشگوار تاثر پیدا کرتی ہے اور اس کی طرز سازی بھی نسبتاً آسان ہوتی ہے۔ اردو غزل کی طرح اردو نعت میں بھی قافیہ اور ردیف کے تغیر پذیر انداز سے اچانک پن کی کیفیت پیدا کی جاسکتی ہے جو سامع کے ذہن کو ایک مختلف تاثر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نعت میں نظم کی نسبت غزل کا فارمیٹ زیادہ مقبول ہے جبکہ اگر کسی موضوع پر فلسفیانہ انداز سے کسی رائے کا اظہار کرنا ہو تو نظم کی ہیئت میں غزل کی نسبت زیادہ گنجائش موجود ہوتی ہے لیکن اردو میں نعت نگار حضرات نظم کی طرف کم کم آتے ہیں اور جو آئے بھی ہیں وہ ذاتی حوالوں سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں

نعتیہ ادب کی تخلیقی و تنقیدی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں

''نعتیہ ادب میں تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی کام کے لیے جس آگاہی کی ضرورت ہے وہ صرف چند نکات پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اس کی وسعتیں بے کنار ہیں........ شاعری کرتے ہوئے اسے پرکھتے ہوئے اور اُس پر تحقیق کرتے ہوئے انتہائی معروضیت (Objectivity) کا مظاہرہ کرنا

Marfat.com

لازمی ہے"۔(۴۴)

آغاز سے نعت، روایتی شعراء کے ہاں انفرادی حوالوں سے محبت رسول کا بیان رہی اور مذہبی فلسفے کے حوالے سے بڑے سوالات کی جانب ہمارا شعر گو آنے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتا رہا۔ فلسفہ، مذاہب کے تناظر میں وقت کی ماورائی جہات کے حوالے سے پیدا ہونے والے سوالات کی طرف ہمارا نعت گو کیوں نہیں آسکا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہمیں مسلم اجتماعی شعور میں جھانکنا پڑے گا۔ عمومی طور پر ہمارے غزل گو اور خصوصی طور پر نعت گو شعراء کے ہاں نظم کی طرف نہ آنے کی وجوہات کچھ یوں ہو سکتی ہیں

(الف) روایتی فکر سے جڑت کے باعث ذہن کی تخلیقی صلاحیتیں کسی نئے منطقے کی دریافت کرنے کے قابل نہیں رہیں

(ب) غزل کی ہیئت میں نعت کو محافل میں حاصل ہونے والی پسندیدگی کے باعث، شعراء انفرادی حوالوں سے محبت رسول کا بیان کرنے میں آسانی محسوس کرتے رہے۔

(ج) اردو نعت کو ادبی صنف بننے اور غزل کے فلسفیانہ اندازِ فکر رکھنے والے شعراء کا نعت کی طرف آنے میں مشکلات حائل رہیں

(د) روایت سے جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی طرف اردو غزل تو منتقل ہوئی لیکن اردو نعت کا یہ سفر ابھی آغاز میں ہی ہے

(ر) اردو غزل اور اردو نعت کے روایتی شعراء کے ہاں حضرت محمدؐ کی تعریف کے ساتھ ساتھ شہرت کے عناصر بھی ساتھ ساتھ موجود رہے

(ہ) اردو نعت میں جدید ادبی اندازِ تحریر اور نئے نظریات کے استعمال کا فقدان رہا۔

ان تمام نکات کو سامنے رکھیں تو اردو نعت میں روایتی فکر کی ڈومینیشن (Domination) سامنے آتی ہے اور اس کی بڑی وجہ تو وہی ہے کہ ہمارا شاعر اور سامع دونوں مطالعے کے عادی نہیں ہیں۔ علم اب مجرد نہیں رہا یہ مرکب صورت میں اذہان پر اثر انداز ہوتا ہے اور پیچیدگی و ابہام پیدا کرتا ہے لہٰذا اس علم کے حصول کے لیے اپنے ذہن کو مرکب صورت میں چیزوں کو دیکھنے کا عادی بنانا ہوگا۔ وقت کی مذہبی تفہیم کے سلسلے میں مجھے ن۔م۔ راشد کی ایک نظم یاد آتی ہے:

Marfat.com

زمانہ خدا ہے

زمانہ خدا ہے
اسے تم برامت کہو
مگر تم نہیں دیکھتے، زمانہ فقط ریسمان خیال
سبک مایہ، نازک، طویل
جدائی کی ارزاں سبیل
وہ صبحیں جو لاکھوں برس پیشتر تھیں
وہ شامیں جو لاکھوں برس بعد ہوں گی
انہیں تم نہیں دیکھتے، دیکھ سکتے نہیں
کہ موجود ہیں، اب بھی موجود ہیں وہ کہیں
مگر یہ نگاہوں کے آگے جو رسی تنی ہے
یہ رسی نہ ہو تو کہاں ہم میں تم میں
ہو پیدا یہ راہِ وصال (۴۵)

وقت کی تفہیم پر مشتمل اِس نظم میں وقت ایک خاص حدِ فاصل رکھتا ہے یعنی ایک زمانہ دوسرے زمانے میں پیوست مختلف عوامل کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے۔ نعت میں وقت کی ایسی تفہیم کی کوئی کوشش میری نظر سے نہیں گزری۔ یقیناً ایسی نعتیہ نظمیں لکھی جارہی ہوں گی جن میں وقت کی بنت کو کسی خاص زاویہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہو۔ ستیہ صاحب کی ایک نظم کی چند لائنیں دیکھیں اس میں جاوداں زندگی کی جانب قدم بڑھانے کا عمل بنیادی طور پر وقت سے ماوراء ایک نئے جہان کی جانب پیش رفت کا اشارہ ہے

دھیان میں گم رہوں تو شاید میں
دیکھ پاؤں حضورؐ کا جلوہ
چہرۂ پاک کی ضیاء پاشی
کالی کملی سے نُور چھنتا ہوا
درمیاں میں رہوں تو سن پاؤں
آپؐ سے میں پیامِ حق کے راز

Marfat.com

جاوداں زندگی کی تعبیریں

لفظ وحدت کے معنی و تفسیر

نعت میں فکری سطح پر ذات اور کائنات کے حوالے سے بڑے فلسفے کے مضامین پر مشتمل شاعری کا دور اس وقت شروع ہوگا جب قرآن اور سیرت کا تفصیلی اور گہرا مطالعہ نعت گوشعراء کریں گے اور سامع کی ذہنی تربیت اِس حوالے سے کی جائے گی۔ جیسے جیسے ہمارا سامع، قاری اور ناظر ادبی تربیت یافتہ ہوگا ہماری شاعری میں بھی گہرائی اور وسعت آئے گی۔ روایتی شاعری اردو نعت میں بہت عمدہ ہو رہی ہے اور محافل کی زینت بن رہی ہے تاہم آفاقی اور عظیم شاعری (نعت) کے سامنے آنے کا وقت اب آ رہا ہے کہ چودہ سو سالوں میں ہم مسلمان ایک پختہ اور مکمل تہذیب کے حامل ہو چکے ہیں اور وہ جو ایلیٹ نے کہا تھا

"کلاسیک (آفاقی اور عظیم فن پارہ) اُس وقت وجود میں آتا ہے جب کوئی تہذیب کامل یا پختہ ہو چکی ہوتی ہے" (۴۶)

اِسی تہذیبی تکمیل کے عمل میں ہمارے ہاں اب نعت فلسفے اور سائنس کے بڑے مباحث کو شامل کرنے کی حالت میں آ چکی ہے۔ اقبال، عبدالعزیز خالد، عارف عبدالمتین کے بعد اب اِس حوالے سے کچھ نئے شعراء کو سامنے آنا چاہیے کہ محبت کا تقاضا صرف محبوب خداؐ کی روایتی تعریف ہی نہیں بلکہ نعت کے تناظر میں علم کو آگے لے کر چلنا بھی وقت کی ضرورت ہے اور یہی سرکارِ دو عالم کی حقیقی تعریف بھی ہوگی۔ آقا کی دعا "رب زدنی علما" ترجمہ: اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما، کا اصل مفہوم بھی یہی ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات

(۱) سٹیفن ہاکنگ، وقت کا سفر، مشعل لاہور ۱۹۹۸ء

(۲) سٹیفن ہاکنگ، وقت کا سفر، مشعل لاہور ۱۹۹۸ء، صفحہ ۱۸۵

(۳) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا

(۴) لیکچر "روشنی کا سفر"، طارق جمیل، مولانا، پی ٹی وی ۲۴ جون 2015

(۵) سٹیفن ہاکنگ، وقت کا سفر، مشعل لاہور ۱۹۹۸ء

(۶) اردو فکشن میں وقت کا تصور صفحہ ۵

Marfat.com

(۷) تجلیات قرآن، سبطین شاہجہانی، صفحہ۳

(۸) القرآن

(۹) پروفیسر احمد رفیق اختر، صفحہ

(۱۰) ڈاکٹر وزیر آغا بحوالہ اردو فکشن میں وقت کا تصور

(۱۱) کاشف عرفان، چوتھی دشا، (غیر مطبوعہ نظم)

(۱۲) القرآن

(۱۳) القرآن

(۱۴) حدیث قدسی

(۱۵) حدیث قدسی

(۱۶) القرآن

(۱۷) القرآن، سورۃ الکہف

(۱۸) القرآن، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱

(۱۹) واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات (ایک تحقیقی جائزہ)، دارلسلام، اسلام آباد

(۲۰) بحوالہ واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات

(۲۳) آدمی اور کتاب، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، زین پبلی کیشنز کراچی، صفحہ ۷۷

(۲۴) القرآن، سورۃ النجم، آیت ۸ تا ۱۸

(۲۵) میثاق، سرشار صدیقی، حرا فاؤنڈیشن کراچی، مئی ۲۰۰۲، صفحہ ۳۰

(۲۶) میثاق، سرشار صدیقی، حرا فاؤنڈیشن کراچی، مئی ۲۰۰۲، صفحہ ۱۱۲

(۲۷) میثاق، سرشار صدیقی، حرا فاؤنڈیشن کراچی، مئی ۲۰۰۲، صفحہ ۱۰۹

(۲۸) میثاق، سرشار صدیقی، حرا فاؤنڈیشن کراچی، مئی ۲۰۰۲، صفحہ ۱۰۵

(۲۹) اقراء، صہبا اختر، مکتبہ ندیم کراچی، ۱۹۸۱ء، صفحہ ۵۸

(۳۰) اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، صفحہ ۴۶

(۳۱) اجمل و اکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء، صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹

(۳۲) اجمل و اکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء، صفحہ ۵۱

(۳۳) اجمل و اکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء، صفحہ ۴۲

(۳۴) اجمل و اکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء، صفحہ ۴۹

Marfat.com

(۳۵) اجمل واکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء، صفحہ ۵۵

(۳۶) اجمل واکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء صفحہ ۶۵

(۳۷) اجمل واکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء صفحہ ۶۶

(۳۸) اجمل واکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء صفحہ ۹۴

(۳۹) اجمل واکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء صفحہ ۹۴

(۴۰) اجمل واکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء صفحہ ۱۰۰

(۴۱) نسبت، ابوالخیر کشفی، سید، اقلیم نعت کراچی، ۱۹۹۹ء، صفحہ ۷۶، ۷۵

(۴۲) رنگِ نعت (مولفہ) پروفیسر محمد فیروز شاہ، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ستمبر ۲۰۰۸ء، صفحہ ۲۳

(۴۳) وطن سے وطن تک، ابوالخیر کشفی، مجلس مطبوعات وتحقیقات کراچی، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۳۸

(۴۴) نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ستمبر ۲۰۱۵ء، صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۱

(۴۵) ن۔م۔راشد (نظم)

(۴۶) اشارات تنقید، سید عبداللہ، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، صفحہ ۱۱۹

☆☆☆

Marfat.com

اُردو نعت پر ساختیات (Structuralism) کے اثرات

ساختیاتی اندازِ نقد پر بات کرنے سے اور اِس کے اثرات اردو نعتیہ ادب پر تلاش کرنے سے قبل اِس اندازِ فکر کو اِسمیں جا کر سمجھنا ضروری ہے۔

ساختیات کا نظریہ عمومی طور پر سائنس کے ساتھ اور خصوصی طور پر طبیعات (Physics) کے ساتھ منسلک ہے۔ بیسویں صدی کے آخری نصف حصے اور اکیسویں صدی کے آغاز کے چند سالوں میں طبیعات میں کچھ ہنگامہ خیز انکشافات ہوئے۔ طبیعات اور دوسرے شعبہ ہائے سائنس کے ماہرین اِس بات پر اُس وقت متفق ہوئے جب انہوں نے سالمہ (مالیکیول) اور ایٹم (جوہر) میں جھانکنے کا آغاز کیا کہ زندگی اور مادے کے جملہ مظاہر کسی ٹھوس بنیاد کے بجائے ساختیہ یعنی (Structure) پر استوار ہیں۔ آیئے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ خود ساختیہ (Structure) کیا ہے؟

۱) ساختیہ ٹھوس اشیاء کا مرکب نہیں ہے
۲) یہ رشتوں کا ایک ایسا ان دیکھا نظام ہے جو مجرد (Abstract) ہے
۳) یہ اپنے عناصر کی مکمل صورت نہیں ہے بلکہ کہیں یہ عناصر کی حاصل جمع سے کچھ زیادہ اور کہیں کچھ کم بھی ہو سکتا ہے
۴) ساختیہ کے اجزاء کے پیچھے ایک System یا کوڈ موجود ہوتا ہے جو اُس پورے نظام کی ساخت کو ماحول سے منسلک کرتا ہے
۵) ساختیہ ایک پیٹرن (Pattern) ہے جس میں ہر وقت تغیرات نمودار ہوتے رہتے ہیں
۶) ساختیہ کے اندر ہونے والے تغیرات کے باوجود اس رشتوں کے نظام یا Pattern کی بنیادی ساخت میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی اِس کی وجہ کچھ غیر مرئی کھائیاں یا

Marfat.com

Grooves ہیں۔

۷) یہ غیر مرئی کھائیاں یا کنارے اندر سے خالی ہیں اور پیٹرن کی ری سٹرکچرنگ (Restructuring) کرتی ہیں اور بنیادی ساخت میں تبدیلیاں واقع نہیں ہونے دیتی ہیں۔

۸) ساختیہ نظام کی ایسی شکل ہے جس کے Pattern کو ایک مخصوص قاعدے یا گرامر کی مدد حاصل ہے

۹) ساختیہ کسی نئے نظام کے خود میں داخل ہونے پر مزاحمت کرتا ہے اور باہر سے آنے والی شے یا مظہر، ساختیہ میں موجود کناروں کے خالی ہونے کے باعث آنِ واحد میں اُس کوڈ یا گرامر کے تابع ہو جاتا ہے۔

تو یہاں تک پڑھنے کے بعد آپ حضرات یہ سوال پوچھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ بھائی! یہ تو سائنس والوں کے نظریات ہیں ہم ادب والوں اور خاص طور پر نعت اور نقدِ نعت سے تعلق رکھنے والوں کو یہ باتیں کیوں پڑھائی جارہی ہیں؟

چلیے اِس سوال کا جواب ڈھونڈتے ہیں۔

مغرب والے سائنس اور منطق کی دنیا کے باسی ہیں۔اُن کے ہاں ادب بھی اب منطقی اندازِ فکر میں ڈھلتا چلا جا رہا ہے۔ مغرب میں ساختیات کے نظریے سے قبل سوچ کا منطقی (علت و معلول) انداز رائج تھا۔سوچ کا یہ انداز خالص سائنسی طرزِ فکر کی نمائندگی کرتا تھا اور اس مفروضے پر قائم تھا کہ ہر شے مادے سے تعلق رکھتی ہے اور اپنا ایک ٹھوس وجود رکھتی ہے۔ ہر عمل دوسرے عمل کا منطقی نتیجہ بھی ہوتا ہے اور محرک بھی۔یوں مظاہر خطِ مستقیم میں سفر کرتے ہیں۔لیکن سائنسی ترقی نے انسانی اذہان کو بھی پیچیدہ کر دیا اور ذہنِ انسانی نے چیزوں کو دوجمع دوچار کے انداز میں دیکھنے کے بجائے زیادہ مرکب صورت میں دیکھنا شروع کیا۔سسٹم یا کوڈ کسی نظام کی وہ چابی ہوتی ہے جو اُس نظام کو رواں رکھتی ہے۔رشتوں کی یہ گرہیں ایک ایسا نظام تخلیق کرتی ہیں جو دوجمع دوچار سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا اپنی کتاب معنی اور تناظر کے ایک مضمون میں اُسے کچھ یوں بیان کرتے ہیں

> ''جب ہم اسطور (Myth) کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہم پر انکشاف ہوتا ہے
> کہ اسطور محض لاتعداد مختلف دیومالائی کہانیوں کے مجموعے کا نام نہیں ہے

Marfat.com

بلکہ اس کی حاصل جمع سے کچھ زیادہ ہے''(۱)

سائنس نظام زندگی کو مادی ٹھوس شے سمجھنے کے بجائے رشتوں کی اکائی سمجھ رہی ہے اور اُس کی دو بنیادی وجوہات ہیں

۱) برق یا بجلی کو مادہ تسلیم کرنے میں مشکل کہ برق (Electricity) خود لہروں کی شکل میں ہے۔

۲) وقت کو حقیقی تصور کرنے کے بجائے اضافی تصور کرنا کہ وقت کی ماہیت حقیقی نہیں بلکہ اضافی Relative ہے (یاد رہے کہ وقت کا نظام خود کسی ٹھوس حقیقت پر استوار نہیں ہے بلکہ روشنی اور برق کی طرح یہ بھی کائنات کے بڑے نظام میں دیگر مظاہر کے ساتھ رشتوں کی گرہوں میں بندھا ہوا ہے)

آج کی سائنس جس پر ساختیات کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ مادے کو اساسی اکائی نہیں مانتی بلکہ برقی قوت کو اساس تسلیم کرتی ہے۔ اس کے بعد نئے دریافت ہونے والے ذرات مثلاً الیکٹران کو بھی مادے کے بجائے صرف رشتے (Relative) کی گرہ تسلیم کیا گیا اور ان ذرات کو رشتے کے تعلق سے دیکھنے کے سبب ساختیات کے نظریے نے جنم لیا۔

ساختیات کا نظریہ طبیعات اور سائنس سے باہر نکل کر دوسرے شعبہ ہائے زندگی مثلاً لسانیات، فلسفہ، حیاتیات، نفسیات اور علم انسان (Anthropology) پر اثر انداز ہوا۔ لسانیات کے حوالے سے سوسیور نے ایک جگہ کہا

''عام گفتگو کے پسِ پُشت زبان خود ایک سسٹم یا گرامر کے طور پر موجود ہوتی ہے جس کے مطابق ہم گفتگو کرتے ہیں''(۲)

ساختیات کا نظام رشتوں پر قائم ہے اور رشتوں کا تعلق کم از کم دو چیزوں پر ہوتا ہے لہذا ساختیات ہمیں بتاتی ہے

۱) اکیلی چیز کی کوئی ساخت نہیں

۲) ساختیات کا تعلق دُوئی سے ہے

۳) ایک جب دو میں تقسیم ہوتا ہے تو ان کے درمیان ایک رشتہ پیدا ہوتا ہے پھر اُس سے لاتعداد رشتے قائم ہو جاتے ہیں

۴) رشتوں کی یہ دنیا ساختیات میں پیٹرن (Pattern) کے لفظ سے موسوم ہے۔

Marfat.com

۵) ساختیات ایک جیسی اشیاء یعنی مشترکات کے رشتے سے بھی پہچانا جاتا ہے اور مختلفات (Differences) کے رشتے بھی استوار کرتی ہے۔

۶) ساختیات تضادات اور انسلاک کا ایک تہہ در تہہ دائروی نظام ہے

ساختیات کے نظریے نے صرف سائنس یا نفسیات کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ ادب اور معاشرتی علوم بھی اس کے زیر اثر آئے۔

جوناتھن کلر نے ایک جگہ لکھا ہے:

> ''معاشرہ افراد کے اعمال اور رویوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس اجتماعی سسٹم کا زائیدہ ہے جیسے افراد نے شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے اندر جذب کر رکھا ہے''۔

یہاں ایک اہم سوال ادب کے حوالے سے بنتا ہے کہ ادب اور ساختیات کا آپس میں کیا تعلق ہے اور ادب کو ساختیات کے نظریے کی ضرورت کیوں ہے؟

آیئے پہلے یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ادب میں ساختیات کے نظریے سے کیا کام لیا جاسکتا ہے اور دورِ جدید کی پیچیدگی کو ساختیات کے ذریعے ادب میں پیش کیا جاسکتا ہے اِس کے ساتھ ساتھ ادبی تنقید کی اثر پذیری کو ساختیات کے نظریے سے کیا فائدہ پہنچا۔

بات یہ ہے کہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے ربع اول تک تنقید کا نظام اِس اصول پر قائم تھا کہ ہر ادب پارے کے پیچھے ایک مرکز موجود ہے اور اِسی مرکز کو بنیاد مان کر فن پارے کی مختلف جہات کو دیکھا جاتا تھا اُس تنقید کو زور ادب کی مثلث سے فن پارے کی اہمیت واضح کرتا تھا

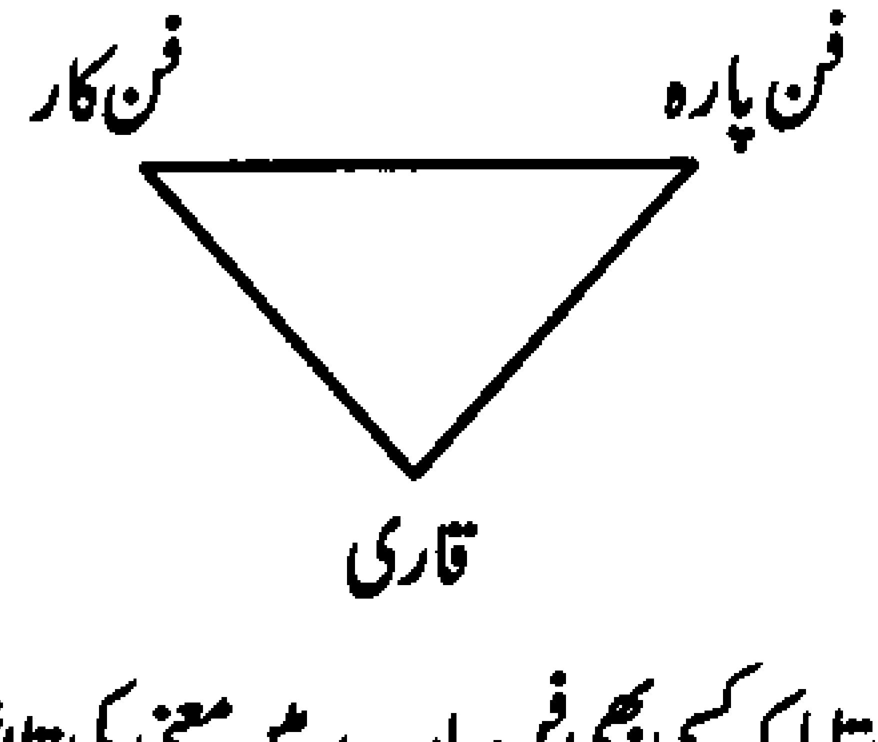

ساختیات نے ہمیں بتایا کہ کسی بھی فن پارے میں معنی کی تلاش کے لیے ان تینوں ضروری اجزاء سے بھی ضروری اُس کوڈ یا نظام کی تلاش ہے جو اُس فن پارے کو زندگی دینے کا باعث بنا ۔دوسرے لفظوں میں ادب پارہ (فن پارہ) صرف فن کار کی ذاتی شعوری کوشش کا شاخسانہ نہیں

Marfat.com

ہوتا بلکہ اس کے پسِ پردہ ایک علامتی نظام یا کوڈ موجود ہوتا ہے جس کا تعلق اِن تمام مظاہر ے سے ہوسکتا ہے۔

۱) فن کار کی لاشعوری کیفیات

۲) معاشرتی عوامل

۳) فن کار کی انانیت میں چھپی گرہیں

۴) نفسیاتی مسائل

۵) نظریہ

۶) خواب

(یہ فہرست مکمل نہیں)

کسی بھی فن پارے میں چھپی معنی کی گرہیں کھولنے اور پس پردہ نظام کی تلاش کے لیے ان تمام عوامل کے جائزے کے ساتھ ساتھ نئی تنقید سے بھی کام لیا جاسکتا ہے لیکن ساختیات اور نئی تنقید کے درمیان بنیادی اختلاف موجود ہے۔ نئی تنقید تخلیق کے پسِ پردہ ایک مرکز کو تسلیم کرتی ہے جو فن پارے کو وجود میں لانے کا ذمہ دار ہوتا ہے جبکہ ساختیات مرکز کے بجائے رشتے کی گرہوں کو اہمیت دیتی ہے۔

نئی تنقید (جو آج کے ساختیاتی اور لسانی مباحث کو سامنے رکھتے ہوئے خاصی حد تک روایتی تھی) میں خالق کی اہمیت فن پارے میں ایک مرکز (Centre) کے طور پر تھی جبکہ ساختیات نے خالق سے اُس کی مرکزیت لے کر اُسے وسیع تر مفہوم کے ساتھ نئے بندھن میں باندھ دیا ہے۔ وزیر آغا اِس سلسلے میں کہتے ہیں

> ''غور کیجیے کہ مصنف یا خالق کو مسترد کرنے کی یہ ساری کارروائی مصنف ،خالق یا مرکز کے وسیع تر دائرۂ کار کا اثبات کر رہی تھی۔ علم و ادب کے سارے شعبے خالق اور مخلوق کے ایک نئے رشتے کو سطح پر لا رہے ہیں۔ اب خالق اپنی تخلیق سے فاصلے پر کھڑا ایک ناظر نہیں بلکہ تخلیق کے رگ و پے میں روحِ رواں کی طرح موجود تھا۔ روحِ رواں کہنا بھی شائد ٹھیک نہیں کیونکہ وہ تخلیق کے سارے اجزاء اور رشتوں کے ربطِ باہم کا نام تھا'' (۳)

اقتباس طویل ہوگیا لیکن ساختیاتی تنقید میں خالق اور تخلیق کے نئے رشتے کی وسیع تر مفہوم

Marfat.com

میں وضاحت ہو گئی

اب آیئے ادب اور خصوصی طور پر نعت کی جانب ۔نعت پر ساختیاتی اندازِ نقد کے حوالے سے میری معلومات کے مطابق ابھی تک بات نہیں ہوئی ہے ۔یہ ایک نیا موضوع ہے جس میں نعت نگاری کے حوالے سے خالق اور تخلیق کے درمیان رشتے کی باریک گرہوں کو کھول کر فن پارے (تخلیق) کی کچھ نئی جہتوں کو تلاش کیا جائے گا۔

اردو نعت کی تاریخ پر بات ہو اور اُس کا آغاز اقبال سے نہ ہو شائد ایسا ممکن نہ ہو۔دوست یہ بات جانتے ہیں کہ اقبال اُن معنوں میں نعتیہ شاعر نہیں تھا جن معنوں میں ہم آج روایتی شعراء کو نعت گو شعراء کہتے ہیں ۔ لگے بندھے موضوعات ،روزمرہ کی زبان ،عام لہجہ اور ذاتی حوالے کے ساتھ محبت رسول ﷺ کا بیان۔یہ شاعری بھی بُری شاعری نہیں تاہم یہ بڑی شاعری نہیں ۔اقبال کی فکر کی خشت اول ہی محبت رسول ﷺ تھی ۔شعائر دینی کو انہوں نے تاریخی تناظر میں دیکھا اور فکری و معنوی سطح پر اُسے محسوس کر کے لفظوں میں ڈھالا۔ساختیاتی تنقید کے حوالے سے اقبال کی شاعری کو دیکھا جائے تو عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ ہی ان کی شاعری کے پسِ پردہ نظام یا کوڈ ہے جو کسی فن پارے کی بنیاد بنتا ہے ۔اقبال کے ہاں ہر تلازمہ کی بنت کے پسِ پردہ عشقِ رسول ﷺ ہے جس سے وہ مدد لیتے ہیں ۔اقبال کی مشہور نظم ''دعا'' (جو مسجد قرطبہ میں کہی گئی) کے چند اشعار یہاں درج کرتا ہوں یہ اشعار اپنی اصل میں نعتیہ نہیں بلکہ موضوعاتی شاعری کے ذیل میں آتے ہیں۔

نظم: دُعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

ہے یہی میری نماز ، ہے یہی میرا وضو — میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
صحبت اہل صفا ، نور و حضور و سرور — سرخوش و پرسوز ہے لالہ لب آبجو☆ دعا
اوّل و آخر فنا ، ظاہر و باطن فنا — نقشِ کہن ہو کہ نَو ،منزلِ آخر فنا
اے حرم قرطبہ عشق سے تیرا وجود — عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
تیری فضا دل فروز ،میری نوا سینہ سوز — تجھ سے دلوں کا حضور ،مجھ سے دلوں کا کشود
تیر اجلال و جمال ، مردِ خدا کی دلیل — وہ بھی جلیل و جمیل ، تو بھی جلیل و جمیل
تیرے در و بام پر وادیِ ایمن کا نور — تیرا منارِ بلند جلوہ گہہِ جبرئیل

☆مسجدِ قرطبہ (۴)

Marfat.com

ان اشعار کو پڑھنے کے بعد تصور میں تاریخ کے بہاؤ کا وہ عمل نظر آتا ہے جس کا آغاز نبی اکرمؐ کی مدینہ آمد اور پہلی مسجد کی بنیاد رکھنے سے ہوا۔ آپؐ نے اپنے ہاتھوں سے مٹی اور کھجور کے تنے رکھ کر مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ تاریخ کا سفر جاری رہتا ہے اور اسلام اپنے زریں ترین دور میں داخل ہو کر شمالی افریقہ سے ہسپانیہ تک جا پہنچتا ہے۔ ایمان اور خلوص نیت کے ہتھیاروں سے لیس یہ غازی آگے بڑھتے رہے اور زمین پر محبت، خلوص اور احساس کے رنگا رنگ پھول کھلاتے رہے۔ اقبال تاریخ کے طالب علم رہے اور اُن کا ملت سے رشتہ انہیں بار بار مجبور کرتا رہا کہ وہ ماضی کے دروازے سے جھانکیں اور ماضی کی اُس شان دار روایت کو حال اور پھر مستقبل تک لے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ملت سے جگہ جگہ خطابیہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ خطابیہ اندازِ تحریر خود تقریر کے نزدیک ہوتا ہے اور شعر میں مکالمہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ڈرامائی اندازِ شعر سے شاعر کا مطمحِ نظر برعکس کیفیات کا استعمال کر کے چیزوں کو گہرے جذبوں کے رنگ میں دکھا کر اُس کی اثر پزیری بڑھانا ہوتا ہے۔ اندازِ تخاطب کی اثر پزیری دیکھیے

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں (۵)

تُم کا لفظ اُس قلبی تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو اقبال کو اپنی ملت سے تھا۔ لیکن ذرا ٹھہریے پہلے ہم اقبال کی فکر کے پیچھے چھپے نظریے یا کوڈ کی دریافت کرتے ہیں جس کے لیے یہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔ اگرچہ کام آسان نہیں بلکہ انسانی شخصیت کے اوپر زندگی اپنے اثرات مرتب کرتی چلی جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وزیر آغا کو ساختیات اندازِ فکر کے حوالے سے کہنا پڑا

> ''میرا تاثر یہ ہے کہ ساختیاتی تنقید حرف آخر نہیں ہے لیکن ہر زاویۂ نگاہ میں سچائی کی ایک آدھ رمق ضرور ہوتی ہے چنانچہ جس طرح تنقید کے باقی زاویوں میں سچائی کا کوئی نہ کوئی پہلو موجود ہے اِسی طرح ساختیاتی تنقید میں بھی سچائی کا یہ پہلو مضمر ہے کہ تخلیق ایک یک سطحی ساختیہ نہیں ہے''(۶)

ساختیات کے تناظر میں اگر ہم اقبال کی پوری شاعری پر غور کریں اور اُس کو ڈیا گرامر کی تلاش کریں تو کچھ اِس طرح کی صورت حال سامنے آئے گی۔

۱) محبت رسول ﷺ

Marfat.com

۲) قرآن سے اخذ کردہ نظامِ فکر

۳) ملت کا اجتماعی لاشعوری نظام

۴) تاریخ سے ناطہ

۵) اسلام کا معاشی نظام اور فرد سے اس کا تعلق

اقبال کے ہاں ملت کے اجتماعی لاشعوری نظام کو ایک خاص ترتیب میں دیکھنے کا احساس انہیں بار بار ملی اسلامی تاریخ سے ناطہ جوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔ اقبال کے ہاں محبت قرآن اور محبت رسول ﷺ کا جذبہ تھا جس نے انہیں ایک طرف تاریخ سے جبکہ دوسری طرف ملت سے جوڑ دیا تھا۔

آل احمد سرور کو ایک خط میں اقبال نے کہا تھا:

''میرے عقیدے کی رُو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ہر نقطۂ نگاہ سے موجب نجات ہو سکتی ہے۔ میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائق اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے''

یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم جیسے ماہر اقبالیات کو کہنا پڑا:

''اقبال قرآن کا شاعر اور شاعر کا قرآن ہے''

اقبال کے ہاں ساختیاتی حوالے سے ایک مختلف فکر اور زبان کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ ساختیات کے متعلق ہمارے ہاں ایک ادبی غلط فہمی یہ ہے کہ خود ساختیات کا تعلق صرف لفظ اور اُس کی ساخت سے ہے۔ ساختیات بنیادی طور پر اسلوبیات کا حصہ ہے اور اسلوب کا تعلق لکھنے والے کی فکر اور احساس کے ساتھ ساتھ زبان و بیان سے بھی ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں۔

''اقبال ایک انتہائی پھیلے ہوئے سلسلۂ کوہ کی طرح ہے۔ اِس سلسلۂ کوہ پر ہر شخص جہاں سے نظر ڈالتا ہے اُسی کے مطابق اپنے تاثرات پیش کرتا ہے۔ اقبال کے مطالعے میں تناظر اور محل تناظر کی حد درجہ اہمیت ہے''(۷)

ہر نئی فکر اپنے ساتھ لفظوں کا ایک نیا نظام بھی لاتی ہے۔ اردو شاعری کے ہر نابغہ کے ہاں لفظوں کا در و بست اُس کی فکر سے جڑا ہے۔

میں جریدہ ہوں زمیں پر عشق کی تنظیم کا
نعت کا اسلوب ہوں گھر گھر نکل آیا ہوں میں

Marfat.com

جیسے اشعار قدیم اندازِ فکر کے روایتی نعت گو کے لیے کہنا ذرا مشکل تھا کہ ہر عہد کی سادگی شاعر کی فکر کے ساتھ مدغم ہو کر لفظوں کے ایک نظام کو جنم دیتی ہے۔ آج کے پیچیدہ عہد اور اس کے مسائل محبتِ رسولؐ کے بیان میں بھی لفظوں کی ایک نئی جہت کو سامنے لاتے ہیں یوں ایک نیا اور جدید اسلوب ہمارے سامنے آتا ہے۔ نعت کے جدید اسلوب کی چند مثالیں دیکھتے ہیں۔

تیرے قدموں کو چوم کر کھولے
روشنی جب سحر کا در کھولے (جنید آزر)

(اس سائنسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ سورج کی پہلی کرنیں گنبدِ خضراء کو چومنے کے بعد دنیا کو روشن کرتی ہیں)

رات کیا رات تھی لو دیتی رہی شمعِ قلم
لفظ ہوتے رہے شامل ترے پروانوں میں (اختر شیخ)

☆☆

ترے خیال نے وہ رفعتیں عطا کی ہیں
قدم زمیں پہ رہے آسماں کو چھو آئے (طارق نعیم)

☆☆

یہیں سے روشنی پائی بھی بے نور قدروں نے
اسی کے فیض سے مشرق سے مغرب تک اجالا (حسن رضوی)

☆☆

لفظ بھی نام و نسب رکھتے ہیں یہ جان رکھو
مدح کرنی ہے تو ہر لفظ کی پہچان رکھو (واجد امیر "اذن")

☆☆

دیکھو تو ذرا نقشِ کفِ پائے محمدؐ
یہ بات غلط ہے کہ قدم کچھ نہیں لکھتے
(وقار صدیقی اجمیری "حرف حرف خوشبو")

صبیح اُن کی ثناء اور تُو کہ جیسے برف کی کشتی
کرے سورج کی جانب طے سفر آہستہ آہستہ (صبیح رحمانی)

Marfat.com

اک مٹھی ستو ہوں روٹی خشک ادھوری ہو
مولا! مجھ سے آپ کی سنت کیسے پوری ہو؟
نعت تو ہے محتاط رویوں اور جذبوں کا نام
اتنی بات ہی کہنا جتنی بات ضروری ہو (کاشف عرفانؔ)

☆☆

ذرہ ہوں پہ خورشید سے ہے ربطِ تجلی
قطرہ ہوں پہ نسبت ہے مجھے وسعتِ یم سے (سلیم گیلانی)

جدید فکر کی نعت میں موضوعات اور لفظوں کی دروبست کی کائناتِ رنگارنگ آپ نے دیکھی لیکن یہاں لفظ جدید مبہم ہے۔ تاثراتی تنقید میں تو ذرا سا لفظوں کا غیر روایتی استعمال ہی ادب پارے پر ''جدید'' کا لیبل لگا دیتا ہے۔ لیکن جدید علومِ نقد ہمیں اصول وضوابط کی بنیاد پر فن پارے (تخلیق) اور خالق (فن کار) کے درمیان موجود رشتوں کی اُن مبہم اور باریک ڈوریوں کو سلجھانے کا موقع دیتے ہیں۔ نئی نعت میں موضوعات کا تنوع ہمیں عہد کی اجتماعی فکر اور فرد کے انفرادی لاشعور کو سمجھنے کا موقع دیتا ہے۔ ہر عہد اپنے موضوعات اور لفظوں کا انتخاب خود کرتا ہے شاعری میں عام حالات میں موضوعات بھی روایتی ہوتے ہیں اور اُن کو بیان کرنے کا انداز بھی خاصی حد تک روایتی لیکن جدید فکر بھی جستہ جستہ نظر آتی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ایک قول مروی ہے:

''امراؤالقیس نے لفظوں کو آنکھیں دی ہیں''

فن کار جب اپنے فن کے احساس میں گم ہو جاتا ہے تو لفظوں کو آنکھیں ملتی ہیں۔ دراصل شاعری لفظوں کو آنکھیں دینے کا کام ہے۔ عہد کی پیچیدگی، شخصیت کا لاشعوری عکس اور شعوری و معنوی احساس کسی بھی فن پارے کی بنت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں حسنؔ نثار (معروف سیاسی تجزیہ نگار) کی ایک نعت کے چند اشعار پیش کرتا ہوں اور پھر اُس کا تجزیہ جدید علوم (لسانیات، ساختیات اور اسلوبیات) کے حوالے سے کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ نعت ملاحظہ کریں:

تیرے ہوتے جنم لیا ہوتا کوئی مجھ سا نہ دوسرا ہوتا
سانس لیتا تو اور میں جی اٹھتا کاش مکے کی میں فضا ہوتا
ہجرتوں میں پڑاؤ ہوتا میں اور تُو کچھ دیر کو رکا ہوتا

Marfat.com

تیرے حجرے کے آس پاس کہیں　　میں کوئی کچا راستہ ہوتا
کسی غزوہ میں زخمی ہوکر میں　　تیرے قدموں میں جا گرا ہوتا
پانی ہوتا اداس چشموں کا　　تیرے قدموں پہ بہہ گیا ہوتا
ٹکڑا ہوتا میں ایک بادل کا　　اور ترے ساتھ ساتھ گھومتا ہوتا
بچہ ہوتا غریب بیوہ کا　　سر تریٔ گود میں چھپا ہوتا
رستہ ہوتا ترے گزرنے کا　　اور ترا رستہ دیکھتا ہوتا
مجھ کو خالق بناتا غارِ حسن　　اور مرا نام بھی حرا ہوتا(۸)

حسن نثار اُن معنوں میں نعتیہ شاعر نہیں جن معنوں میں ہم آج روایتی شعراء کو شاعر قرار دیتے ہیں۔ حسن نثار بنیادی طور پر سیاسیات اور سماجیات سے دلچسپی رکھتے ہیں ادب اُن کی دوسری محبت ہے۔ میں نے اُن کے ایک کالم میں پڑھا تھا کہ اُن کے اشعار کسی کالم یا اخبار میں پڑھ کر افتخار عارف نے انہیں ایک ڈائری تحفے میں بھیجی اور اُن سے کہا کہ بیاض ترتیب دیں اور اپنے خوبصورت کلام سے شاعری سے محبت کرنے والوں کو محروم نہ رکھیں۔ پھر حسن نثار نے اپنا کلام ترتیب دیا اور اکتوبر ۱۹۹۸ء میں اُن کا مجموعہ کلام ''پچھلے پہر کا چاند'' شائع ہوا۔ زیر نظر نعت ذاتی اور انفرادی حوالوں پر مشتمل جدید فکر کی نعت ہے۔ اِس نعت کا تجزیہ کرتے ہوئے حسن نثار کی شخصیت کا وہ پہلو سامنے آتا ہے جو عقیدت اور محبت کی وسیع کائنات کا مسافر ہے۔ ساختیات کے حوالے سے رشتوں کے اُس نظام کو سمجھنے کے لیے جو شاعر اور حضرت محمد مصطفیؐ کے درمیان موجود ہے، دو نکات سامنے آتے ہیں

- ☆ شاعر انفرادی معنوی نظام سے باہر اجتماعی شعوری فکر سے وابستہ ہو کر ایک نئے احساس کو جنم دے رہا ہے
- ☆ شاعرانہ فکر ذاتی حوالوں سے تاثر کی سطح پر ایک خاص طرح کی کیفیت پیدا کر رہی ہے اور معنوی سطح پر انفرادی ذاتی حوالوں سے ماوراء ہو کر اجتماعی رویوں کی عکاس بن گئی ہے۔

حسن نثار کی اس نعت کی خاص بات اِس کا علیحدہ اور مختلف فکری نظام ہے۔ یہ فکر نعت کی روایتی اندازِ فکر سے بالکل مختلف ہے۔ واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ نعت گو ایک مختلف اپروچ (Approach) کے ساتھ محبت کی اس وادی میں قدم رکھ رہا ہے۔ اُس کے پاس خدا کی وحدانیت کا یقین اور حضرت محمد مصطفیؐ سے محبت کا اسم اعظم موجود ہے۔ نعتیہ فکر میں عام طور پر ایسی نعتیں نہیں کہی گئیں جن میں شاعر عالم احساس میں حضرت محمد مصطفیؐ کے عہد مبارک میں خود کو دیکھے

Marfat.com

اور مختلف مظاہر، اشیاء یا اُس دور کے جذبات و احساسات سے خود کو منسلک کر کے دیکھے۔ ظاہر ہے کہ نعتیہ فکر میں عام طور پر ایسی جسارت نہیں کی گئی تھی لیکن خود حسن نثار محبت کے اُس احساس میں جا پہنچے تھے جہاں آقا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے کنکر، مٹی، پتھر یا غار جیسی بے مایہ اشیاء میں خود کو تبدیل کرنے کی خواہش کی جاتی ہے۔

بعد میں نعت میں ایسے موضوعات کو بار بار برتا گیا جس میں نبی کریمؐ کے دور میں شاعر خود کو چشم تصور سے دیکھتا ہے اور آقا کریمؐ سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن سچ پوچھیے تو ایسی تمام نعتوں کا فکری رزق حسن نثار کی اس نعت سے ہی حاصل ہوتا رہا۔ حسن نثار کی اِس نعت کی ایک نمایاں خوبی اِس کا مصنوعیت سے پاک خالص جذبوں کا اظہار ہے۔ کسی بھی نقاد کے لیے یہ ایک مشکل وقت ہوتا ہے جب اُسے صرف اپنے وجدان پر بھروسہ کر کے رائے دینا یا حکم لگانا پڑتا ہے۔ میں بھی اِس وقت اسی مشکل کا شکار ہوں کہ میری رائے یہی ہے کہ حسن نثار کے ہاں دینی روایت کا بڑا مضبوط احساس موجود ہے اور وہ اپنی عام زندگی میں جیسے کھلے مزاج کے Out Spoken شخص ہیں ایسا شخص اپنے جذبوں کے بیان میں کبھی کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتا۔ اُن کی نعت فکر کی سطح پر ایک پورے عہد کا بیان ہے لہذا اس میں بحر اور ردیف قافیہ کو آسان ہی ہونا چاہیے تھا اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ حسن نثار شاعری کو اپنی پہلی پہچان قرار بھی نہیں دیتے۔

نذیر قیصر نے حسن نثار کے مجموعے ''پچھلے پہر کا چاند'' کے دیباچے بعنوان ''ملامتی صوفی'' میں کہا تھا۔

> ''حسن نثار کو میں نے ملامتی صوفی کہا ہے کہ وہ ہر آنکھ پر نہیں کھلتے اور سورج کی ہر کرن کو اپنی ذات کے پانیوں میں اترنے نہیں دیتے۔ اُن کے حجاب کی دھند، کھردرے لہجے اور کرخت چہرے کی مانند روح کے چہرے کو چھپائے رکھتی ہے مگر جاگتی ہوئی آنکھیں حسن نثار کے اس چہرے تک پہنچ جاتی ہیں جس کے گرد محبت کا نورانی ہالہ جگمگاتا ہے'' (۹)

اگر حسن نثار کی تخلیق اور اُس کی شخصیت کے درمیان زیر تبصرہ نعت کے ذریعے رشتوں کی گرہیں تلاش کی جائیں تو یہ ہمیں صرف انفرادی حوالوں تک ہی لے کر نہیں جائیں گی بلکہ سماج کے اجتماعی نظام میں بھی اس کی جڑیں تلاش کی جا سکیں گی۔ حسن نثار کی غزل بھی سماجی حوالوں کے بغیر نامکمل ہے لیکن ان کے ہاں ذات اور سماج یوں باہم مدغم ہیں کہ تاثر کی شدید کیفیت پیدا ہوتی ہے

Marfat.com

جو ماضی کے حوالوں سے جا کر جڑتی ہے۔تاریخ کے سنجیدہ طالب علم کے طور پر حسن نثار شاندار ماضی کی زندہ روایات کے ساتھ ساتھ جیتا ہے اور آخر آخر وہ ایک مناجاتی کا روپ دھار لیتا ہے

میرے خدا! تو مجھ پہ وہ لمحہ اتار دے
جو میرے اردگرد کی ہر شے سنوار دے (۱۰)

تاریخی حقائق اُس کی زندگی کا ایسے حصہ بنے ہیں کہ ہفتے میں چار روز (میری مراد ان کے کالم "چوراہا" سے ہے) وہ انہی تاریخی حقائق کو اپنے آج کے ساتھ رکھ کر تقابل کرتے ہیں اور اپنے آج کا ماتم کرتے ہیں۔حضرت محمدؐ سے ایک جگہ یوں مخاطب ہوتے ہیں

تیرے پیغام سا پیغام نہ لایا کوئی
تجھ سے پہلے، نہ ترے بعد ہی آیا کوئی (۱۱)

حسن نثار کے ہاں بھی شاعری صرف منطقی سچائی کا سرچشمہ نہیں بلکہ حسنِ ازلی کی تلاش اور جوئے رنگ و آب سے خود کو معطر کرنے کی کوشش ہے۔یہاں مجھے اقبال کا ایک جملہ یاد آ رہا ہے:

"شاعری میں منطقی سچائی کی تلاش بیکار ہے۔تخیل کا نصب العین حسن ہے نہ کہ سچائی" (اقبال)

سچ پوچھیے تو حسن ہی کائنات کی اصل سچائی ہے۔کائنات توازن کا نام ہے اور توازن کو زندگی سے علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو نظام کی بقا خطرے میں پڑ جائے گی۔حسن ازلی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت اور اُس کو پا لینے کی خواہش ہماری دینی شاعری کی بالخصوص بنیاد ہے لیکن عمومی شاعری میں بھی بین السطور یہی خواہش اور احساس کارفرما ہے۔حسن نثار کی اسی نعت کے تتبع میں بہت سی نعتیں کہی گئیں لیکن فرق واضح رہا۔جذبے کی گہرائی، کسی موضوع کے بانی کے طور پر اُس کا بیان اور نقل میں بنیادی فرق جذبے کی شدت کا ہوتا ہے۔اسی موضوع پر (نبی اکرمؐ کے دور میں تخیلاتی موجودگی اور اپنے محبت بھرے جذبات کا بیان) مشتمل ایک اور نعت دیکھیں:

نعت

کاش میں دور پیمبر میں اٹھایا جاتا
باخدا قدموں میں سرکار کے پایا جاتا
ساتھ سرکارؐ کے غزوات میں شامل ہوتا
ان کی نصرت میں لہو میرا بہایا جاتا

Marfat.com

ریت کے ذروں میں اللہ بدل دیتا مجھے
اور مجھے راہِ محمدؐ میں بچھایا جاتا

خاک ہو جاتا میں سرکار کے قدموں کے تلے
خاک کو خاکِ مدینہ میں ملایا جاتا

بُن کے لے جاتا مجھے نعت کے شعروں میں کوئی
روبرو اُن کے میں ان کو ہی سنایا جاتا

ہوتا اُس دور کا قصہ کوئی نوروفرحانؔ
آج کے دور میں بچوں کو پڑھایا جاتا

نورعلی نوراسی موضوع پر سعود عثمانی کا ایک زندہ شعر ملاحظہ ہو:

میں کاش سنگ ہی ہوتا تو زندہ رہ جاتا
نقوشِ پائے پیمبر دوام کرتا ہوا (سعود عثمانی)

آپ نے دونوں نعتیں ملاحظہ کیں لیکن جذبے کی گہرائی و گیرائی اور حسن ازلی کی تلاش اور ادراک رنگ وخوشبو کی جو کیفیات پہلی نعت میں ملتی ہیں وہ کیفیات دوسری نعت میں نظر نہیں آ رہی ہیں۔حسنؔ نثار کے ہاں تاریخی شعور بطور ساختیہ کچھ اس طرح مرکزی حیثیت اختیار کرتا ہے کہ لفظوں کے دروبست اور جدید اور قدیم کا احساس پسِ پشت چلا جاتا ہے۔میری رائے میں سماجیات اور تاریخی شعور حسنؔ نثار کی شاعری کی خشت اول ہیں۔فن کی حدود کا تعین ایک مشکل امر ہے فنون کی حدود نہیں ہوتی ہیں لہٰذا یہ وہ دریا ہے جس کا کنارہ ڈھونڈنا عبث ہے۔نعت کے فن کی حدود کا تعین بھی ناممکن ہے کہ حضرت محمدؐ کی سیرت کا بیان چودہ سو سال سے جاری وساری ہے اور ہنوز باب اول ہی پر کام ہو رہا ہے۔بعض اوقات شاعر اُس لاشعوری کیفیت کو سمجھ بھی نہیں پاتا اور بیان حسنِ مجازی سے حسنِ ازلی کی جانب کب چلا جاتا ہے احساس ہی نہیں ہو پاتا۔

عابد سیال نے اپنی خوبصورت غزل میں دوشعر کہے تھی لیکن وہ شعور اور لاشعور کے درمیان ڈولتے اُس خیال کو پہچان ہی نہیں پایا کہ محبت کی کیفیات نعت میں ڈھل رہی ہیں

ساحلِ آسودگی سے گہرے پانی کی طرف
لے چلی اک لہر مجھ کو بے کرانی کی طرف

Marfat.com

ہاتھ پکڑا اک شعاعِ نور کا اور چل پڑا
خواب جیسے ایک شہرِ آسمانی کی طرف(۱۲)

اردو نعت میں ساختیات اور پسِ ساختیات کے فکری آثار کی تلاش آج کی اردو نعت کی تنقید کو ایک نئی جہت دے رہی ہے۔ساختیات اور پس ساختیات کے نظریات فن پارے کے مرکز کو موضوعِ بحث نہیں بناتے بلکہ وہ فن پارے کے پس منظر میں موجود اُس نظام یا کوڈ کی تلاش کرتے ہیں جو فن کار سے شعوری یا لاشعوری سطح پر وہ فن پارہ تخلیق کرواتے ہیں۔

شوکت مہدی پاکستان کے معروف غزل گو اور نعت نگار تھے۔ابھی حال میں اُن کا انتقال ہوا ہے۔کبیر والہ سے تعلق رکھنے والے اِس شاعر کا زیادہ وقت راولپنڈی میں گزرا۔ڈاکٹر اسلم فرخی کے الفاظ میں:

''شوکت مہدی کی غزل میں برجستگی اور تازگی نمایاں ہے'' (۱۳)

شوکت مہدی کا ایک زندہ رہنے والا شعر ہے:

خوابوں کی بنیاد پہ زندہ رہتا ہے
دل میں ایک ایسا باشندہ رہتا ہے

غزل شوکت کی پہچان بنی۔جدید اندازِ غزل کے دو شعر اُس کی غزل کی سچائی آپ کے سامنے لے آئیں گے:

مجھے غزل کے نئے خال و خد بنانے ہیں
مرا ہنر مرے اعجاز کے لیے کم ہے
علاج چارہ گراں عام کیجیے مہدی
تمام عمر بھی اِس کاز کے لیے کم ہے (۱۴)

شوکت کی غزل کی طرح اُس کی نعت بھی جدید اور روایتی فکری حوالوں کا امتزاج ہے ''تنہائی'' شوکت کی زندگی اور شاعری دونوں کا مضبوط حوالہ تھی۔وہ تنہا تھا اور اس تنہائی سے خود کو گزارتا تھا۔نعت میں بھی تنہائی اور کم مائیگی کو مرکزی موضوع کے طور پر برتتے ہوئے وہ آقائے نامدارؐ کے حضور پیش ہوتا ہے لیکن اُس کے ہاں حسن نثار کی طرح شاندار ماضی کی ضو اور تابناک تاریخ کی ضیاء کا شعور نظر نہیں آتا بلکہ وہ جدت کو لفظوں کی در و بست سے ہی جنم دیتا ہے

Marfat.com

ایک دیرینہ تمنا تھی جو پوری ہوئی رات
ایسا لگتا تھا مدینے میں ہم آئے ہوئے ہیں

زندگی کے دُکھوں کا نعت میں یوں بیان ایک اچھوتا تاثر پیدا کرتا ہے:

اُلجھے رہتے ہیں کسی اپنی پریشانی میں
ورنہ ہم لوگ کہاں تجھ کو بھلائے ہوئے ہیں

مہدی اگر طلب ہے رہِ مستقیم کی
طیبہ سے پھوٹتی ہے ہدایت کی روشنی

اُردو نعتیہ شاعری میں زبان نے کئی طرح سے اپنی صورت تبدیل کی ہے۔ لہجوں کا فرق تو اپنی جگہ لیکن خود لفظوں کی ساخت اور اُن کا موضوع سے منسلک ہو کر استعمال میں آنا' بھی نعتیہ شاعری میں نئے گل ہائے رنگا رنگ کے اضافے کا سبب بنا ہے۔ تاریخی طور پر زبان میں ہونے والی تبدیلی کئی طرح کے اثرات کی حامل ہوتی ہے۔ ساختیات کا تعلق روایتی طور پر زبان اور لفظ کے مختلف انداز سے استعمال کے ساتھ ہی جوڑا جاتا ہے۔ میرا ذاتی خیال اِس سے ذرا مختلف ہے ۔ زبان یا لفظ کا تعلق خیال سے گہرا ہے۔ خیال اپنے لفظ خود لاتا ہے اور بڑی شاعری تخلیق ہی اُس وقت ہوتی ہے جب خیال کے مطابق آئے ہوئے لفظ علامت کی سطح پر برتے جائیں اس کی سادہ سی مثال جو فوری طور پر ذہن میں آتی ہے وہ اقبال کے فکری و معنوی نظام سے وابستہ ہے۔ اقبال کے ہاں شاہین، خودی، حجاب، آذری، لوح، عشق، ثریا جیسے الفاظ و تراکیب خیال کی بُنت میں سج کر ایک رنگ پیدا کر دیتے ہیں جبکہ اُن کے تتبع میں بہت سے شعراء نے انہی لفظوں کو شاعری میں استعمال کیا تاہم وہ رنگ پیدا نہ ہو سکا کہ لفظ خود خیال کی معنوی اولاد ہوتے ہیں۔

زبان میں تبدیلیوں کے حوالے سے ہمیں کئی طرح کے رجحانات کی طرف نظر کرنا پڑے گی۔ زبان میں تغیرات کے اثرات جانچنے کے لیے

☆ جغرافیائی اثرات
☆ معاشرتی تبدیلیاں
☆ مذہبی تنوع
☆ تہذیبی اثرات

اور میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ معاشی تغیرات بھی زبان میں ہونے والی تبدیلیوں پر

Marfat.com

اثرانداز ہوتے ہیں یعنی کسی علاقے کے لوگوں کا مجموعی ذریعۂ معاش اور اُس میں تنوع بھی زبان کی ساخت اور لفظوں کے عمومی گفتگو میں استعمال پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ عوامی بولیوں کی شاعری اور میلوں ٹھیلوں میں گائے جانے والے گیت یا مذہبی و تہذیبی شاعری بھی اسی کی مثال ہیں۔ اب اگر ساختیات کے حوالے سے ہم زبان کے تغیرات کو سامنے رکھیں تو ایک بالکل مختلف شکل سامنے آتی ہے جو زبان میں تغیرات کی بنیاد پر نت نئے اسالیب کی تشکیل کی طرف ہمیں لے کر جاتے ہیں ۔ڈاکٹر کشفی اس حوالے سے لکھتے ہیں

''زبان کی تاریخ میں مختلف مرحلے آتے رہتے ہیں ۔ایسے دور جن میں اسالیب میں تبدیلیاں آتی ہیں، لفظوں کے معنی بدلتے ہیں...... سرسید تو ''جدید دورِ زبان'' سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان کی زبان آج کی زبان سے خاصی مختلف ہوگئی ہے''(۱۵)

اسالیب میں ہونے والی تبدیلیاں بعض اوقات اتنی تیز رفتار ہوتی ہیں کہ خود تہذیبی قواعد کو الٹ پلٹ دیتی ہیں ۔ایسا عام طور پر ایسے ادوار میں ہوتا ہے جب زندگی خود ہنگامہ خیز ہوتی ہے ۔غالب کے ہاں خطوط کی سطح پر ہونی والی اسلوبیاتی تبدیلیاں اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ خود اقبال کے ہاں زبان کا ایک نئی سطح پر استعمال بھی زبان کے انہی تغیرات کا بیان کرتا ہے۔ زبان کے تغیرات میں خود شاعر یا ادیب کا اپنا جھکاؤ بھی اہمیت رکھتا ہے۔ میں اپنے کسی مضمون میں اِس حوالے سے میراجی اور راشد کے ہاں بالترتیب ہندی اور فارسی نظامِ لسانیات سے دلچسپی کی جانب اشارہ کر چکا ہوں ۔میراجی کے ہاں ہندو متھالوجی سے گہری دلچسپی سنسکرت زبان اور الفاظ اور تراکیب کا استعمال زبان کے حوالے سے ایک نئے رشتے کی نشاندہی کرتی ہے جبکہ راشد (ن۔م۔راشد) کے ہاں فارسی نظامِ فکر و فن سے گہری وابستگی زبان میں ہونے والی اُن تبدیلیوں کی جانب اشارہ کرتی ہے جسے راشد نے شعوری طور پر برتا۔ فیض کے ہاں یہ تبدیلیاں زبان اور لفظوں سے زیادہ فکری سطح پر نمودار ہوئی تھیں۔

غالب کے ہاں خطوط سے لے کر آخری عہد کی شاعری تک آسان اردو اور تکلفات سے پاک نثر کے ڈانڈے بھی اُن کی شخصیت کی پیچیدگی سے آسانی تک کے سفر کے تناظر میں سمجھے جاسکتے ہیں۔ خطوط کی سطح پر انہوں نے زبان و بیان کے نئے سانچے متعارف کروائے اور زبان میں لفظ اور معنی کی سطح پر نئی تبدیلیاں کیں جو بالآخر ایک نئے اسلوب کی بنیاد قرار پائیں۔ غالب

Marfat.com

کے ہاں اُن کے فن کے پس منظر میں ساختیہ خود اُن کی ذات کی نرگسیت پسندی اور پیچیدگی تھی جو انہیں کچھ نیا اور مختلف کرنے پر اکساتی تھی اور زبان اور لفظ کو نئی فکر سے مدغم کر کے فن پارے کو نیا روپ دینے پر مجبور کرتی تھی۔ مرزا حامد بیگ نے شاید اسی کیفیت کو لفظوں میں کچھ یوں بیان کیا ہے۔

> ''ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنی نفسی کیفیات اور یکسر انفرادی تجربات کو لفظ کے پہلے سے متعین معنی اور تصورات سے آلودہ نہ ہونے دیں۔ تخلیقی عمل میں لفظ کا برتاؤ Representational ہوتا ہے۔ یہ انفرادی جوہر فن کار کی ذات کے حوالے سے تبدیل شدہ صورت کا اچھوتا منظر نامہ ہے'' (۱۶)

مرزا حامد بیگ کے الفاظ کا مطلب بھی یہی ہے کہ تخلیقی عمل میں لفظ کا استعمال ضروری نہیں کہ متعین معنوں میں ہی کیا جائے۔ یہ فن کار کی فکر کی کسی نئی جہت کی دریافت بھی کر سکتا ہے۔ اور کسی نئے ادبی منظر نامے کا حصہ بھی بنا سکتا ہے تاہم یہ سارا عمل شعوری سطح پر یا زمین کی بالائی سطح پر انجام نہیں پاتا۔ کون جانے کہ اِس کا کتنا حصہ لاشعوری یا نیم شعوری سطح پر ماورائیت کا حامل ہے؟

اُردو نعت میں ہم بحیثیت مجموعی ایک بڑے اور جدید فکری نظام کی جانب قدم بڑھا رہے ہیں جہاں اردو نعت کی تخلیق کی سطح ذاتی حوالوں اور مناجاتی کیفیات سے بلند ہو کر فکر کے نئے در وا کر رہی ہے۔ اب تاثراتی اور تہنیاتی اندازِ تنقید کی جگہ منطقی اور استدلالی نظامِ تنقید کو جگہ مل رہی ہے۔ اردو نعت نگاری اپنے عبوری دور سے باہر آ چکی ہے۔ اس سلسلے میں شعراء، علماء، اور نقاد سب اپنی اپنی سطح پر شریک ہیں اور یہی فکری تنوع اب ایک دبستان میں ڈھلتا چلا جا رہا ہے۔ جدید فکر کا یہ نعتیہ دبستان اپنی علمی اور فکری بلندی کے باعث نعت کی ایک نئی روایت پیدا کر رہا ہے جس کا تعلق حضورؐ کی سیرت مبارکہ کا جدید علوم و فکر کی روشنی میں بیان ہے۔

منظر عارفی پاکستان کے معروف حمد و نعت گو شاعر ہیں۔ نبی اکرمؐ سے محبت اُن کی فکر کا حصہ ہے۔ نعت اور حمد کہتے ہیں اور نعت کو ایک دینی ادبی تحریک کی صورت میں آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ اپنے نعتیہ مجموعہ ''روح ایمان'' کے دیباچے میں نعت کے حوالے سے اپنے احساس کو یوں لفظوں کا رنگ دے رہے ہیں

> ''نعت رسول مقبولؐ کے حوالے سے درد مند دل رکھنے والوں کی کمی نہیں

Marfat.com

۔میں ان سے گزارش کروں گا کہ اگر میری معروضات میں کوئی دم خم کوئی
خیر، کوئی اچھائی اور کوئی دینی ضرورت (خصوصاً نعت کے حوالے سے)
آپ کی نظر میں آتی ہے تو آگے بڑھیے اور نعت کے حوالے سے تحریک بن
جایئے''(۱۷)

منظر عارفی کی اردو نعت گوئی کو نعت کی روایت کے تناظر میں سمجھنا آسان ہوگا۔ اردو غزل اور نعت کے وہ شعراء جو اردو غزل کی روایت سے منسلک ہیں (وہ روایت جو اردو کے کلاسیکی عہد کو موجود سے جوڑتی ہے) اُن کے ہاں لفظ کا استعمال بھی قدماء کی طرز پر ہی ہوتا ہے اور پھر نقاد کے لیے کیا ضروری ہے کہ وہ ہر شاعر کے ہاں جدید فکر کو تلاش کرے۔ خود نعت کی ادبی روایت انفرادی حوالوں سے ہی اجتماعی ادبی شعور کی طرف راستہ ہموار کرتی ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نعت کی ادبی روایت سے انفرادی حوالوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔

منظر عارفی کے ہاں لسانی حوالہ بہت مضبوط ہے۔ وہ اردو نعت کے اُس فکری دبستان سے تعلق رکھتے ہیں جو زبان کو اُس کے صحیح تلفظ و تناظر میں استعمال کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ ''اللہ'' کو صحیح تلفظ کے ساتھ استعمال کرنا ہی درست ہے۔ اس کی ایک مثال دیکھیں

کس قدر احسان یہ ہم پر کیا اللہ نے
ہم کو بخشا شافعِ روز جزاء اللہ نے (۱۸)

اردو زبان میں محاورات وضرب الامثال کا استعمال اساتذہ کے ہاں مستعمل رہا۔ منظر عارفی کا ذہنی سفر کلاسیکی غزل کی روایت کا سفر ہی ہے لہٰذا اُن کے ہاں محاورہ اور ضرب المثل کے استعمال کا ایک عمدہ ذوق موجود ہے۔ بنیادی طور پر یہ زبان کے درست استعمال کو تحریک دینے کی ایک کوشش ہے لکھنؤ دبستانِ شاعری میں تو شعراء کا مطمحِ نظر ہی زبان کا ایسا استعمال تھا جس سے مصرعے میں نئے رنگ پیدا ہوں لیکن لکھنؤ کا معاشرہ جیسے خود فکر سے خالی تھا بالکل ایسے ہی اُن کی شاعری بھی صرف لفظوں کا گورکھ دھندہ بن کر رہ گئی تھی۔ منظر عارفی کے ہاں نعتیہ شاعری میں محاورہ کا استعمال دیکھیں

میں اس لیے بھی بہت اُن کو یاد کرتا ہوں
مری زباں کو بھی آئے خدا خدا کرنا (۱۹)

زبان کی روانی اور اندازِ تخاطب سے مصرع کیسے رواں اور خوبصورت ہوتا ہے۔ اس کی مثال منظر عارفی کی شاعری میں دیکھیں

Marfat.com

یہ مصطفیؐ کا حرم ہے یہ مصطفیؐ کا دیار
یہاں بھی دل نہ لگا تو کہاں لگے گا میاں (۴۰)

منظر عارفی کی شاعری میں اگر تخلیق اور خالق کے درمیان رشتوں کی اُس گرہ کو کھولنے کی کوشش کی جائے تو منظر کچھ یوں بنے گا:

☆ انفرادی فکری حوالے سے محبت رسول کا بیان
☆ زبان و بیان اور لفظوں کا صحیح تلفظ
☆ لغات سے دلچسپی
☆ فنی سطح پر اردو کی کلاسیکی روایت سے جرأت کا احساس

(منظر عارفی کے ہاں زبان کے خوبصورت اور بامعنی استعمال پر ایک علیحدہ اظہارِ خیال کی ضرورت ہے۔ جلد ہی یہ کام کروں گا انشاءاللہ)

اِس مضمون میں ساختیات اور پسِ ساختیات کے نظریات زیرِ بحث ہیں اور خود ساختیات' لسانیات اور خالق اور تخلیق کے درمیان رشتوں کے نئے انداز پر بحث کرتی ہے۔ صبیح رحمانی ہمارے عہد کے ایک معروف نعت گو ہیں۔ صبیح صاحب کی نعتیہ شاعری کسی تعارف کی محتاج نہیں اور اُن کے کلام پر بہت کچھ لکھا بھی جا چکا ہے۔ صبیح کے ہاں نعت انفرادی حوالوں سے آگے نکل کر ایک فکری تحریک میں ڈھل چکی ہے۔ ''نعت رنگ'' جیسے نعتیہ تنقید کے جریدے کی اشاعت کا انتظام انصرام صبیح کی نعت کے حوالے سے ایسی خدمت ہے جس کا اجر رب کی ذات نے انہیں ایک مقبول و معروف نعت خواں بنا دینے کی صورت میں دیا ہے۔ یہ تو صرف دنیاوی نعمت ہے اور اُخروی نعمت عظمیٰ یقیناً اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔ آیئے صبیح کی شاعری کو جدید فکری مراحل سے گزارتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ اِس عمل سے گزرنے کے بعد اُن کی شاعری' قوسِ قزح کے کون سے رنگ بکھیرتی ہے۔

میں اِس بات سے بہت اچھی طرح واقف ہوں کہ صبیح اپنی فکر میں نہایت جدید ہیں۔ خو د ''جدید'' کا لفظ شاید صبیح یا دوسرے پڑھنے والوں کو مبہم لگے تو پہلے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ ہر ایسا شخص جو اپنی فکر میں جدید علوم کے لیے جگہ رکھے اُن کے مثبت یا منفی اثرات کے بارے میں سوچے اور سب سے بڑھ کر وہ ان علوم کا مطالعہ کرے' میری نظر میں جدید ہے۔ جدت ایک رویہ ہے اور یہ رویہ ضروری نہیں کہ کسی بہت ہی عالم فاضل شخص کے ہاں پایا جائے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والا ہر شخص اِس انداز فکر کا حامل ہو سکتا ہے۔ جس وقت میں یہ سطور لکھ رہا

Marfat.com

ہوں میرے قریب میرا سب سے چھوٹا بیٹا ''محمد ریان کاشف'' لیپ ٹاپ (Lap Top) پر کچھ کام کر رہا ہے یا شاید کچھ کھیل رہا ہے۔ اُس کی عمر سات سال ہے۔ ماؤس (Mouse) پر اُس کی انگلیاں اور سکرین پر اُس کی نظر متحرک ہے۔ ایک سات سال کا بچہ اپنی فکر میں اگر جدید ہو سکتا ہے تو میں اور آپ اپنی شخصیت کو خیال کے کسی ایک ہی دائرے میں کیوں رکھنے پر مجبور ہیں۔ یاد رہے کہ جدت کا مطلب مادر پدر آزادی نہیں بلکہ اصول وضوابط کی بنیاد پر علومِ ظاہری و باطنی سے اپنی شخصیت کو ایسے گزارنا کہ آپ کا اِن علوم سے گزرنا صرف انفرادی فعل نہ رہے بلکہ اجتماعی سماجی نظام اس فعل سے نظر آنے لگے۔ جدت کہلائے گا۔ بحث طویل ہوگئی لیکن ہم جب بھی اشیاء یا مظاہر کو فلسفیانہ سطح پر دیکھنا شروع کریں گے تو ہمارا سفر موجود سے ناموجود کی جانب اور ظاہر سے ماوراء کی طرف شروع ہو جائے گا۔ ادب میں اب علوم کی مختلف شاخیں بن چکی ہیں۔ گوپی چند نارنگ اور اُن کے دوسرے ہم عصروں کے ہاں تو ساختیات شاید ایک فیشن ہو لیکن میری نسل کے لوگوں کے لیے یہ فکری اساس بن رہی ہے اور شاید یہی نارنگ صاحب کی کامیابی بھی ہے کہ جو بات اُن کے لیے زندگی اور ادب کا صرف ایک رنگ ہے ہمارے لیے اُسی بات میں زندگی اور ادب کے سب رنگ اُتر آئے ہیں۔

صبیح محبتِ رسولؐ اور نعتیہ فکر کو جدید علوم ادب کی مدد سے دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ نعتیہ فکر میں اِن علوم جدیدہ کو شامل کر کے اِن علوم کی قدر و قیمت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ فلسفیانہ فکر سے دلچسپی نے اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت نے مجھے مجبور کیا کہ میں آج کی نعت کا جدید فکر کی مدد سے جائزہ لے کر اپنے لفظوں کی قدر و قیمت بڑھاؤں۔ دعا کریں کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب لبیب کے صدقے وسیلے سے آئندہ بھی اس کام کی توفیق دے (آمین)

صبیح رحمانی عشقِ رسولؐ سے سرشار ایسے شاعر ہیں جن کے لیے نعت اور متعلقات نعت زندگی کا محور بن چکے ہیں۔ ان کے لیے عشقِ رسولؐ بخشش ونجات کا ذریعہ بھی ہیں اور دنیا میں عزت وعظمت کا باعث بھی۔ حمد ونعت کے مختلف اشعار میں محبتِ رسولؐ اور عظمت کا جو تصور صبیح نے پیش کیا اُس سے مصنوعیت کا گمان نہیں ہوتا۔

حمد کا ایک شعر دیکھیں میں اِس شعر کو پڑھ کر بہت دیر کھویا رہا اور ایک بار پھر اپنی اِس رائے پر مزید پختہ ہو گیا ہوں کہ ''جدید فکر اپنے لفظ خود لاتی ہے۔ لفظوں کے چناؤ کی شعوری کوشش نہیں کرنی پڑتی''

Marfat.com

حمدیہ شعر ہے:

تو ہے آئینۂ ازل یا رب اور میں ہوں ابد کی حیرانی (۲۱)

ساختیاتی فکر کے ساتھ برصغیر کا عمومی مزاج لگا نہیں کھاتا ہے۔ برصغیر کا عمومی مزاج مرکز پسندی اور طاقت کی مرکزیت کے ساتھ جڑا ہوا ہے جبکہ خود ساختیات اور پس ساختیات کے نظریات کسی بھی طرح کی مرکزیت کے خلاف ہیں۔ یہ نظریات اشیاء کو رشتوں میں بانٹنے اور ایک دوسرے کے ساتھ رکھ کر تقابل کرنے کے حق میں ہیں۔

نعت کے شاعر کا رشتہ کئی گرہوں سے بندھا ہوتا ہے۔ اگر غور کریں تو نعت کا شاعر

☆ سرزمیں حجاز

☆ آبائی سرزمیں

دونوں ہی سے مشترکہ طور پر رشتہ استوار کرتا ہے۔ انفرادی حوالوں سے محبت کی داستان کا بیان ہمیں سرزمیں حجاز (مکۃ المکرمۃ اور مدینہ منورہ) کی خوبصورت وادیوں میں تو لے ہی جاتا ہے لیکن ہمارے عمومی مزاج ہماری سرزمین سے منسلک ہوتے ہیں۔ وطن کی محبت ہر شخص میں فطری ہے۔ انبیاء کرام بھی اپنی آبائی سرزمین سے محبت کرتے رہے ہیں۔

آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ کا فرمان ہے:

''اے مکہ! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں لیکن تیرے بیٹے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے''

تو نبی کریم ﷺ کی محبت اور سرزمین حجاز کی چاہت کے ساتھ اپنے آبائی وطن کی محبت بھی فطری ہے۔

صبیح رحمانی کے ہاں مدینہ (سرزمین حجاز) ایک استعارہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور یہ استعارہ حُسن کی ایسی کائنات کا ہے جہاں آقائے نامدار کا حُسن ہر جانب موجود ہے۔

صندلیں آب وہوا کیسے نہ ہوں اِس شہر کی
خاکِ طیبہ کا ہر اک ذرہ ہے جنت کا گلاب (۲۲)

نظریہ ساختیات اور پس ساختیات (Post-structuralism) کے حوالے سے نعتیہ شاعری میں مرکز کا انہدام موجود نہیں۔ ایک مرکز کے ساتھ منسلک ہو کر ہی حبیب خدا سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰؐ کی تعریف ممکن ہے تاہم رشتوں کے اِس نظام میں مرکزیت

☆ عظمتِ الٰہی

Marfat.com

کو حاصل ہوتی ہے۔ صبیح رحمانی کے ہاں بھی جلال و جمال کے یہ مناظر اپنی تمام تر رنگا رنگی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ صبیح کی ایک خوبصورت نظم دیکھیے:

گم شدہ سفر

منزلیں گم ہوئیں
راستے کھو گئے
راہ سیرت سے ہم ایسے بھٹکے شہاؐ
خود کو پہچاننا
کارِ دشوار ہے
زندگی
ریت کی جیسے دیوار ہے
آپ کا در ہمیں
پھر سے درکار ہے (۲۳)

ساختیات کا تعلق فکر اور فن سے یکساں ہے۔ صبیح کی اِس نظم میں اجتماعی شعور کو مناجاتی کیفیت میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نظم کا آغاز ''منزلیں گم ہوئیں'' سے ہوتا ہے۔ یہاں شاعر بے سروسامانی اور بے سائبانی کے ایک ایسے تکلیف دہ سفر کا ذکر کر رہا ہے جہاں راستے منزلوں کی طرف نہیں جاتے آغاز سے ایسی مناجاتی کیفیت کا بیان ہے جہاں تنہائی اور ویرانی اُس کا زادِ راہ بن گئی ہے۔

اس سے پہلے کہ میں اِس نظم کا ساختیاتی تجزیہ کروں۔ مجھے ڈاکٹر فہیم اعظمی کے الفاظ یہاں دھرانے ہیں

> ''(Criticism) یا تنقید کی اصطلاح ایک پورے سسٹم یا تھیوری پر عائد ہوتی ہے، کسی ایک فن پارے کو اس کے محدب شیشے کے نیچے رکھ کر جب ہم اس کا اطلاق اسی فن پارے پر کرتے ہیں اور فن کار کی شخصیت، اُس کی سوانح، اُس کا فلسفۂ حیات یا اس کی دیگر نگارشات کو کلیتاً درگزر کر دیتے ہیں تو کیا خاطر خواہ نتیجہ نکلتا بھی ہے یا نہیں؟'' (۲۴)

Marfat.com

بات یہ ہے کہ ساختیات اور پس ساختیات کی بحث کا اردو ادب میں جب آغاز ہوا تو ساختیاتی تنقید کی اصطلاح بھی استعمال ہونے لگی۔ سچ تو یہ ہے کہ اردو ادب میں کسی خاص فن پارے کو ساختیات کے حوالے سے کم کم ہی دیکھا گیا ہے۔ یہاں میں بات کر رہا تھا صبیح کی نظم ''گم شدہ سفر'' کی۔ خود ''گم شدہ سفر'' کا عنوان ہی اُس تاریخی تناظر کو بیان کر رہا ہے جس کو شاعر اکیسویں صدی میں پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے محسوس کر رہا ہے بحیثیت قوم ایک عالم گیر تنہائی کا احساس شاعر کو ہوا اور نعت کے شاعر کے پاس تو دعا اور مناجات کا سہارا موجود ہوتا ہے۔ اس عالم گیر تنہائی کی وجوہات کچھ بھی ہوں یہ بات اب یقینی ہے کہ دنیا تہذیبی تصادم کی دہلیز پر کھڑی ہے۔

استاد شاعر انعام اسعدی (مرحوم) کا ایک شعر ہے:

تنہائی کا احساس کبھی کم نہیں ہوتا
ہاں! اِس کے سوا اور کوئی غم نہیں ہوتا

اب پہلا مصرعہ ہی منزلیں گم ہونے سے آغاز ہوتا ہے اور پھر

''راستے کھو گئے''

کے منطقی انجام کی طرف چلتا ہے۔ ''راستے کھو گئے'' اس لایعنیت اور بے معنویت کا احساس دلاتا ہے جس کا بحیثیت قوم آج ہم شکار ہو گئے ہیں۔ یہ لایعنیت ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ منزلوں کا گم ہونا تو منطقی کیفیت ہے تاہم راستے کا کھو جانا دراصل استعاراتی طور پر زمین یا مٹی سے پیروں کا اٹھ کر خلاء میں تیرنے کی کیفیت کا بیان ہے۔ ایسے تمام لوگ جن کا اپنے نظریات پر یقین کامل نہ رہے ایسی کیفیات سے گزرتے ہیں اور شاید من حیث القوم ہم ایسی ہی حالتِ زار کا شکار ہیں

راہ سیرت سے ہم ایسے بھٹکے شہا
خود کو پہچاننا
کارِ دشوار ہے
زندگی
ریت کی جیسے دیوار ہے

صبیح کے ہاں زندگی جزوی صورت میں دیکھنے کا رجحان موجود نہیں۔ زندگی جزو بھی ہے اور کُل بھی۔ بہت سے اجزاء ایک کل کو جنم دیتے ہیں۔ یہ کُل پھر ان اجزاء میں تقسیم بھی ہو سکتا ہے۔ یہ

Marfat.com

دوطرفہ عمل (Irreversable Reaction) ہے لیکن جزو کی صورت میں کسی شے یا مظہر کو دیکھنے کے لیے جس شاعرانہ محدب عدسے کی ضرورت ہوتی ہے وہ صبیح کے شعری مزاج میں موجود نہیں بنیادی طور پر معاملہ فکر کی پیشکش کا ہوتا ہے۔غلام عباس اردو کے ایک معروف افسانہ نگار ہیں۔اپنے افسانہ ''کتبہ'' میں ایک مقام پر بازار کی منظر کشی کرتے ہیں۔اُس کی جزئیات نگاری کا افسانے کے بنیادی تھیم سے شاید کوئی خاص تعلق نہیں تھا لیکن جُزو نے کُل کو کیسے شکل دی۔افسانے کے اُس حصے کو ضرور پڑھیے اور حُسن کے اجزاء کو کل میں سماتے ہوئے دیکھیے اب ایک تو صبیح شاعر کو کم سے کم لفظوں میں دِل کی بات کہنی ہے اور اُس پر نعت کے شاعر کو احترام کے پردوں میں لپیٹ کر بات کہنی ہے اور تیسرے استغاثہ کی ایک مکمل کیفیت اِن سارے مراحل کے ساتھ حسن کے اجزاء کی ایک مکمل صورت میں تشکیل ہی تو شاعری ہے اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ صاحب! نعت کہنا آسان نہیں۔

زیرِ تبصرہ نظم میں سیرت کے راستے کو چھوڑ دینے سے زندگی کے راستوں کا پیروں تلے سے نکل جانا آج ۲۰۱۵ میں مسلمان ممالک کے باشندوں کی کیفیات کا سچا بیان ہے۔آج برما کے روہنگیا مسلمان اجتماعی بے حسی کا شکار ہیں اور اُن پر زندگی کے تمام راستے بند کردیے گئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کو کشتیوں میں سوار کر کے عملی طور پر زمین کے راستے اُن پر تنگ کر دیے گئے۔ یہاں صبیح جب راہِ سیرت کو ترک کرنے کی بات کرتے ہیں تو دراصل وہ اُن ممالک کی لیڈر شپ (Leader Ship) کا احوال بھی بیان کر رہے ہیں جن کی بے حسی نے مسلمان امت کو آج اِس حال تک پہنچایا۔میں شاعری میں جزو اور کُل کے حوالے سے حسن ازلی تک پہنچنے کی بات کر رہا تھا۔ یہ حسن ازلی خدا کی ذات ہے یا پھر اِس حسن ازلی کا پرتو ہمیں حضرت محمد مصطفیؐ کی ذات اقدس اور سیرتِ مطہرہ میں نظر آتا ہے

''جاوید نامہ'' میں ایک جگہ اقبال فرماتے ہیں:

''دنیا میں جہاں کہیں بھی رنگ و بو کا ظہور ہے اور جہاں بھی آرزو پروان چڑھتی نظر آتی ہے سمجھ لو کہ یا تو اسے نورِ مصطفویؐ کا فیض حاصل ہے یا ابھی وہ تلاشِ مصطفویؐ میں سرگرم ہے اور منزل کی تلاش میں سرگرداں ہے'' (۲۵)

اب اقبال کے جاوید نامہ کے ان اشعار (جن کا ترجمہ میں نے یہاں درج کیا) کو سامنے رکھیں اور صبیح کی نظم کو، تو صبیح کی نظم آج امت مسلمہ کا نوحہ بن جاتی ہے جو آج بھی نورِ مصطفویؐ کی

Marfat.com

تلاش میں سرگرم ہے لیکن منزل اور راستہ دونوں ہی کھو چکے ہیں۔

آپ کا در ہمیں

پھر سے درکار ہے

نظم کا اختتام پھر سے مدینہ کی ریاست کی جانب مسلم اُمہّ کے رجوع کی کوشش کی طرف لے کر جاتا ہے۔نظم اپنی کیفیات میں تاریخ کے لمبے سفر سے اکیسویں صدی تک آتی ہے۔کامیابی سے ناکامی اور پھر سے ناکامی سے سبق سیکھ کر زندگی کے رواں سفر میں شامل ہونے کا درس دیتی ہے اور علاج محبتِ رسولؐ ہی بتاتی ہے۔بہر حال یہ ایک کامیاب نظم ہے تاہم الفاظ کا در و بست اور نظم کا اختصار ایک تشنگی کے احساس کو جنم دیتا ہے

ستیہ پال آنند اردو نظم کا ایک بڑا نام ہیں۔اردو نظم کو اُن کی نظموں نے ایک وقار دیا ہے اُن کے ہاں بھی مختلف علوم سے دلچسپی اور تقابلِ ادیان کے ساتھ ساتھ محبتِ رسولؐ کی کیفیات ملتی ہیں۔بلراج کومل اُن کے بارے میں لکھتے ہیں

''ان کی خوش نصیبی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بطور اردو شاعر، معیار حصول کے اعتبار سے جو پذیرائی اور قبولیت انہیں ملی ہے وہ بہت کم عصری شاعروں کے حصے میں آئی ہے'' (۲۶)

میں نے ستیہ صاحب کی بہت سی نظموں کا مطالعہ کیا لیکن یہاں میں اُن کی ایک نعتیہ نظم کا جدید علوم کی روشنی میں تجزیہ کرنے کی کوشش کروں گا۔میری اس کوشش کا بنیادی مقصد نعت مبارک کی تنقید و تحسین کے لیے ایسے جدید علوم کا استعمال ہے جس کی مدد سے فن پارے کی باریک گرہوں کو کھول کر فن پارے کی تفہیم کی جاسکے۔اِس کوشش کو ابتداء ہی تصور کریں کہ رب کی ذات نے اگر برکت دی تو اِس سے نعت پر جدید علوم کی مدد سے تنقید کے نئے راستے کھلیں گے (انشاءاللہ)

میرے سامنے ستیہ صاحب کی تین مختلف نعتیہ نظمیں موجود ہیں لیکن یہاں میں اُن کی نظم ''حاضری'' کو پیش کر رہا ہوں

لیکن اُس سے پہلے ساختیات اور پس ساختیات کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کی رائے کہ اس نظم کو اِس رائے کے تناظر میں سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

''جب قاری یا نقاد تخلیق کے روبرو آتا ہے تو اُسے محسوس ہوتا ہے کہ آئینہ صفت تخلیق نے اسے منعکس کر دیا ہے اِس طور پر کہ اس کی پوری ذات

Marfat.com

''غیر ذات'' بن کر ابھر آئی ہے۔ ہر قاری بلکہ ہر زمانہ ''تخلیق'' کی قراءت میں اپنے آپ کو از سرِ نو تخلیق کرتا ہے'' (۴۷)

تخلیق آئینہ کی مانند قاری یا نقاد کو منعکس کر کے اُس کی ذات کو منفی کر دیتی ہے اور خود قاری یا نقاد تخلیق کی وساطت سے اپنی نئی تخلیق کے عمل سے گزرتے ہیں بلکہ وزیر آغا تو اِس سے کہیں آگے تخلیق کے وسیلے سے زمانوں کی تخلیق نو کے عمل کی بات بھی کر رہے ہیں۔ قاری یا نقاد کسی تخلیق سے وابستہ ہو کر ایک نئی ان دیکھی دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا فکر کی دنیا بھی ہوتی ہے اور فن کی بھی۔ فن کار اپنی تخلیق میں ایک خاص طرح کی فکر کو لفظوں کی شکل دیتا ہے اور لفظ ادب کی تخلیق میں سمت نما کا کردار ادا کرتے ہیں۔ متعین معنی کے ساتھ ادب میں لفظوں کا استعمال نہیں ہو سکتا کہ ادب کا بہت سا حصہ آفاقی اور ماورائی عناصر پر مشتمل ہوتا ہے۔ کوئی بھی متن خلاء میں تخلیق نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اردگرد کے حالات کو ظاہر بھی کرتا ہے اور اُن سے ظاہر بھی ہوتا ہے۔ ہر متن کی تحریر میں ''زبان'' ایک مشترک ذریعہ ہے اور اُس متن کی تخلیق میں دوسری قدرِ مشترک وہ ثقافت ہے جو متن کی تخلیق کا باعث بنی۔ ثقافت کا بیان لفظوں سے ہوگا اور لفظ اشارہ کی صورت عمل کریں گے۔ لفظ قدیم تہذیبوں میں ہی متعین معنی کے بجائے معنی نما، سمت نما یا اشارہ پر مشتمل تھے۔ قدیم عبرانی زبان میں مچھلی (Fish) کے لیے ن کا لفظ استعمال ہوتا تھا جو اپنی ساخت کے اعتبار سے ایک معنی نما یا اشارہ نظر آتا ہے۔ گمان غالب ہے کہ قدیم انسان نے مچھلی کی ساخت (تصویر) یا (Visualisation) کو جب کاغذ پر منتقل کیا تو لفظ وجود میں آیا۔ بحث طویل ہوئی لیکن ستیہ کی نظموں کا جو ایک خوبصورت پہلو ہے وہ لفظ کے متعین معنوں میں استعمال کی حوصلہ شکنی ہے۔ اُس کے ہاں لفظ سمت نما کا کردار ادا کرتے ہیں۔ آئیں پہلے نظم دیکھتے ہیں۔

حاضری

حضورِ اکرمؐ
فقیر ایک پائے لنگ لے کر
سعادتِ حاضری کی خاطر
ہزاروں کوسوں سے آپ کے در پر آ گیا ہے
نبی برحق
یہ حاضری گرچہ نامکمل ہے

Marfat.com

پھر بھی اس کو قبول کیجیے
حضورؐ! آقائے محترم
یہ فقیر اتنا تو جانتا ہے
کہ قبلۂ دید صرف اک فاصلے سے اُس کو روا ہے
اُس کے نصیب میں
مصطفیٰ کے در کی تجلیاں دور سے لکھی ہیں
نبی اکرمؐ
وہ سایۂ رحمتِ پیمبرؐ
جو صف بہ صف سب نمازیوں کے سروں پہ ہے
اُس کا ایک پرتو
ذرا سی بخشش
ذرا سا فیضانِ عفو و رحمت
اسے بھی مل جائے
جو شبہۂ مرسلین
دستِ دعا اٹھائے کھڑا ہے
اک فاصلے پہ لیکن
نمازیوں کی صفوں میں شامل نہیں ہے'
آقا!! (۲۸)

ستیہ کے ہاں اُن کی بیشتر نعتیہ نظموں میں دوری اور دوری میں حضوری کی کیفیات پیش کی جاتی ہیں۔ اُن کی ایک اور نعتیہ نظم میں خواب میں حضور انورؐ کی زیارت کی کیفیات کا بیان ہوا ہے۔ ستیہ کی زیرِ تبصرہ نظم میں ''میں'' انسانی سطح پر ایک فرد کی حیثیت سے پیش ہوا ہے۔

پروفیسر حمید کاشمیری نے اُن کی نظم ''دونوں گم صم'' پر تبصرہ کے دوران لکھا

''اُن کا فن آفاقی سطح پر قومیت، رنگ اور نسل کے اختلافات کے باوجود ایک وسیع تر آمیز انسانی صورت حال کو سامنے لاتا ہے جو روحانیت پر منتج ہوتی ہے''(۲۹)

Marfat.com

اس نظم میں بھی رِدِ رومانیت اور حقائق سے آنکھ ملا کر وہ ان کہی کہنے کی کوشش ہے جو ایک عالم گیر انسانی معاشرے کے ایک ایسے فرد کی کہانی ہے جو مسلمان نہیں لیکن رحمۃ للعالمینؐ سے محبت کا دعویدار بھی ہے اور حقیقی طور پر سمجھتا ہے کہ ان کا سایہ ساری انسانیت پر ہے۔ آغاز کی دو لائنیں

حضورِ اکرمؐ!

فقیر ایک پائے لنگ لے کر

ہمیں لفظ کے ہمہ سمتی علامتی انداز کے استعمال کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ فقیر کے پاؤں کی لڑکھڑاہٹ واضح طور پر قاری کو عقائد کی درستی یا نادرستی کی جانب پیش رفت کرواتی ہے۔ ہندو متھالوجیز میں تو ہم و پراسراریت اور اسلام کے سادہ اور آسان طریقۂ زندگی کے درمیان تقابل کی کیفیت صرف دو لفظوں ''پائے لنگ'' نے پیدا کر دی تو کیا اب بھی ہم اور آپ لفظ کے ست نمائی اثرات کو سمجھ نہیں پائیں گے۔ نظم رواں رہتی ہے اور ان مصرعوں تک پہنچتی ہے

''یہ حاضری گرچہ نامکمل ہے

پھر بھی

اس کو قبول کیجیے''

نظم میں ''میں'' کا کردار، اُس عالم گیر معاشرے کا فرد ہے جو کسی بھی مذہب سے تعلق رکھ سکتا ہے لیکن اس گلوبل ولیج (Global Village) میں امن و آشتی اور اتحاد و یگانگت کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ ایسے میں اُس کی نظر اسلام کے عالم گیر انسانی نظام کی جانب پڑتی ہے۔ فرد کو اُس کی ذات کے لحاظ سے جس قدر عزت اسلام دیتا ہے شاید ہی کسی مذہب میں فرد کو ایک اکائی کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہو۔ اب اسلام کے نظام پر مکمل یقین رکھنے والا فرد نبی اکرمؐ کی زندگی سے بحیثیت انسان تو فیض اٹھا رہا ہے لیکن اسلام پر بحیثیت کُل ایمان نہ رکھنے کے سبب اُسے اپنا نظریۂ حیات تسلیم کرنے میں ہچکچا رہا ہے۔ حرمین شریفین کے دروازے اللہ کی وحدانیت اور نبی اکرمؐ کی نبوت اور ختم نبوت پر یقین رکھنے والوں کے لیے تو کھلے ہیں لیکن غیر مسلم کو داخلے کی اجازت نہیں۔ یہاں سے محبت اور ہجر کے دوراہے پر کھڑے انسان کی داخلی کیفیات کو ستیہ کچھ یوں زبان دیتے ہیں:

وہ سایۂ رحمتِ پیمبرؐ

جو صف بہ صف سب نمازیوں کے سروں پہ ہے

اُس کا ایک پرتو

Marfat.com

ذرا سی بخشش

ذرا سا فیضانِ عفو و رحمت

''ذرا سا'' جیسے الفاظ محبت اور رحمت کے ایک چھینٹے کو بھی کافی گردان رہے ہیں۔ نظم کا ''میں'' حسنِ ازلی کی تلاش میں سرگرداں ایک ایسا فرد ہے جس کے ہاں حُسن اجزاء کی شکل میں تو موجود ہے لیکن ''کُل'' کو پانے سے ایک گونہ خوف بھی موجود ہے ''اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے'' کی تفسیر ہمیں آقائے دو جہاں سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰؐ کی زندگی اور آپ کی سیرتِ مبارکہ کے ایک ایک لفظ سے منعکس ہوتی نظر آتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ نظم کا ''میں'' اپنا بستی چولہ اتار کر حُسن کو ''کُل'' میں اتر کر دریافت نہیں کرتا۔ یہ کوئی خوف ہے، جھجک ہے یا تعصب کی کوئی جدید صورت۔ اگر یہ خوف ہے تو رحمۃ للعالمین کے ہاں جانی دشمنوں کو بھی معافی مل گئی تھی۔ فتح مکہ کے روز ازلی دشمنوں اور عقائد کی بنیاد پر جان تک لینے والوں کو بھی معاف کر دیا گیا تو اس ''میں'' کا خوف چہ معنی دارد۔ اگر کوئی جھجک ہے تو صرف اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور پھر سرکارؐ کے قدموں میں جگہ مل سکتی ہے لیکن اگر یہ تعصب ہے تو محبت اور تعصب کیسے ایک ساتھ چل سکتے ہیں؟ دل وہ کمرہ ہے جہاں صرف ایک بستر بچھا ہے محبت کو آرام کرنے دیجیے یا تعصب کو وہاں راحت سرا ہونے کا موقع دیں۔

فرد کی داخلی کیفیات آخر آخر مناجاتی روپ اختیار کر لیتی ہیں اور نظم کا اختتام ان لائنوں پر ہوتا ہے:

دستِ دُعا اٹھائے کھڑا ہے
اک فاصلے پہ لیکن
نمازیوں کی صفوں میں شامل نہیں ہے'
آقاؐ!!

دعا کا اختیار ہر انسان کو ہے۔ اپنی دلی خواہشات، مصائب یا مسائل اگر خدا کے حضور بیان نہیں کیے جائیں گے تو پھر کون سا مقام ہوگا لیکن نظم کا ''میں'' روضہ رسولؐ سے فاصلے پر کھڑا آقاؐ سے فیضان عفو و رحمت کے چند چھینٹوں کا سوالی ہے اُس پر تو پوری بارش برس سکتی ہے لیکن پھر وہ پیاسا کیوں ہے؟

محبت، ہجر عالم گیر تنہائی کا مارا یہ فرد اپنے داخل کو خارج سے ہم آہنگ نہیں کر پا رہا اور اپنی

Marfat.com

چھوٹی چھوٹی داخلی رکاوٹوں سے نبرد آزما ہے اور خارج کا جبر اُسے اپنے اندر کی دنیا کو کسی خاص نظریہ کی روشنی سے پرنور کرنے سے روکتا ہے۔ ''میں'' حاضری چاہتا ہے قدموں میں قربان ہونا چاہتا ہے لیکن اپنی زندگی کو اجزاء سے سجانے پر یقین رکھتا ہے۔ حُسن ''کُل'' کی صورت اس پر اثر انداز نہیں ہوتا کہ خارج کا جبر فرد کو اسلام کے اجتماعی کردار کو مجموعی صورت میں دیکھنے میں مانع ہوتا ہے۔ یوں ''میں'' رحمۃ للعالمین کے روضے سے دور کھڑا مناجات بیان کر رہا ہے نمازیوں کی صفوں سے دوری یہاں رنگ روشنی اور زندگی سے دوری کا استعاراتی بیان بن جاتی ہے۔ نظم عمدہ ہے اور لفظ استعاراتی دائرے میں سفر کرتے ہوئے کہیں کہیں علامت کا روپ بھی دھار لیتے ہیں۔

اور اب آخر میں خورشید رضوی کی ایک خوبصورت نعت کا مطالعہ کرتے ہیں اور ساختیات اور اسلوبیات کے تناظر میں خالق اور تخلیق کے درمیان رشتوں کی گرہیں کھولتے ہیں لیکن نعت سے قبل علامتی اظہار کے حوالے سے ایڈمنڈ ولسن کی رائے دیکھیں

''ہمارے دور کی ادبی تاریخ بہت حد تک علامتی اظہار کے ارتقاء اور اُس کی فطرت پسندی میں آمیزش یا آویزش سے عبارت ہے''(۳۰)

ایڈمنڈ ولسن کے عہد میں علامتی اظہار اپنے ارتقائی مراحل میں تھا لیکن آج اکیسویں صدی کی دوسری دھائی میں یہ ادب کے لیے صرف آرائش کا کام نہیں کر رہا بلکہ خود اظہار کی ماہیت میں پیوست ہو کر اظہارِ خیال کا حصہ بن رہا ہے۔ وہ شاعری جس کے پسِ پردہ علامتی نظام کام نہیں کرتا وہ خبر ہو سکتی ہے شاعری نہیں۔ شاعری میں موجود علامتی نظام شاعری کو خبر یا معلومات کی سطح سے نکال کر فکر اور خیال کی سطح پر لے جاتا ہے۔ یہی علامتی نظام لفظوں کو ہشت پہلو کر کے شعر کو آفاقی بناتا ہے اور زبان و بیان (Time & Space) کی قید سے آزاد کر کے کلاسیکل کا درجہ دلواتا ہے۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ علامت کیا ہے؟

علامت تشبیہ اور استعارے کے خاندان کی ہی رکن ہے تاہم یہ تشبیہ سے مختلف ہے، علامت تب پیدا ہوتی ہے جب لفظ اپنے متعین معنوں سے باہر نکل کر اظہار کو نیا راستہ دیتے ہیں کبھی کبھی سامنے کے لفظ یا زبان کا استعمال تاریخی تناظر سے جُو کر ایسی علامت تخلیق کر دیتے ہیں کہ لفظ کے آئینے میں قاری کو وہ تاریخی حقائق نظر آنے لگتے ہیں جو اِس علامتی اظہار کے بغیر نمایاں نہیں ہو سکتے تھے۔

یہاں علامتی اظہار کی پیشکش کے لیے مجھے ثروت حسین (مرحوم) کی ایک نعتیہ نظم یاد آ رہی

Marfat.com

ہے۔ثروت حسین جدید اردو غزل کے معروف شاعر تھے۔نعت اُن کے ہاں کم کم ہی نظر آتی ہے۔نعتیہ نظم دیکھیں۔ثروت حسین کی یہ نعتیہ نظم نعت رنگ نمبر 25 میں شائع ہو چکی ہے۔

نعت

رتوں کی بجتی گھنٹیاں
صدیوں کی گردان
آتے جاتے قافلے
تپتا ریگستان
اوجھل سارے راستے
بوجھل پیر جوان
لیکن اُس اندھیر میں
ایک وہ نخلستان
جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں
سب کو ملے امان (۳۱)

جب میں یہ کہتا ہوں کہ ادبی اظہار کے باطن میں علامت آرائشی کھلونا نہیں بلکہ ادبی اظہار کا حصہ ہے تو آج کے جدید شعری ماحول میں ہمیں ثروت یا اُن جیسے دوسرے شعراء کے ہاں علامت سازی کا عمل پوری طرح نظر آتا ہے۔

موسموں کے تغیر وتبدل اور صدیوں کے سفر میں مصائب میں گھری ہوئی انسانیت کی کہانی جہاں زندگی ایک ریگزار کی صورت میں رواں تھی۔زندگی کا یہ سفر جس میں کوئی نظریہ یا خواب آنکھ کی پتلی میں نہیں ٹھہرتا تھا اور ہر فرد ایک خوف میں گرفتار تھا۔مذاہب کے پیروکاروں نے خدا کی طرف جانے والے سب راستے عام آدمی پر بند کر دیے تھے۔خوف اور اندھیرے کی اس فضا میں خدا کی انسان سے محبت کا اظہار ہوتا ہے اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیؐ دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔اُن کی تشریف آوری سے زمین جو تپتا ریگستان تھی یکلخت نخلستان میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ''قافلے'' کا لفظ ہمہ جہت ہے۔زندگی کے اُس گزرتے سفر کی داستان سنا رہا ہے جب انسانیت پر طاقت ور طبقات کی جانب سے ظلم وستم کا بازار گرم تھا اور ''ریگستان'' سے ''نخلستان'' تک کا سفر حضرت محمد مصطفیؐ کی آمد سے قبل کی دنیا اور آقا کریمؐ کی آمد کے بعد کی دنیا کے درمیان فرق بتاتا

Marfat.com

ہے۔ثروت کے ہاں غزل میں علامتی نظام زیادہ بہتر اور زیادہ موثر ہے تاہم چند مصرعوں میں ایک مکمل تاریخ کا بیان زیر نظر نعتیہ نظم میں اپنا جلوہ دکھا رہا ہے۔

اور اب آخر میں خورشید رضوی کی نعت:

نعت

پادشاہاً ترے دروازے پہ آیا ہے فقیر
چند آنسو ہیں کہ سوغات میں لایا ہے فقیر

دیکھی دیکھی ہوئی لگتی ہے مدینے کی فضا
اِس سے پہلے بھی یہاں خواب میں آیا ہے فقیر

اہل منصب کو نہیں بار یہاں پر لیکن
میرے سلطان کو بھایا ہے تو بھایا ہے فقیر

اب کوئی تازہ جہاں خود اسے ارزانی کر
کہ جہانِ دگراں سے نکل آیا ہے فقیر

اُس کو اک خواب کی خیرات عطا ہوجائے
کہ جسے دید کی خواہش نے بنایا ہے فقیر

اک نگہ جب سے عنایت کی ہوئی ہے اس پر
اِک زمانے کی نگاہوں میں سمایا ہے فقیر(۳۲)

نعت کا سلسلہ غزل سے بالکل مختلف ہے۔یہ ایک ہی پیرایۂ بیان اور قوافی وردیف کے اشتراک کے باوجود غزل کا فکری پیراہن نعت کے چولے سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔خورشید رضوی کے ہاں غزل اور نعت دونوں میں روایتی اور کلاسیکی شاعری سے دلچسپی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔لفظ کو علامت کا روپ دھارنے کے لیے ایک خاص طرح کی فکری سطح کی ضرورت ہوتی ہے اور نئے تجربات کرنے سے خوفزدہ ہونا علامتی نظام کی نشوونما میں ہمیشہ مانع ہوتا ہے۔روایتی ادبی تناظر میں کہی گئی نعت میں انفرادی فکری حوالے نمایاں ہیں تاہم

''اب کوئی تازہ جہاں خود اسے ارزانی کر''

جیسے مصرعے نعت کو غزل کے اُسی علامتی نظام سے جوڑ دیتے ہیں جو غالب سے صرف چوبیس برس کی عمر میں یہ شعر کہلواتا ہے:

Marfat.com

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یا رب ہم نے بزمِ امکان کو ایک نقشِ پا پایا

میر اسی علامتی نظامِ فکر کے زیر اثر کہتے ہیں:

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر منہ نظر آتے ہیں دیواروں کے بیچ

(کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ سودا کے ہاں اس معیار کا شعر ہوگا؟)

ردیف ''ہے فقیر'' اُس احساسِ عجز کو بیان کرتی ہے جس سے ہر نعت کا شاعر نعت کے دوران گزرتا ہے۔

زیرِ نظر نعت میں خواب کا لفظ ہمہ جہت ہے۔ خورشید رضوی کے ہاں شعر خواب اور حقیقت کے درمیان سفر کرتے ہیں۔ خوابوں کا یہ سفر جب حقیقت کی صورتِ حال پر منتج ہوتا ہے تو شاعر محسوس کرتا ہے کہ وہ اِس خطۂ زمین پر پہلے بھی خواب میں آیا ہے۔ ردیف کو بہت خوبصورتی سے نبھایا گیا ہے اور رنگ و روشنی کے اِس سفر میں عجزِ بیان کا خیال بھی رکھا گیا ہے۔

مختصراً عرض ہے کہ ساختیات اور پس ساختیات کے نظریات اردو شاعری کے حوالے سے جانے پہچانے ہیں تاہم اردو نعت اور نعتیہ نظم کے حوالے سے ان نظریات کی Application ابھی تک نہیں ہوئی۔ میری اِس عرضداشت کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ نعت پر تنقید کے حوالے سے کچھ نئے راستے کھلیں نئے لوگ' فکر و فن میں نئے تجربات سے خوف زدہ نہ ہوں۔ آگے آئیں اور اِس نیک عمل میں اپنا حصہ ملائیں۔ میں اُن تمام اصحابِ فکر و فن کو دعوت دیتا ہوں جو ادب کے اِن جدید نظریات سے واقف ہیں یا انہیں سمجھنا چاہتے ہیں آئیں اور اظہار خیال کریں۔ چراغ سے چراغ جلائیں اور پھر دیکھیں روشنی کیسے فکر و خیال کو روشن کرتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

حوالہ جات

(۱) معنی اور تناظر، وزیر آغا، ڈاکٹر، نردبان سرگودھا، دسمبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۸۱

(۲) معنی اور تناظر، وزیر آغا، ڈاکٹر، نردبان سرگودھا، دسمبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۴۸

(۳) معنی اور تناظر، وزیر آغا، ڈاکٹر، نردبان سرگودھا، دسمبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۱۱۹

(۴) کلیات اقبال، اقبال، غلام علی اینڈ سنز لاہور، صفحہ ۹۳ تا ۹۵

(۵) کلیات اقبال، اقبال، غلام علی اینڈ سنز لاہور، صفحہ ۲۰۲

(۶) معنی اور تناظر، صفحہ ۹۲

(۷) آدمی اور کتاب، صفحہ ۸۷، زین پبلی کیشنز، کراچی، جون ۲۰۰۴ء

(۸) پچھلے پہر کا چاند، حسن نثار، بک ویژن، لاہور۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۲۱ تا ۲۴

(۹) پچھلے پہر کا چاند، حسن نثار، بک ویژن، لاہور۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء، (دیباچہ) صفحہ ۱۲

(۱۰) پچھلے پہر کا چاند، حسن نثار، بک ویژن، لاہور۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۲۸

(۱۱) پچھلے پہر کا چاند، حسن نثار، بک ویژن، لاہور۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۲۰

(۱۲) بے ستون، عابد سیال، ڈاکٹر، Narratives (Pvt)Ltd، اسلام آباد، مارچ ۲۰۱۴ء، صفحہ ۲۵

(۱۳) خواب زار، شوکت مہدی، گولڈن بکس پبلشرز، راولپنڈی، (بیک ٹائٹل) مئی ۲۰۰۸ء

(۱۴) خواب زار، شوکت مہدی، گولڈن بکس پبلشرز، راولپنڈی، (دیباچہ) مئی ۲۰۰۸ء

(۱۵) نعت اور تنقید نعت، سید ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، مارچ ۲۰۰۹ء، صفحہ ۴۹

(۱۶) افسانے کا منظر نامہ، مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، مکتبہ عالیہ، لاہور، طبع دوم ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۵۹

(۱۷) روحِ ایمان، منظر عارفی، جہانِ حمد پبلی کیشنز، اردو بازار کراچی، جنوری ۲۰۱۱ء، صفحہ ۱۴

(۱۸) روحِ ایمان، منظر عارفی، جہانِ حمد پبلی کیشنز، اردو بازار کراچی، جنوری ۲۰۱۱ء، صفحہ ۶۷

(۱۹) روحِ ایمان، منظر عارفی، جہانِ حمد پبلی کیشنز، اردو بازار کراچی، جنوری ۲۰۱۱ء، صفحہ ۸۱

(۲۰) روحِ ایمان، منظر عارفی، جہانِ حمد پبلی کیشنز، اردو بازار کراچی، جنوری ۲۰۱۱ء، صفحہ ۱۲۹

(۲۱) سرکارؐ کے قدموں میں (Reverence Unto His Feet)، صبیح رحمانی، سید، ۲۰۱۲، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، صفحہ ۲۵

(۲۲) سرکارؐ کے قدموں میں (Revercnce Unto His Feet)، صبیح رحمانی، سید، ۲۰۱۲، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، صفحہ ۱۰۱

(۲۳) سرکارؐ کے قدموں میں (Revercnce Unto His Feet)، صبیح رحمانی، سید، ۲۰۱۲، نعت ریسرچ

Marfat.com

سنٹر کراچی، صفحہ ۱۱۹

(۲۴) ستیہ پال آنند کی تیس نظمیں بلراج کومل (مرتبہ)، بزمِ تخلیق ادب پاکستان، طبع دوم ۲۰۱۳، صفحہ ۲۵

(۲۵) اقبال اور محبت رسولؐ، محمد طاہر فاروقی، ڈاکٹر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۲

(۲۶) ستیہ پال آنند کی تیس نظمیں، صفحہ ۷۰

(۲۷) تنقید اور جدید اردو تنقید، وزیر آغا، ڈاکٹر، صفحہ ۳۰

(۲۸) ستیہ پال آنند کی غیر مطبوعہ نعتیہ نظم بعنوان (حاضری)

(۲۹) ستیہ پال آنند کی تیس نظمیں، صفحہ ۶۸

(۳۰) مضمون ''علامتی اظہار'' مشمولہ ''نئی تنقید''، (صدیق کلیم) مرتبہ نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، صفحہ ۱۹۴

(۳۱) نعتیہ نظم (غیر مطبوعہ)، ثروت حسین (اب یہ نعتیہ نظم نعت رنگ نمبر 25 میں شائع ہو چکی ہے۔)

(۳۲) ادبیات (مجلّہ)، نعت نمبر، اکادمی ادبیات اسلام آباد، صفحہ ۱۶۷

☆☆☆

Marfat.com

حمد و نعت اور فرد کا نفسیاتی نظام

"ہماری رشیدہ باجی کہتی تھیں کہ جب کلیاں درود شریف پڑھتی ہیں تو کھِل کر پھول بن جاتی ہیں۔ اس بات کو سائنس کے میزان میں نہ تو لیے۔ اِس سے اُس مسلم معاشرے کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ معاشرے اسی طرح پھول بن کر کھلتے ہیں اور اُن کی خوشبو ساری دنیا کی فضاؤں میں تیرتی ہوئی انسانوں اور دوسرے مسافروں کو معطر بنا دیتی ہے۔" (۱)

نعت کے حوالے سے فرد کے نفسیاتی نظام میں ہونے والے مثبت تغیرات کے بارے میں سمجھنے اور سمجھانے کا ارادہ ہوا تو نظر نفسیات کی جدید تحقیق اور فرائیڈ' ایڈلر اور یونگ کے نظریات پر پڑی لیکن اسی دوران سید ابوالخیر کشفی صاحب کا ایک مضمون "نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں (ماضی کا سفر)" پڑھنے کا موقع ملا۔ اسی مضمون کا ایک اقتباس آپ اس عرضداشت کے آغاز میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ سید کشفی کی تحریر نے ذہن کے دریچے کھولے اور فرد کے نفسیاتی نظام کا رشتہ اُس کے عہد اور معاشرت کے ساتھ جڑنے کے عمل کی وضاحت کی۔ فرائیڈ' ایڈلر اور یونگ کے نظریات سائنس کی پرکھ میں درست ہوں گے لیکن علم بشریات (Anthropology) کے ماہرین فرد کے داخل اور خارج کو آج نئی کسوٹی پر پرکھ رہے ہیں۔

نفسیات کا تعلق فرد کے داخلی نظام کے ساتھ ہے لیکن داخلی نظام خود اپنے خارج سے قوت حاصل کرتا ہے۔ نفسیات انسانی ذہن اور کرداری محرکات کی تفہیم کا نام ہے۔ فرد کی ذہنی استعداد معاشرے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی ہیں۔ اِس نشوونما میں معاشرت، ثقافت اور تہذیبی عوامل حصہ لیتے ہیں۔ یہی نشوونما تخلیق کا باعث بنتی ہے۔ کچھ نیا کرنے کا جنون اِسی نفسیاتی نظام کا حصہ ہوتا ہے۔ تخلیقِ ادب آسان نہیں اور اُس سے بھی زیادہ تخلیق کی تفہیم ہے۔ نہ جانے شخصیت پر

Marfat.com

کتنے داخلی اور خارجی عوامل کے توازن سے ایک فن پارہ وجود میں آتا ہے۔

فرد کے نفسیاتی نظام کے اور تخلیق کے درمیان ایک نہایت پیچیدہ رشتہ ہے۔نفسیاتی رویوں اور فرد کے تخلیقی نظام کے درمیان ایک ایسی ان دیکھی دنیا ہے جس کو وسیع پیمانے پر فرائیڈ نے سمجھنے کی کوشش کی اور اسے تحلیل نفسی یا فرد کی ذہنی کیفیات کے مطالعے کا نام دیا۔ڈاکٹر سلیم اختر نفسیاتی تنقید کو ایک مختلف تناظر میں دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں

''نفسیاتی تنقید کے مخصوص مباحث کی یوں درجہ بندی کی جاسکتی ہے:

۱) مختلف اصناف ادب کے نفسیاتی محرکات کا سراغ اور وضاحت

۲) تخلیق کار کی شخصیت کی نفسی اساس کی دریافت اور پھر اُسکی روشنی میں تخلیقی شخصیت کا مطالعہ (۳) نفسیاتی اصولوں کے سیاق وسباق میں مخصوص تخلیقی کاوشوں کی تشریح اور ادبی مرتبہ کا تعین''(۲)

اردو نعت ایک اسلامی معاشرے کے افراد (مسلم وغیر مسلم دونوں) کے نفسیاتی نظام میں تغیرات پیدا کرتی ہے۔بات صرف اردو نعت کی ہی نہیں بلکہ افراد کے درمیان مذہب اور معاشرت میں گھلی ملی محبت ومروت ہے جو فرد کو ایک زندہ معاشرے کا رکن بناتی ہے۔آغاز کیا جائے تو ایک بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی رب کی ربوبیت اور رسول ﷺ کی رسالت کا پیغام اُس کے کان میں پہنچایا جاتا ہے۔اور اُسی لمحے سے اُس کے نفسیاتی نظام کی تشکیل کی ابتداء ہو جاتی ہے۔اگر چہ اِس تشکیل کا بیشتر حصہ لاشعوری ہوتا ہے۔لاشعور اور شعور کے درمیان یہی اتصالی کیفیت آگے چل کر ایک داخلی نظام کی بنیاد رکھتی ہے۔فرد کی یہی داخلی کیفیات آگے چل کر معاشرے میں محبت ویگانگت میں ڈھل جاتی ہیں۔جس سے معاشرہ مثبت قوت حاصل کرتا ہے۔یہ فرد کی داخلی کیفیات ہیں جس نے برعظیم کے مسلم معاشرے کو نبی کریم کی محبت اور شعائر دینی کا احساس دیا۔نعت بھی اسی محبت کا ایک ثبوت ہے۔کشفی صاحب پھر یاد آتے ہیں۔فرماتے ہیں

''اردو نعتیہ شاعری کا مطالعہ اُس وسیع پس منظر میں نہیں کیا گیا ہے اور اِسی لیے پوری طرح یہ احساس نہیں ہے کہ نعت رسول کے تارو پود سے برعظیم جنوبی ایشیاء کے معاشرے کی بنت ہوتی ہے''(۳)

اردو نعت کے حوالے سے اِس مضمون کو لکھتے ہوئے مجھے اس بات کا احساس بار بار ہوتا رہا کہ فرد کا داخلی نظام معاشروں کی بنیاد ہوتا ہے تو پھر اخوت ویگانگت اور محبت واتحاد والے

Marfat.com

معاشرے میں جنگ و جدل، گولہ بارود اور تکفیری حملے کہاں سے آئے؟ اس سلسلے میں بہت سے خواتین و حضرات سے رابطہ ہوا اور میں نے اُن سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ اُن کا نعت اور سیرت سے پہلا تعارف کب ہوا؟ تقریباً تمام افراد کے جوابات نے مجھے جو احساس دلایا اُسے اگر لفظوں میں بیان کروں تو نعت، سیرت مصطفیؐ یا مذہب کے حوالے سے انسانی شعور اپنی پہلی لاشعوری کیفیات کے ساتھ جاملتا ہے۔

(۱) پیدائش کے بعد دی جانے والی اذان

اللہ کی حقانیت اور ربوبیت کا یہ اعلان اور حضرت محمد مصطفیؐ کی رسالت کا یہ بیان اگر چہ بچے کی لاشعوری کیفیات کا حصہ ہوتا ہے لیکن شعور پر اثر انداز ہوتا ہے۔طبی سائنس آج اس بات پر متفق ہو چکی ہے کہ کسی بھی بچے کا دماغ ڈھائی سال کی عمر تک اپنی مکمل نشوونما حاصل کر چکا ہوتا ہے اور اِس نشوونما (Growth) کا آغاز پیدائش کے دن سے ہوتا ہے۔اب شعور اور لاشعور کے درمیان تیرتے ہوئے اِس ربانی پیغام کے اثرات ایک مسلمان کی زندگی پر ساری عمر رہتے ہیں اور میں تو یہاں تک سمجھتا ہوں کہ یوم الست کو کیا ہوا عہد بھی ہماری جسمانی زندگی کا اہم حصہ بنتا ہے اور روح کا یہ وعدہ ہم (مسلمان) جسم کے ساتھ عطا کی ہوئی زندگی میں پورا کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔اِس سلسلے میں بات کو آسان کرنے کے لیے اپنے ایک افسانے "عہد نامہ" کا یہ اقتباس درج کرنا ضروری ہوگا

> ''............میں دیکھ رہا تھا کہ میرے بچے، بھائی، بھتیجے، دوست سب آبدیدہ تھے ہوا کے جھونکے نے کاغذ کے ٹکڑوں میں حرکت پیدا کی تو مجھے خیال آیا۔
>
> یہ مجھے کون سا عہد یاد کروانا چاہتے ہیں؟
>
> وہ عہد جو میں نے یوم الست کو کیا تھا؟
>
> تب میں کیسا تھا؟ ہوا تھا یا پانی......جسم تھا یا روح......خواب تھا یا حقیقت ....لیکن مجھے یاد تھا میں نے وہ وعدہ کیا تھا۔اُس کی کبریائی کو تسلیم کرنے کا اس کو معبود ماننے کا۔'' (۴)

مسلمان اپنی جسمانی زندگی میں ہر اُس عہد کو پورا کرنے کا پابند ہوتا ہے جو اُس نے اپنے

Marfat.com

رب سے کیا تھا۔ ظاہر ہے یہ عہد ہمارے لاشعور میں اپنے پورے جاہ کے ساتھ موجود ہے۔ یہاں پر فرد (مسلمان) کی نفسی کیفیات لاشعور سے نکل کر شعور میں براجمان ہو جاتی ہیں اور فرد کا انفرادی نفسیاتی نظام مسلم اجتماعی شعور کی تشکیل شروع کر دیتا ہے

اقبال نے اسرارِ خودی میں فرد کے نفسیاتی نظام کی اسلامی اور اخلاقی تشکیل کے لیے تین مرحلوں کو اہم قرار دیا ہے

۱) اطاعت ۲) ضبطِ نفس ۳) نیابت الٰہی (۵)

اطاعت ہی اُس عہد کا اعلان ہے جو روح کی شکل میں ہم نے یوم ازل میں اللہ کریم سے کیا اور جسمانی حیثیت میں پیدائش کے فوراً بعد ہمیں اذان کی صورت میں یاد کروایا جاتا ہے۔

اللہ اکبر.................. اللہ اکبر

فرد کے نفسیاتی نظام کی تشکیل میں مذہب اور اخلاق نہایت اہم اور ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ نے دنیا کو اعلیٰ ترین اخلاق کے جو نمونے پیش کیے اُن سے صرف مسلمان ہی نہیں تمام جہان متاثر ہوا اور یوں قرآن کے اِس بیان کی سچائی اور عظمت پر قربان جایئے کہ اُس میں ارشاد ہوا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ O

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے ''۔ (الانبیآء...... آیت ۱۰۷)

یہی رحمۃ للعالمین کا اعجاز ہے کہ حضرت محمدؐ کے اخلاق حسنہ کی تعریف آپؐ کے دشمنوں نے بھی کی اور آج بھی سینکڑوں غیر مسلم شعراء نعت کہتے ہیں اور آپؐ سے محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ شاید یوم ازل کو کیا ہوا عہد آج بھی اُن کے شعور اور لاشعور کے درمیان ڈولتے ہوئے ان کے نفسیاتی نظام کو مثبت تحریک دیتا ہے تاہم لاشعور کا بیشتر حصہ شاید تحت الشعور تک پہنچتے پہنچتے تحلیل ہو جاتا ہے اور اجزاء کے حُسن میں ڈھلتے ڈھلتے رہ جاتا ہے۔

پروفیسر نجمی نے ستیہ پال آنند کی نظم "پیغام رساں" پر اپنی تنقیدی رائے دیتے ہوئے ایک جگہ لکھا تھا:

''ہمارے خیال میں خواب ہو یا بیداری، جو انسان کے بطونِ ذات ہوتا ہے، وہی مُتشکل ہو کر افکار و خیالات یا افعال واعمال کی صورت میں

Marfat.com

سامنے آتا ہے"۔(۶)

خواب میں نظر آنے والی کیفیات یا واقعات کا تعلق ہمارے لاشعور سے ہوتا ہے۔جدید نفسیات نے فرد کی نفسیاتی کیفیات کو سمجھنے کے لیے انسانی ذہن میں آنے والے خیالات اور سوچوں کی تعمیر اور تشکیل کے تین مرحلے بیان کیے ہیں.

۱)لاشعور:

وہ ذہنی حالت جہاں انسانی ذہن یادداشت کی حالت میں افعال واعمال نہ کر سکے تاہم یہ اجتماعی طور پر تغیر وتبدل کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

۲)تحت الشعور:

اِس حالت میں انسانی ذہن شعور اور لاشعور کے درمیان ہوتا ہے لیکن یادداشت (حافظہ) اور لاشعور کے درمیان ایک مکمل حد فاصل نہیں ہوتی اس حالت میں ذہن دیوار کے ایک طرف (شعور) سے دیوار کی دوسری جانب (لاشعور) میں آجاسکتا ہے اور اِس کیفیت میں تغیر وتبدل نیم شعوری سطح پر ہوتا ہے۔

بچپن کے واقعات مختلف جھلکیوں کی صورت میں ہماری یادداشت کا حصہ اِسی تحت الشعور کے تحت ہوتے ہیں

۳)شعور:

شعور وہ سطح ہے جہاں انسانی ذہن اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ عمل پذیر ہوتا ہے۔حافظہ (یادداشت) مکمل کام کرتا ہے اور اشیاء اور مظاہر کے ساتھ لاشعور سے حاصل کیا ہوا علم فرد کی نفسیات کی تشکیل کرتا ہے۔

نفسیات اِن تین کیفیات کے بیان کے بعد خاموش ہوجاتی ہے۔لیکن لاشعور سے پہلے کی حالت جہاں عالمِ ارواح میں ہم نے جو وعدہ کیا اُس کیفیت کے بیان کے لیے نفسیات کا علم کچھ بھی بیان نہیں کرتا تو ایسے میں کیا کیا جائے؟ یقیناً تجزیاتی سطح پر منطقی عوامل کے ذریعے حاصل کیے گئے علم نفسیات کی سچائی سے انکار نہیں تاہم یہ علم ناقص ہے مکمل علم یقیناً اِسی منبعِ علم کے پاس ہے جس نے انسانوں کو مختلف علوم دیے۔میری ذاتی رائے میں اُس کیفیت کے بیان کے لیے ذہنی سطح

Marfat.com

میں تجربہ سے ماوراء کوئی اور منطقہ بھی ہے جس کی دریافت ہونا باقی ہے۔حیاتیات (Biology) کی جدید تحقیق نے انسانوں کو ڈی این اے DNA (Deoxy Ribonucliec Acid) کے متعلق بتایا۔یہ جسم میں ہونے والے افعال واعمال کا جینیاتی کوڈ ہے جس پر نفسیات کی زبان میں شعور، تحت الشعور اور لاشعور تینوں کے اثرات پڑتے ہیں۔یہ موروثی اطلاع نامہ ہے۔DNA کی کارکردگی کو ابھی مکمل طور پر سمجھا نہیں جاسکا ہے۔لیکن جتنا سمجھا گیا اُس کے مطابق یہ ایک خط کی طرح مختلف نسلوں کے درمیان خصوصیات اور موروثی اثرات کو پہنچاتا ہے۔

"انسائیکلوپیڈیا آف کیمسٹری" میں DNA کو یوں بیان کیا گیا ہے

"The D.N.A carries genetic information cells and is normally packaged in one or more large macro molecules called chromosomes." (۷)

اِس میں کروموسومز کو جینیاتی معلومات کو ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچانے کا ذمہ دار بتایا گیا ہے۔شاید یہ بات قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہو کہ گزشتہ بیس برسوں میں کروموسومز پر کی جانے والی تحقیق کے دوران یہ معلوم ہوا کہ ماں کی طرف سے ملنے والے کروموسومز اکثر و بیشتر غیر متغیر (Non varient) یا غیر مختلف النوع ہوتے ہیں اور اپنی خصوصیات میں نسل در نسل ایک جیسے رہتے ہیں جبکہ باپ کی جانب سے ملنے والے کروموسومز (varient) متغیر یا مختلف النوع ہوتے ہیں گویا ماں کی طرف سے ملنے والے کروموسومز پشت ہا پشت تک اثر انداز رہتے ہیں اور شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں نسل در نسل اپنا ایک جیسا کردار ادا کرتے ہیں

یہاں اس جینیاتی بھید کو سمجھنے کے لیے نوبل انعام یافتہ ناول نگار حوزے سارامیگو کے اقتباس پر نظر ڈالنی ضروری ہوگی۔

> ''میں غلط تھا۔حیاتیات ہر چیز کا تعین نہیں کرتی اور جہاں تک جینیات (Genetics) کا تعلق ہے تو یہ بہت بھید بھرے راستے ہیں'' (۸)

حیاتیات کا علم انسان کے بدن اور حیات کے ساتھ منسلک ہے۔بدن کب روح میں تبدیل ہوتا ہے حیاتیات نہیں جانتی۔ذہن میں ہونے والے تغیراتی عوامل کا اظہار نفسیات کا علم کرتا ہے

Marfat.com

دل سے اٹھنے والی آواز کی جانب ادب (Literature) راستہ فراہم کرتا ہے لیکن چوتھی دشا کی جانب کون راستہ دکھائے گا؟ اگر اِس بات کو سمجھنے سمجھانے کی خاطر ذرا آسان بنانے کی کوشش کی جائے تو سلسلہ کچھ یوں قائم ہو گا۔

بدن (حیات)	علم حیاتیات	(Biology)
ذہن (شعوری اور لاشعوری کیفیات کا بیان)	علم نفسیات	(Psychology)
دل (جذبات و احساسات کا بیان)	ادب	(Literature)
روح (ماورائے بدن کیفیات کا بیان)	علم روحانیات (وجدان)	

علم نفسیات میں انفرادی اور اجتماعی شعور اور لاشعور کو سمجھنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ فرائیڈ نے شعور کے پس منظر میں ایک لاشعور کی نشاندہی کی تھی لیکن اُس کے شاگرد ژونگ نے انفرادی شعور اور لاشعور سے آگے بڑھ کر اجتماعی لاشعور کا تصور پیش کیا یہ اجتماعی لاشعور ادب کی سطح پر آر کی ٹائپ (Architype) سے عبارت ہوتا ہے۔ اِسی انفرادی اور اجتماعی شعور سے ترتیب پانے والا معنوی نظام جب ادب پارے کی تخلیق کا باعث بنتا ہے تو کئی تہوں پر مشتمل فن پارہ وجود میں آتا ہے۔

اِسی حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا نے لکھا:

"مصنف جب تخلیق میں مبتلا ہوتا ہے تو اُس کے اندر کی خواہش جو تہہ در تہہ خالی پن ہے۔ باہر کے مواد کو لگاتار اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تصنیف کے تناظر کے اندر ایک اور تناظر کا نمودار ہونا خواہش کی اسی کشش کے باعث ہے" (۹)

اردو نعت کے حوالہ سے فرد کی نفسی کیفیات میں ہونے والے تغیرات کو سمجھنے کے لیے جب میں نے اپنے ماضی میں جھانکا تو سمہ سٹہ ضلع بہاول پور (میری جائے پیدائش) میں اردو نعت سے میرا پہلا تعارف بھی شعور اور لاشعور کے درمیان ڈگمگاتی یادوں سے سجا ہوا ملا۔ ناصر کاظمی کا ایک شعر ہے:

میں نے جب لکھنا سیکھا تھا   پہلے تیرا نام لکھا تھا

برصغیر کے مسلم معاشرے میں پیدا ہونے والے بچے کو بچپن (شیر خوارگی کی عمر) میں ہی ماں پہلا لفظ "اللہ" سکھاتی ہے جو اُس کی ذہنی کائنات میں کچھ اِس طرح پیوست ہوتا ہے کہ پھر وہ عمر بھر دل پر لکھا رہتا ہے۔ پھر درود پاک کو لے کے ساتھ پڑھتی ہے۔ بچہ اُس مدھر موسیقی سے یقیناً متاثر ہوتا ہے اور اُس پر طرز، سُر اور لے کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ میری نعت کا ایک مقطع ہے

Marfat.com

یوں عقیدتیں محبت میں ملا رہا ہوں کاشفؔ
وہ درود پڑھ رہا ہوں مجھے ماں نے جو سکھایا

بنیادی طور پر بچہ ماں کی اِن چھوٹی چھوٹی محبتوں سے اُس مسلم معاشرے کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتا ہے جس کو آگے چل کر اُس کی نفسیاتی حالت کو مذہبی و معاشرتی توازن دینا ہوتا ہے۔ پھر اُس کے بعد قرآن پاک پڑھانے والی خالہ (سپارے والی خالہ) یا مسجد کے مولوی صاحب قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہوئے طالب علم یا طالبہ کو مسلم معاشرے کی اخلاقی پابندیوں اور ذمہ داریوں سے روشناس کرواتے چلے جاتے ہیں۔ مجھ تک مسلم معاشرے کی یہ مہک تین چار صورتوں میں پہنچی

۱) بچپن میں ماں کی جانب سے اور بعد میں سپارے والی خالہ کی جانب سے قرآن پاک کی چھوٹی سورتیں اور دعائیں یاد کروانا

۲) چھ یا سات سال کی عمر میں میرے بڑے بھائی صاحب مجھے حضرت محمدؐ کی شخصیت پر ایک مختصر سی تقریر یاد کروا کر ایک تقریب میں لے گئے۔ اپنی یادداشت کے بل پر میں نے بغیر اٹکے اُس تقریر کو وہاں پڑھ دیا۔ تقریر کے مندرجات تو یاد نہیں واقعہ دھندلا دھندلا سا یاد ہے تاہم انعام میں ملنے والی کاپی، ربڑ، پنسل اور شاپنر اپنے رنگوں کے ساتھ اور ریپر (Wraper) کا وہ سبز رنگ کا گڈی کا غذ ابھی تک آنکھوں میں لہراتا ہے۔

۳) والد صاحب چونکہ شاعر تھے اور گھر میں ایک شاعرانہ ماحول موجود تھا۔ صوفی مزاج ہونے کے باعث والد کی طبیعت میں رقت تھی تو جب وہ نبی کریمؐ کا ذکر کرتے تو آبدیدہ ہو جاتے اور ہم بہن بھائی والد کی اس آبدیدگی کے باعث ایک عزت و احترام کی کیفیت میں خاموش رہتے اور فضا میں تقدس کے رنگ بکھر جاتے۔ والد صاحب کی انہی دنوں کی خوبصورت یادوں کو سامنے رکھتے ہوئے بہت بعد میں ایک نعت کا شعر ہوا تھا:

میرے گھر میں محبت کا پہلا سبق   میرے بابا نے کی آپؐ کی گفتگو

۴) میری ماں اور بہنیں (سگی اور تایا زاد دونوں) مل کر نعت پڑھا کرتی تھیں اور میلاد والی آپا کے نام سے مشہور تھیں۔ ربیع الاول کے مہینے میں ہمارے قصبے سمہ سٹہ میں خواتین کے میلاد گھروں میں ہوتے اور اکثر محافل میں میری والدہ کے گروپ کو بلایا جاتا۔ بچپن میں کبھی کبھی میں بھی ساتھ جایا کرتا تھا۔ نعت کو ساتھ مل کر پڑھنے اور لے اور سُر کے ساتھ نعت کے غنائی عناصر کا ادراک مجھے انہی محافل سے ہوا تاہم میں اُس غنائیت کو اس وقت سمجھ نہ

Marfat.com

پایا جب میں نے اشعار کہنا شروع کیے تو اُن محافل کا اثر سامنے آیا اور میں وزن، قافیہ ، ردیف اور بحر کے معاملات کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کے قابل ہو سکا۔ ایسی ہی محافل میں میں اپنی ماں کے ساتھ بیٹھنا چاہتا لیکن ماں جی اوپر تخت (سٹیج) پر بیٹھتی تھیں اور وہاں نعت پڑھنے والی میری بہنیں بیٹھتی تھیں اِس لیے اکثر اوقات مجھے نیچے ہی بیٹھنا پڑتا۔ ایسی محافل میں میرے لیے زیادہ اکتا دینے والا مرحلہ وہ ہوتا تھا جہاں ماں جی یا گروپ میں سے کوئی دوسری بہن روایت پڑھتی تھی۔ نعت کی غنائیت اور موسیقیت تو ایک بچے کے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکتی تھی لیکن خشک انداز میں کی جانے والی تقریر میں جب کوئی واقعہ آتا تو ہم سب بچے غور سے سنا کرتے تھے۔ واقعہ کے فوراً بعد واقعہ کی مناسبت سے نعت کا آنا سامعین و حاضرین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوتا تھا۔

ایسی محافل ہائے میلاد کا آغاز عمومی طور پر حمد باری تعالیٰ سے کیا جاتا تھا اور اِس کا آغاز میری ماں جی کیا کرتی تھیں:

حمد ہے تیری خدا تیرا بڑا دربار ہے
عاجزی کا ہر بشر کو آپ سے اقرار ہے
چاند سورج اور ستارے دیتے ہیں تیری خبر
تیرے کاموں سے الٰہی شان کا اظہار ہے
بخش دے میرے گناہوں کو کرم سے اے کریم
فضل سے تیرے خدا بندے کا بیڑہ پار ہے

ایک دوسری حمد بھی اکثر و بیشتر پڑھی جاتی:

بنائے جس نے دو عالم اسے اللہ کہتے ہیں
بنے جن کے لیے اُن کو رسول اللہؐ کہتے ہیں

اِس کے بعد مختلف روایات کے ذریعے حضور اکرمؐ کی شان بیان کی جاتی لیکن اِس بات کا خیال رکھا جاتا کہ ہر روایت سے منسلک نعت مبارک پڑھی جائے مثلاً معراج شریف کی روایت کے بعد یہ اشعار ترنم سے پیش کیے جاتے:

فلک پھر یوں سجایا جا رہا ہے   انہیں دولہا بنایا جا رہا ہے
ہوا دے کر جگایا جا رہا ہے   شبِ معراج محبوب خدا کو

Marfat.com

میلاد شریف (حضرت محمد مصطفیؐ کی دنیا میں تشریف آوری کا بیان) ہوتا تو یہ خوبصورت نعت پیش کی جاتی:

خدا کا نور بن کر رحمۃ للعالمیںؐ آئے
مبارک ہو گنہگارو شفیع المذنبیںؐ آئے

مختلف درود و سلام بھی محفل کا حصہ بنائے جاتے

یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

ایک اور سلام بھی اُس زمانے کی محافلِ میلاد میں عمومی طور پر پڑھا جاتا تھا:

السلام اے نورِ امکاں السلام　　السلام اے شاہِ شاہاں السلام
السلام اے سبز گنبد کے مکیں　　السلام اے سیدِ ذیشانِ من
السلام اے سرورِ دنیا و دیں

نورِ امکاں اور سیدِ ذیشانِ من کی خوبصورت تراکیب جہاں اس خوبصورت کلام کی وقعت بڑھا رہی ہیں وہاں "نورِ امکاں" کی ترکیب حضرت محمد مصطفیؐ کو امکان کا نور قرار دے کر خود نعت اور موضوعاتِ نعت کی وسعت کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔ یہاں مجھے مشہور مفکر اور نقاد آرنلڈ کے شاعری پر کہے گئے الفاظ یاد آ رہے ہیں

"بہترین شاعری...... ہمیں جستجو ہے تو اسی کی۔ بہترین شاعری میں ایک اعجاز ہے جس سے ہماری دنیا بنتی ہے، جو ہمارا سہارا بھی ہے اور ہماری انبساط کا سبب بھی۔ اور یہ سہارا، یہ انبساط اور کہیں میسر نہیں" (۱۰)

آرنلڈ کے یہ الفاظ بہترین شاعری کی جستجو اور اُس سے پیدا ہونے والی مسرت کے متعلق ہیں لیکن سچ پوچھیں تو یہ الفاظ ہماری حمدیہ اور نعتیہ شاعری کے لیے موزوں ہیں۔ مسرت اور انبساط کی جو کیفیات نعت اور حمد نگاری کے ذریعے شعراء کو حاصل ہوتی ہیں اُن کی مثال ممکن نہیں ہے۔

شعر کے پڑھنے سے اگر اچھائی کا احساس اور حسنِ ازلی کا ادراک حاصل ہو تو شاعری قوت اور مسرت کا سرچشمہ بن جاتی ہے جو اپنے قاری یا سامع کو بھی اُس تجربے سے گزارتی ہے جس سے شاعر گزرا۔ اچھی تنقید کا منصب بھی قاری یا سامع کو انہی کیفیات کے قریب لے جانا ہے جہاں سے شاعر نے اُس شعری احساس کو جنم دیا۔

Marfat.com

بات ہو رہی تھی گھروں میں منعقد ہونے والی خواتین کی محافلِ میلاد کی جس کی ترتیب و تشکیل اُس زمانے (آج سے تیس سال قبل) میں ایک ہی انداز سے ہوتی تھی۔ پاکستان کی مڈل کلاس اور لوئر مڈل کلاس زندگی کو اپنی امنگوں اور خواہشات کے ساتھ اِس طرح گزارتی تھی کہ زندگی کے تمام رنگ اِس میں سجے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مذہب کا رنگ ان تمام رنگوں میں سب سے گہرا ہوتا تھا۔ عید ہو یا بقر عید، شب براءت ہو یا محرم، رمضان ہو یا عید میلاد ہماری مڈل کلاس نے آگے بڑھ کر معاشرے کو اپنے اصول وضوابط کے مطابق متحرک کیا تھا اور فرد کی فکری سطح کی بلندی معاشرے میں اخوت، محبت اور یگانگت کی خوشبو بن کر ایک زمانے کو معطر کر رہی تھی۔ لیکن پھر وقت نے پلٹا کھایا عمرانیات اور علم بشریات کے ایک طالب علم کے طور پر یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ زندہ معاشروں میں مڈل کلاس (متوسط طبقہ) معاشرے کو آگے بڑھانے اور زندہ و متحرک رکھنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ یہی مڈل کلاس ہے جو تہذیب کو ثقافت اور مذہبی اقدار کی مدد سے آگے بڑھاتی ہے یہی تہذیبی قوت معاشروں میں ادب، ثقافت، مذہب اور معاش کے نئے راستے کھولتی ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ رہی کہ ہم پچھلے تیس پینتیس سالوں کے دوران معاشرتی اور تہذیبی سطح پر نئے راستے بنانے میں ناکام رہے۔ دراصل جس متوسط طبقے نے سماج کو تہذیبی قوت دینی تھی بدقسمتی سے وہ قوت کا سرچشمہ ہی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ پچھلی ربع صدی میں پاکستانی معاشرے میں مڈل کلاس ہی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ بڑی چھلانگ کے ذریعے یہ متوسط طبقہ امیر طبقے میں ضم ہو رہا ہے یا غربت، مہنگائی اور خوفناک معاشی اصلاحات کے باعث لوئر مڈل کلاس (نیم متوسط طبقہ) یا غریب طبقہ (Labour Class) میں شامل ہونے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ آپ نے یقیناً غور کیا ہوگا کہ پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں امیر طبقہ (Elite Class) کے لیے اعلیٰ وسائل سے مزین آبادیاں تیزی سے وجود میں آ رہی ہیں۔ اور گلی محلے کا کلچر تیزی سے روبہ زوال ہوتا جا رہا ہے۔ اب معاشرتی سطح پر تہذیبی اصولوں کی تیاری کا کام متوسط طبقے سے نکل کر امیر طبقے (Elite Class) کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ اس تبدیلی سے ہمارا ادب بھی علیحدہ نہیں رہا اور ہماری شاعری اور ادب بھی ویسی تخلیقات پیدا کرنے میں ناکام ہوا جیسی آج سے نصف صدی قبل پیش کی جا رہی تھیں۔

مولانا حالی مقدمہ شعر و شاعری میں اِسی حوالے سے کچھ یوں لکھتے ہیں:

"قاعدہ ہے کہ جس قدر سوسائٹی کے خیالات، اس کی رائیں، اس کی

Marfat.com

عادتیں، اُس کا میلان اور مذاق بدلتا ہے اسی قدر شعر کی حالت بدلتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی بالکل بے ارادہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ سوسائٹی کی حالت کو دیکھ کر شاعر قصداً اپنا رنگ نہیں بدلتا بلکہ سوسائٹی کے ساتھ وہ خود بخود بدلتا چلا جاتا ہے"(۱۱)

مولانا الطاف حسین حالیؔ عمرانی نظریہ پر بات کرتے کرتے لاشعوری طور پر نفسیات کی ایک گرہ کو بھی کھول گئے۔ شاعر، ادیب معاشرے کی آنکھیں اور کان ہوتے ہیں۔ وہ سماج کی تصویر کاری کرتے ہیں۔ سماج بدلتا ہے تو شاعری کے موضوعات اور اندازِ فکر بھی لاشعوری طور پر بدلنا شروع ہو جاتا ہے اور یہ تبدیلی تہذیبی ارتقاء کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ برصغیر کے جس معاشرے میں ہم آپ رہتے ہیں یہاں یہ تہذیبی ارتقاء مغرب کے زیر اثر اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث جس تیزی سے ہو رہا ہے اُس تیز رفتاری نے معاشرے میں کچھ منفی اقدار بھی پیدا کی ہیں۔ دراصل بڑا ادب معاشروں کی تعمیر و تشکیل کے اصول بھی طے کرتا ہے۔

ہیری لیون نے کہا تھا:

''ادب اور معاشرے کا تعلق دوطرفہ ہے، ادب معاشرتی عوامل کا مرہون منت ہی نہیں ہوتا بلکہ بذاتِ خود یہ معاشرتی عوامل کا باعث بھی بنتا ہے''۔(۱۲)

بحث ماضی کے حوالوں سے نکل کر عمرانی حوالوں کی طرف چلی گئی۔ میں بات کر رہا تھا ماضی کی ان محافلِ میلاد کی۔ اِن محافل میں ترتیب و تنظیم کا خیال یہاں تک رکھا جاتا تھا کہ محفل میں مناجات، تعظیم اور درود و سلام پیش کرنے کے لیے تقدیم و تاخیر کا خیال رکھا جانا ضروری تھا۔ مناجات میں عام طور پر یہ اشعار پڑھے جاتے تھے۔

ہو قبول ہو قبول یہ دعا یا رب　　ہمیں دولت دیں ہو عطا یا رب

پھر محفل کے آخر میں پڑھے جانے والے درود و سلام سے قبل یہ تعظیمی اشعار پڑھے جاتے تھے۔

مومنو وقتِ ادب ہے آمدِ محبوب رب ہے
جائے آداب و طرب ہے، آمدِ شاہِ عرب ہے

اور پھر محفل کے آخر میں تمام حاضرین کھڑے ہو کر سرورِ کائنات حضرت محمدؐ کے حضور سلام

Marfat.com

پیش کرتے تھے

مصطفیٰؐ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شبِ اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود — نوشہ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

انہی محافل میں عربی زبان میں نعت یا نعتیہ قصائد کے کچھ حصے پیش کیے جاتے تھے۔ قصیدہ بردہ شریف بھی پہلے پہل ایسی ہی کسی محفل میں سُنا تھا۔ برصغیر کے عمومی مزاج میں عربی زبان سے محبت ہمیشہ شامل رہی ہے۔ عربی زبان کی وسعت اور قرآن کی زبان ہونے کے سبب عربی مسلمانوں کے لیے مقدس زبان سمجھی جاتی ہے۔

پروفیسر وہاب اشرفی کے بقول:

> ''دنیا کی قدیم ترین اور اہم ترین زبانوں میں عربی کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ بنیادی طور پر اس کا تعلق سامی خاندان سے ہے لیکن اپنی انفرادیت اور ہمہ گیریت کے سبب آج کے سائنسی اور ترقی یافتہ دور میں تمام علوم و فنون کو اپنے اندر سمانے کی بے پناہ قوت رکھتی ہے کیونکہ اس میں نزاکت بیان بھی ہے اور شوکتِ الفاظ بھی، اعجاز و ایجاز بھی ہے اور مترادفات و اقدار بھی۔'' (۱۴)

عربی زبان سے محبت برصغیر کے مسلمان گھرانوں کا ہمیشہ سے طرۂ امتیاز رہا ہے۔ فرد کی نفسیاتی کیفیات کا بہت گہرا تعلق عربی زبان سے بھی ہے۔ عربی زبان چونکہ قرآن کی زبان ہے اور دین کے مختلف شعائر بھی اسی زبان میں ادا کیے جاتے ہیں لہٰذا مسلمان گھرانوں میں اِس زبان سے تعلق بچپن سے جڑ جاتا ہے اور یہی فکری نظام آگے چل کر فرد کی شخصیت میں دینی شعائر سے محبت اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکامات کی پابندی کرنے کا احساس پیدا کرتا ہے۔

۱۲ ربیع الاوّل کے روز برصغیر کے تقریباً تمام علاقوں میں جلسے جلوسوں کا اہتمام کیا جاتا تھا اور آج بھی کیا جاتا ہے۔ میرے بچپن کے ان جلوسوں کی یاد آج بھی تازہ ہے جس نے سیرت اور نعت کی مہک سے مجھے آج تک مہکایا ہوا ہے۔ ان جلوسوں میں نعت خواں بزرگ اور نوجوان (اُن میں چھوٹی عمر کے بچے بھی شامل ہوتے تھے) تانگوں پر سوار ہو کر مائیک پر مختلف انداز میں خوش الحانی سے نعتیں پڑھتے اور آقا کریمؐ کے حضور درود و سلام پیش کرتے۔ تانگوں پر ہی مائیک کا نظام بیٹری کی مدد سے لگایا جاتا۔ میرے بڑے بھائی جلیس الرحمان جو ایک خوش گلو نعت گو نوجوان

Marfat.com

تھے تانگے کی سواری کرتے ۔اُن کے ساتھ ان کے دوست نعت خواں ارشد عزیز، چاند بابو، وحید چغتائی وغیرہ بھی نعت خوانی کرتے اور جلوس کا راستہ جو تقریباً چار پانچ کلومیٹر کا ہوتا تھا آہستہ آہستہ طے ہوتا۔ ہم بچے پیچھے پیدل چلتے یا پھر ٹریکٹر ٹرالیوں میں سوار ہو جاتے ۔اُس زمانے میں سنی ہوئی کچھ نعتیں جو خاص انہی جلوسوں میں سنی تھیں آج بھی سماعتوں میں رس گھول رہی ہیں اور یہ سطور تحریر کرتے ہوئے میرے سامنے اس جلوس کا منظر ایسے موجود ہے جیسے میں وہیں موجود ہوں

اللہ اللہ اللہ ہُو لا الہٰ الہ ہُو

آمنہ بی بی کے گلشن میں آئی ہے تازہ بہار

پڑھتے ہیں صلی اللہ وسلم آج در و دیوار

نبی جی

اللہ اللہ اللہ ہُو لا الہٰ الہ ہُو

ایک دوسری نعت:

زہے مقدر حضورِ حق سے سلام آیا پیام آیا

جھکاؤ نظریں بچھاؤ پلکیں ادب کا اعلیٰ مقام آیا

حضرت امام احمد رضا خانؒ کا معروف قصیدہ بھی اس جلوس کا خصوصی حصہ ہوتا تھا

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا

صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارہ نور کا

اِس کے علاوہ خاص ۱۲ ربیع الاول کے حوالے سے خصوصی نعتیں پڑھی جاتی تھیں

صبح میلاد نبیؐ ہے کیا سہانا نور ہے

آگیا وہ نُوروالا جس کا سارا نور ہے

ریلوے کلب گراونڈ تک تقریباً تین ساڑھے تین کلومیٹر کا فاصلہ تین چار گھنٹوں میں طے ہوتا اور گراونڈ میں اِس جلوس کا اختتام ہوتا۔ اختتامیہ جلسے میں مختلف علماء حضرات کی تقاریر کے ساتھ ساتھ میلاد کی خوشی میں گھوڑوں اور اونٹ کے مختلف کرتب اور ناچ پیش کیے جاتے تھے۔

اوپر دی گئی مسلمان فرد کے نفسیاتی نظام سے متعلق بحث کے بعد بات انسانی ذہن سے ہٹ کر انسانی فطرت کی جانب جاتی نظر آتی ہے۔انسانی فطرت انسانی روح پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا نام ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ انسان کو عمدہ طریقے سے پیدا کرنے کے متعلق ارشاد

Marfat.com

فرماتے ہیں

ترجمہ: انجیر کی قسم زیتون کی قسم۔ ہم نے انسان کو احسن طریقے سے پیدا کیا

(سورۃ التین، آیت ۱ تا ۴)

حدیث میں آتا ہے:

''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اُس کے ماں باپ اسے نصرانی ، یہودی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے احکامات اور احادیثِ مبارکہ سے انسان کے پاک فطرت ہونے کا علم ہوتا ہے۔ لیکن اُس کے خارجی حالات اُس کو اچھا یا برا بننے میں جو کردار ادا کرتے ہیں اِس کی جانب بھی حدیث کے الفاظ اشارہ کرتے ہیں۔ انسانی فطرت پر اُس کی پیدائش سے قبل بھی اللہ کی محبت کے اثرات موجود ہوتے ہیں اور یہی اُس کا ابتدائی نفسیاتی نظام ترتیب دیتے ہیں۔ فرائیڈ کے نظریات میں سے بعض اہم ترین نتائج جو انسان کی فطرت کے قرآنی نظریے سے قریب ہیں یا روحِ قرآنی کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں

۱) انسان کے تمام اعمال کا سرچشمہ صرف ایک ہے اور وہ ایک زبردست جذبۂ محبت کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ قرآن اِس محبت کو ایک وسیع تناظر دے کر خدا کی ذات بابرکات سے جوڑتا ہے اور یہ محبت خالق سے منسلک ہو کر بلند اظہار کے قابل ہو جاتی ہے جبکہ فرائیڈ چونکہ قرآن سے ناواقف تھا وہ اِس محبت کو جنسی جذبے کے تحت قرار دے کر اسے پاتال کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدُون

ترجمہ: ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا۔ (الذّٰریٰت۔ آیت ۵۶)

دوسری جگہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے

افی اللّٰہ شک فاطر السمٰوٰت والارض ط

ترجمہ: کیا خدا میں شک ہے جو کائنات کا خالق ہے (ابراھیم۔ آیت ۱۰)

۲) محبت کا یہ جذبہ لاشعوری ہے کیونکہ انسان اسے جاننے یا سمجھنے کے بغیر بھی اِس کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہوتا ہے گویا وہ اس سے ہانکا یا دھکیلا جاتا ہے۔

Marfat.com

قرآن اس جذبہٗ لاشعور کو ہدایت قرار دیتا ہے جو انسان کی فطرت میں ازل سے رکھ دیا گیا تھا۔ روزِ ازل جو وعدہ ارواح سے لیا گیا تھا۔

۳) بچپن میں ہمارا جذبہٗ لاشعور، استادوں اور بزرگوں کی محبت میں اور اُس کے بعد آدرشوں میں اظہار پاتا ہے۔ بچپن میں مذہب کی محبت، اللہ، اللہ کے رسولؐ اور احکامات خداوندی کو شعوری سطح پر سمجھنے کا عمل دراصل اُسی لاشعوری جذبہٗ محبت کا حصہ ہوتا ہے۔ پچھلے صفحات میں فرد کے شعور اور لاشعور کے درمیان حدِ فاصل کو سمجھنے میں جو واقعات بیان کیے گئے ان کا مقصد بھی لاشعوری سطح پر اسی محبت کو سمجھنا تھا جو ہماری فطرت میں ودیعت کی گئی۔ فطرت کا تعلق انسانی روح سے بھی ہوتا ہے اور لاشعوری کیفیات سے پہلے کی کیفیات سے بھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مدینۃ العلم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کبھی بھی بچے کی فطرت پر پیدا ہونے کی بات نہ کرتے۔ یہی فطرت میں ودیعت کردہ محبت اللہ کی ذات کے ساتھ ہمارے تعلق کو انسانی سطح پر بیان کرتی ہے اور پھر رسولِ اکرمؐ سے ہماری محبت کی کیفیات کا بیان بھی کرتی ہے۔ بنیادی طور پر علم پر نفسیات کا تناظر بہت مختصر ہے۔ نفسیات انسانی شخصیت کے سطحی پہلوؤں سے متعلق گفتگو کرتی ہے لیکن شخصیت کی عمیق گہرائی میں موجود انسانی فطرت میں موجود جذبوں کے حوالے سے اُس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ درست ہونے کے باوجود علم نفسیات علم ناقص ہے جو فرد کو صرف باہر سے دیکھتا ہے اور حکم جاری کرتا ہے۔ سائنس، منطق اور ایسے تمام علوم جنہیں تجربات کی پرکھ سے ثابت کرنا پڑے، میں یہ مسائل آتے ہیں کہ مابعد الطبیعاتی سطح پر ان کے لیے دیکھنا ممکن نہیں کہ ان کا اندازِ فکر و نظر انہیں ایک خاص بلندی سے اوپر دکھا نہیں سکتا۔

معروف سکالر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اپنی ایک تحریر میں اسی جانب اشارہ کیا ہے:

"اس دور میں علوم کو جس طرح بے خدا فلسفہ کے فروغ اور تصورِ مادیت کے پھیلاؤ کے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے وہ انسانیت کے لیے سب سے بڑا المیہ ہے۔ کائنات کی منبعِ اصل ہستی کو جب علوم و فنون اور فطرت انسانی میں ودیعت نصب العینی میلانات و رجحانات سے منقطع کر کے ایسے مادی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے گا تو دنیا میں اس سے انتشارِ فکری اور اشیاء کائنات میں موجود نظام وحدت سے ٹکراؤ سے جو

Marfat.com

تصادم برپا ہو سکتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔"(۱۴)

۴) آدرش (خواب و خواہشات کا اجتماعی نظام) ارتقاء کرتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ اپنی تکمیل کرتے ہیں۔ جوں جوں وہ ارتقاء کرتے ہیں وہ صفات مجردہ پر مشتمل ہوتے جاتے ہیں۔

حدیث مبارک کے الفاظ دھرائیں تو اندازہ ہوگا کہ والدین یا معاشرتی دباؤ کے باعث بچے کا مجوسی، عیسائی یا یہودی بن جانا دراصل اسی فطرتِ مقدسہ سے ہٹ جانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوم ازل ارواح کو سیدھا راستہ دکھایا گیا یعنی صراطِ مستقیم کا شعور اُس فطری محبت کی صورت میں دیا گیا جو خدا کی ذات نے ارواح کی فطرت میں اپنی جانب سے ودیعت کی۔ یہ تحفہ خداوندی انسان دنیا میں اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ مسلمان فرد کی خوش قسمتی ہے کہ اُس کی جسمانی زندگی کا آغاز اللہ کی بڑائی، پاکی اور بزرگی کے بیان کے ساتھ اِس گواہی سے ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ اسے بھلائی کے راستے پر چلنے کا وہی سبق بھی یاد کروایا جاتا ہے جو رب کی ذات نے اُسے یوم الست سکھایا تھا۔ فطرت کی یہ نیک چلنی ہمیشہ شخصیت کا حصہ رہتی ہے۔ انسان کا مختلف نیک کاموں میں حصہ لینا اِس لاشعوری تحفہ کا حصہ ہوتا ہے۔ غیر مسلم خواتین و حضرات کا اسلام قبول کرنا بھی اسی محبت کا حصہ ہوتا ہے جو حسنِ ازل یا ابدی حقیقت کی تلاش کرنے والوں کی فطرت میں شامل کی گئی ہے۔

ایک نو مسلم صالح ایچان (Saleh Echon) جو پہلے رومن کیتھولک عیسائی تھے۔ قبول اسلام کے بعد ان کی پہلی نماز اور پہلے سجدے کی کیفیات دیکھیے اور فرد کے نفسیاتی نظام پر حسنِ حقیقی کی اثر پزیری پر غور کیجیے۔

> "جب میں نے پہلا سجدہ کیا تو مجھے بے حد سکون ملا جو کہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ اپنے فضل و کرم سے میرے پہلے سجدہ کی سی کیفیت پھر پیدا کر دے۔"(۱۵)

حسنِ حقیقی کی خواہش کے اثرات انسانی شخصیت پر لامحدود ہوتے ہیں۔ روشنی، رنگ اور نور کی طرف بڑھنے کی فطری خواہش کا تعلق ہمارے ماضی کی لاشعوری کیفیات سے بھی ہوتا ہے اور ہمارے آدرش سے بھی، یہی آدرش ہمیں اللہ کی کائنات کو سمجھنے کے لیے مثبت قوت فراہم کرتے ہیں۔ ادب کا منصب بھی اُس حسنِ ازلی کی تلاش کی کوشش ہے۔ دعا کے دوران پیش آنے والی کیفیات ہمیں اُس ذاتِ لامحدود کے سامنے لا کھڑا کرتی ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے ۱۹۷۹ء میں حلقہ

Marfat.com

ارباب ذوق راولپنڈی کے سالانہ صدارتی خطبے میں اِس حوالے سے ایک بہت اہم بات کہی

"ہر فن پارہ ایک دعا کی طرح ہے کہ موجود کو ماوراء سے منسلک
اور مربوط کرتا ہے۔ جب انسان دعا کی کیفیت میں ڈوبتا ہے تو اپنی ذات
کو ذاتِ لامحدود کے روبرو لاکھڑا کرتا ہے۔" (۱۶)

قرآن پاک کی سورۃ الاعراف (سورۃ نمبر ۷) آیت نمبر ۱۷۲ میں اللہ تعالیٰ ارواح سے لیے گئے عہد کے متعلق بیان فرماتے ہیں

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ
عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ط قَالُوْا بَلٰی ج شَھِدْنَا ج

ترجمہ: اور جب لیا آپ کے رب نے آدم ان کی نسل اور اولاد سے عہد
اور ان کے انفاس کو گواہ بنایا اور پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب
نے کہا ہاں! (۱۷)

علماء کرام اور مفسرین حضرات نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پہلے روح جس نے بلیٰ (ہاں) کا لفظ کہا وہ نبی آخرالزماں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی روح مبارک تھی ۔اللہ تعالیٰ کو ارواح کے اس مثبت جواب نے ارواح کی فطرت میں رب کی محبت ودیعت کر دی اور یہی محبت جسم کے ساتھ موجود زندگی میں بھی ہمیں صراطِ مستقیم پر رکھتی ہے۔

حافظ مظہر الدین کا ایک شعر ہے:

جو حُسن میرے پیشِ نظر ہے اگر اسے
جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

یہی حسنِ ازلی ہمیشہ سے انسان کا مطمحِ نظر رہا۔اب اگر انسان کے فکری نظام پر غور کریں تو ہمیشہ سے اُس کے ہاں مندرجہ ذیل فکری منطقے اہم رہے ہیں۔

- ☆ الہامی کتب
- ☆ کائناتی اسرار
- ☆ عصری حقائق
- ☆ تبدیل ہوتا ہوا فکری منظر نامہ
- ☆ شعوری کیفیات
- ☆ لاشعور سے حاصل پیچیدگی
- ☆ مذاہب کے معاشرتی تغیرات

معاشرے کے ایک فرد اور علم بشریات (Anthropology) کے ایک طالب علم کے طور

Marfat.com

پر اِس بات کو سمجھنا مشکل نہیں کہ فرد کی شخصیت پر درون و بیرون دونوں طرح کے اثرات مختلف تغیرات پیدا کرتے ہیں۔شاعر کے طور پر میں یہ بات بھی سمجھتا ہوں کہ کسی تخلیق کار کی فکر پر اُس کے ماضی کے مختلف واقعات کا اثر بھی موجود ہوتا ہے۔

ناصر بغدادی نے اپنے ایک مضمون "کامیو کا نظام فکر" میں اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔فرماتے ہیں۔

> ''ہر بڑے ادیب کی تحریروں کے بین السطور میں اُس کی زندگی کے تجربات کو پڑھا جاسکتا ہے۔کامیو کی ابتدائی تحریروں میں اُس کا ماضی بلند بانگ آواز میں قاری سے ہم کلام ہے''۔(۱۸)

حسنِ حقیقی کے ادراک کے لیے انسانی فکر میں کچھ خاص طرح کی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔حسن کی پہچان ہر نظر کے لیے ممکن نہیں ہوتی ہے کہ حسن' وقت اور فاصلے کے مدوجزر میں مختلف تغیرات کے باعث ہمیں ہر بار ایک نیا منظر دکھاتا ہے۔شاعر یا مصنف حُسن کے کسی رنگ کو اپنی گرفت میں لیتا ہے لیکن عارف کے ہاں رنگوں کی ایک کہکشاں کو بیک وقت دیکھنے کی قوت موجود ہوتی ہے۔بنیادی مسئلہ شاعر،ادیب، محقق،نقاد یا عارف کی ذات نہیں بلکہ حُسن کی اپنی ذات کا مسئلہ ہے۔حسن اپنی لطیف ترین صورت میں زمان ومکان کی حدود سے ماوراء ایک ایسا لازوال منظر ہے جس میں سفر کرنے کے لیے یا جسے دیکھنے کے لیے روح کی لطافت کی ضرورت ہوتی ہے۔صوفیاء کے ہاں اُس حسن کو پانے کے لیے لطافت موجود ہوتی ہے لیکن اس لطافت کے تناسب کے تغیر کے باعث وہ حُسن کو بحیثیت کُل نہیں دیکھ پاتا لیکن اُس کے ساتھ ساتھ چل پاتا ہے اور شاید یہ سفر ہی اس کی معراج ہوتی ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا بیان کرتے ہیں

> ''حُسن سے لطف اندوز ہونے کے لیے نہ صرف فاصلہ ضروری ہے بلکہ اس فاصلے کے کم یا زیادہ ہونے کی طلب بھی خود حُسن کے ہر روپ میں موجود ہوتی ہے۔حُسنِ ازل کو پوری طرح دیکھ نہ سکنے کی وجہ یہی ہے کہ ایسا کرنے کے لیے ناظر کو پیچھے ہٹنے کے لیے جو لامحدود جگہ یعنی (Space) درکار ہے وہ اُسے حاصل نہیں ہے۔''(۱۹)

حمد ونعت بھی ادراکِ حسن ہی کی ایک صورت ہے۔حمد میں مختلف سطحوں پر اللہ تعالیٰ کی مختلف نعمتوں کا ذکر کر کے اُس کی حمد وثناء بیان کی جاتی ہے۔نعت کا سلسلہ بھی اُسی حُسنِ ازل کے

Marfat.com

ادراک کی (ایک خاص زاویے سے) کوشش ہے

ابو بکر محی الدین ابن العربیؒ کی نعت کے دو اشعار کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

ترجمہ: ۱۔ سُنو! میرے ماں باپ قربان، وہ فرماں روا اور سردار کون تھا؟

۲۔ جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان ٹھہرے ہوئے تھے

۳۔ وہی رسول الابطحی محمد ﷺ

۴۔ جن کو رفعت میں ہر شرف حاصل ہے، قدیم بھی جدید بھی (۲۰)

فرد کے نفسیاتی نظام پر مذہب، معاشرہ اور معاش براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ اللہ کا خاص کرم ہے کہ اُس نے ہمیں پاکستان عطا فرمایا۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور یہاں رہنے والوں کے دِل نظریۂ پاکستان کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے مقاصد میں اللہ اور اُس کے رسول حضرت محمدؐ کے قائم کردہ نظام پر اپنی زندگی گزارنا تھا۔ یوں فرد کی زندگی ایک اجتماعی احساس کے ساتھ پروان چڑھی۔ اگر معاشرتی سطح پر افراد کی انفرادی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو مندرجہ ذیل نکات نمایاں ہوں گے۔

☆ اللہ کے ایک ہونے اور اُس کی عظمت و بزرگی کا لاشعوری احساس۔ یہ احساس ہمیں عالمِ ارواح کے اُس عہد کا بھی احساس دیتا ہے جو ہم نے الست کے دن ارواح کی شکل میں اللہ سے کیا تھا قرآن کی سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ اِس کی شہادت پیش کرتی ہے۔

☆ پیدائش کے فوراً بعد مسلمان فرد کے کان میں دی جانے والی اذان۔ یہ اذان بھی فرد کے لاشعوری نظام کا حصہ بنتی ہے۔ اس کے اثرات نیکی اور بھلائی کی طرف رغبت کی صورت میں ہمیشہ اُس کی زندگی کا حصہ رہتے ہیں

☆ فکری سطح پر نمودار ہونے والی مثبت تبدیلیاں جو ماں کی گود سے ہی آغاز ہوتی ہیں چھوٹے چھوٹے لفظوں کی تشکیل میں مذہبی حوالے اُس کی شخصیت پر شیر خوارگی سے ہی مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔ ماں پہلے پہل لفظ اللہ کا ورد کرتی ہے اور بچہ اس نام کے جادوئی اثرات سے اپنے فکری نظام کو ترتیب دیتا ہے لیکن یہ سب بچے کے لیے لاشعوری کیفیات میں ہی انجام پاتا ہے۔ آپ نے کبھی کسی چھوٹے شیر خوار بچے کو لفظ سیکھتے ہوئے دیکھا؟ بچہ آغاز دو لفظوں سے ہی کرتا ہے۔ اللہ اور اماں دونوں لفظ محبت کے شیرے میں ڈوبے

Marfat.com

ہوئے اُسے محبت اور بندگی کے صحیح مفہوم سے آشنا کرتے ہیں۔ مسلمان فرد کی شخصیت کی تشکیل میں مسجد اور قرآن کی تعلیم بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ مسجد اللہ کا گھر ہے اور مسلمان بچے کی ابتدائی عمر میں اُس کا بھی دوسرا گھر ہوتی ہے۔ نماز آغاز سے ہی سکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بچہ یا بچی ماں کو دیکھ کر اِس عملی عبادت کا آغاز کرتے ہیں اور پھر مسجد سے اُن کا خصوصی تعلق جڑ جاتا ہے قرآن پاک کی تعلیم بھی زیادہ تر مساجد میں ہی دی جاتی ہے تاہم بعض اوقات مسجد کے بجائے محلے یا علاقے میں سپارہ پڑھانے والی خالہ یا باجی یہ کام کرتی ہیں۔ دونوں صورتوں میں قرآن کی روشنی نفسیاتی نظام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہی روشنی آگے چل کر فرد کو ہر کام میں اللہ اور اُس کے حبیبؐ کے احکامات کو مدنظر رکھنے کا درس دیتی ہے۔

☆ بنیادی طور پر آغاز کے ان کاموں میں مذہب کی تاثیر اتنی زیادہ اور مؤثر ہوتی ہے کہ فرد کی شخصیت کے اردگرد دینی احکامات اپنی پوری قوت سے ایک حصار قائم کر لیتے ہیں اور فرد کی زندگی مذہب کے قوانین کے مطابق بسر ہونے لگتی ہے۔

☆ بعض اوقات مذہب کے ان اثرات میں فرد کے نفسیاتی نظام پر مختلف مذہبی تہواروں کے اثرات بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ محرم سے لے کر شب براءت اور رمضان سے لے کر عید تک فرد کی شخصیت ایک ایسے سانچے میں ڈھل جاتی ہے کہ وہ اِن مذہبی تہواروں کے اثرات بھی اپنے فکری و نفسیاتی نظام پر محسوس کرتا ہے۔

☆ بچپن سے مختلف محافل حمد و نعت میں شرکت، سکول میں مختلف تقریری اور نعتیہ مقابلوں میں شرکت یا بحیثیت ناظر شرکت، ربیع الاول کے جلوس میں شرکت بھی فرد کو ایک خاص مذہبی غلاف میں لپیٹ لیتی ہے جو آہستہ آہستہ اُس کے فکری نظام کو مذہبی مہمیز عطا کرتا ہے۔

☆ مسلمان فرد کی شخصیت پر حج اور عمرہ پر جانے کی خواہش (اور اگر وہ اِن کیفیات سے مستفید ہو چکا ہے) تو بار بار جانے کی خواہش بھی ایک خاص طرح کا مذہبی اثر پیدا کرتی ہے۔ بچپن سے خانہ کعبہ تصاویر اور روضۂ رسولؐ کے عکس پر مشتمل مناظر کو دیکھتے رہنے اور گھر میں اللہ اور رسولؐ کی باتوں کے اثرات شخصیت پر اپنا حصار قائم کرتے ہیں اور فرد دین کے زیر اثر مختلف عوامل سرانجام دینے لگتا ہے۔

یہاں تک کی بحث عام مسلمان فرد کی کی نفسیاتی کیفیات پر مذہب کے اثرات کے مطالعے

Marfat.com

کی کوشش تھی لیکن ایک شاعر یا ادیب کے تخلیق کے ساتھ ساتھ رشتے پر مذہب کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں انہیں سمجھنا ایک مختلف عمل ہے تخلیق کا فن کار سے تعلق اور فن کار کی شخصیت پر موجود مختلف معاشرتی یا مذہبی اثرات کس صورت میں فن پارے میں ظاہر ہوتے ہیں اِس کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ دینا تو شاید ممکن نہ ہو کہ فن پارے کی تخلیق ایک پیچیدہ اور مرکب عمل ہے جس کی منطقی وضاحت آسان نہیں۔ تاہم اتنا ضرور کیا جاسکتا ہے کہ کسی فن پارے کی خصوصیات کی تلاش میں شخصیت کے عناصر کو بھی شامل بحث کیا جائے اور فکر کے کسی نئے منطقے کی دریافت کی کوشش کی جائے۔ تخلیق کے تہذیبی عناصر کی دریافت کے لیے ناظر کا اُس سے ایک خاص فاصلے پر ہو کر اُسے دیکھنا ضروری ہے کہ اُس کا مکمل حُسن اُسے نظر آسکے۔ شعری تخلیق اپنے حُسن کو آشکار ہی اُس وقت کرتی ہے جب ایک خاص جمالیاتی فاصلے سے اُسے دیکھا جائے گویا تخلیق خود قاری کو غیر شعوری طور پر اُس جمالیاتی فاصلے کا احساس دیتی ہے اور یوں قاری اور تخلیق ایک خاص رشتے میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ شعری تخلیق کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں

''شعری تخلیق وقت کے تسلسل اور فاصلوں کے مد وجزر سے حاصل کیا ہوا وہ "لمحہ" ہے جس کی شاعر نے لفظوں میں تجسیم کر دی ہے۔'' (۲۱)

نعت کی شاعری میں عام طور پر دو طرح کے شعراء کرام موجود ہیں:

(الف) ایسے نعت گو شعراء جو صرف حمد و نعت اور منقبت و سلام (دینی شاعری) کرتے ہیں اور ان موضوعات کے علاوہ کسی دوسری صنفِ ادب میں شعر نہیں کہتے

(ب) ایسے شعراء کرام جو عام طور پر غزل اور نظم کے شاعر ہیں تاہم محبت خدا اور سول صحابہ کرامؓ اور اولیاءؒ اللہ میں وہ حمد، نعت، منقبت اور سلام بھی کہتے ہیں۔

ظاہر ہے ان دونوں گروہوں کے شعراء کا فکری نظام بنیاد سے ہی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ صرف مذہبی شاعری سے منسلک شعراء کے ہاں حضرت محمدؐ سے محبت کا جذبہ ایک بالکل مختلف فکری سطح پر نظر آتا ہے جہاں عزت، احترام، تکریم کے جذبات نمایاں ہوتے ہیں۔ لفظوں کا در و بست نہایت سنبھلا ہوا اور بات کو پردے میں رکھ کر کرنے کا فن بھی نمایاں نظر آتا ہے لیکن فکری سطح پر روایت سے جڑے ہونے کے باعث اُن کے ہاں فن کی سطح پر کوئی نیا ادبی تجربہ نظر نہیں آتا۔ نیچے دیے گئے اشعار محبت و عقیدت کی کیفیات سے متصف ایسے اشعار ہیں جن میں غزل کی کلاسیکی روایت کا رچاؤ موجود ہے تاہم فکری سطح پر کسی نئے ادبی تجربے کی کوشش نظر نہیں آتی۔ نعت

Marfat.com

کے روایتی شاعر کے ہاں محبت وعقیدت کے جذبات میں انفرادی حوالوں سے مختلف نعتیہ مضامین کا استعمال کیا جاتا ہے۔اشعار دیکھیں

چین مانگا ہے نبیؐ سے نہ شفا مانگی ہے
دردِ الفت میں تڑپنے کی ادا مانگی ہے (عثمان ناعم)

غزل کا سا انداز دیکھیے:

یہ سارا عالم امکاں تمہارے سامنے ہے
تمہی کہو کوئی تم سا دکھائی دیتا ہے (سرو سہارنپوری)

☆☆

ملا جو اُنؐ سے تو دونوں جہان کہتے ہیں
ہمارے پاس بھی بیٹھو گے دو گھڑی کے لیے (سلمان رضوی)

☆☆

اگر طیبہ نہ ہوتا دیکھنے کو
تو پھر دنیا میں کیا تھا دیکھنے کو (ہلال جعفری)

انفرادی حوالوں سے متصف نعت کا شعر دیکھیے:

جرم وہ جو مجھے کھل کے رونے نہ دے
دن کو رسوا کرے شب کو سونے نہ دے
روبرو آپؐ اپنے بھی ہونے نہ دے
لے کے میں آپؐ کے روبرو آ گیا (احسان اکبر)

روایتی شعرائے نعت کے ہمراہ اردو غزل کا ایسا شاعر بھی نعت کہہ رہا ہے جس کے ہاں فکری سطح پر نئے تجربات اور فنی سطح پر نعت میں مختلف تبدیلیوں کے تجربات بھی شامل ہو چکے ہیں۔غزل کے اِن شعراء کے ہاں نئے فکری وفنی تجربے سے کسی قسم کا خوف موجود نہیں ہے۔عزت واحترام کے تقاضے پورے کرتے ہوئے وہ نئے انداز میں موضوعاتِ نعت کی تشکیل کر رہے ہیں۔ایسے میں ان شعراء کی تخلیقات میں کہیں کہیں موضوعاتی سقم بھی رہ جاتا ہے تاہم عمومی طور پر یہ لوگ نئے انداز میں نعت کہہ رہے ہیں۔

Marfat.com

مثالیں دیکھیں:

رکھتے ہیں صرف اتنا نشاں ہم فقیر لوگ
ذکرِ نبیؐ جہاں ہے وہاں ہم فقیر لوگ (عقیل عباس جعفری)

☆☆

جہاں اترتی ہیں صبحیں بھی باوضو ہو کر
ہے رشکِ خلد وہی آستاں مدینے کا (نثار ترابی)

☆☆

اشکِ غم آنکھ سے ٹپکا تو مجھے آیا یقین
شمع بہتے ہوئے پانی میں بھی جل سکتی ہے (اسلم راہی)

☆☆

جہاں تک آپ نے سوچا زمان ولامکاں کو
مرے آقاؐ کوئی کب سوچ سکتا ہے وہاں تک (اختر شیخ)

☆☆

کچھ اور ہی نظر آتا وجودِ پاک اُنؐ کا
مقطعات کے اسرار اگر عیاں ہوتے (وفا چشتی)

☆☆

ایک مرکز کی طرف رُخ کر دیا افکار کا
منتشر اقدار کا شانے سے شانہ مل گیا (انجم خلیق)

☆☆

نخیل و ناقہ وصحرا اذاں صدا لہجے
گھنیری شام سنہرا سماں وفا لہجے (ڈاکٹر محمد حامد)

☆☆

میں نے قرآن کی تفسیر میں سیرت کو پڑھا
نور کو دائرہِ نور کے اندر رکھا (افتخار عارف)

☆☆

Marfat.com

ہر اک عمل مرے آقا کا ایک آیت ہے
ان آیتوں میں ہی تفہیم کائنات ہوئی (شبنم رومانی)

☆☆

پہنچنا چاند پر تو اک بہانہ تھا مرے آقا
یہ دنیا آپ کا نقشِ کفِ پا ڈھونڈتی ہوگی (وسیم بریلوی)
اتاری روح کی بستی میں جلووں کی دھنک اُس نے
شکستِ شب پہ سو جیسے سحر آہستہ آہستہ (سید صبیح رحمانی)

☆☆

کہکشاں اس کے غبارِ کفِ پا کا پرتو
اس کا جلوہ ہے جو آفاق میں تنہا پھیلا
کرۂ ارض کو ہے ناز کہ وہ ابرِ کرم
اس پہ برسا جو سر عرشِ معلیٰ پھیلا (محسن احسان) (۲۲)

مختصراً یہ کہ حمد و نعت کے مضامین جب اذہان پر اترتے ہیں تو اُن کے اترنے اور تخلیق سے وابستہ عوامل کو ابھی مکمل طور پر سمجھنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کہ تخلیق خود ایک پیچیدہ، وسیع اور مرکب عمل ہے جس پر لاتعداد اندرونی و بیرونی مظاہر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بہت ترقی کے باوجود بھی میڈیکل سائنس انسانی دماغ میں موجود خلیات کی کارکردگی کو صرف ساٹھ فی صد (60%) سمجھنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ انسانی دماغ کے اربوں خلیات میں سے بیشتر کے کام ابھی تک سائنس کو مکمل طور پر سمجھ نہیں آئے ہیں۔ ایسے میں ہم ادب کے لوگ تخلیق، قاری اور خالق کے درمیان رشتوں کی گرہوں کو مکمل طور پر کھولنے میں تو شاید کامیاب نہ ہوں کہ تخلیق پر اثر انداز عوامل و مظاہر فکرِ انسانی کی گرفت میں مکمل طور پر نہیں آئے ہیں۔ اِس کی بڑی وجہ تو انسانی علوم کا ناقص ہونا ہے کہ اُس منبع علوم (اللہ تعالیٰ) نے کائنات کے بہت سے اسرار ابھی اپنی دسترس میں رکھے ہیں۔ شاید وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ انسان ابھی اس ذہنی سطح پر نہیں پہنچا جہاں وہ ان اسرار کو دیکھے، سمجھے اور برداشت کر پائے۔ حمد و نعت کے حوالے سے اس فکری و نفسیاتی عمل کو منطق کی رُو سے سمجھنے کی یہ ایک سنجیدہ اور میری ناقص معلومات کے مطابق پہلی باقاعدہ کوشش ہے جو اگرچہ خام ہے لیکن طویل سفر کے لیے بھی پہلا قدم تو مسافر کو بڑھانا ہی ہوتا ہے سو اس سعی خام کو پہلا قدم ہی

Marfat.com

سمجھا جائے۔شاید اب جدید علوم اور نعت مبارک کے حوالے سے چراغ سے چراغ جلنے کا عمل شروع ہو جائے کہ علم ہی ملتِ اسلامیہ کے مسائل کا اصل علاج ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات

(۱) نعت اور تنقید نعت، سید ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، صفحہ ۱۶۷

(۲) تنقیدی دبستان، سلیم اختر، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، صفحہ ۱۵۴

(۳) نعت اور تنقید نعت، سید ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، صفحہ ۱۸۸

(۴) افسانہ "عہد نامہ" (غیر مطبوعہ)، کاشف عرفان

(۵) اقبال اور محبت رسولؐ، طاہر فاروقی، ڈاکٹر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، صفحہ ۵۴

(۶) مضمون "پیغام رساں"، قیصر نجفی، پروفیسر، نعت رنگ نمبر ۲۲، صفحہ ۳۶۴

(۷) انسائیکلوپیڈیا آف کیمسٹری، بحوالہ اردو فکشن میں وقت کا تصور، ڈاکٹر ناہید قمر، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

(۸) تقریر "حوزے سارا میگو" مشمولہ "تجربے سے کردار تک" مرتبہ آصف فرخی س(Ceen) کراچی، جولائی ۱۹۹۹ء

(۹) معنی اور تناظر، وزیر آغا، ڈاکٹر، مکتبہ نردبان، سرگودھا، صفحہ ۲۰

(۱۰) اُردو شاعری پر ایک نظر (حصہ اول)، پیش لفظ، کلیم الدین احمد، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۱۹۸۳ء

(۱۱) مقدمہ شعر و شاعری، الطاف حسین حالی، مولانا، خزینہ علم و اب لاہور، صفحہ ۲۴

(۱۲) Five approaches of literacy criticism, page 126

(۱۳) تاریخ ادبیات عالم (جلد دوم)، ایجوکیشنل پبلی کشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۵ء

(۱۴) قرآن اور علم جدید، تقریظ، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، حیدر آباد، مارچ ۲۰۰۹ء، صفحہ ۲۰

(۱۵) مکہ مکرمہ کے چند تاریخی واقعات، (مرتبہ) امتیاز احمد، دارلسلام اسلام آباد، ۱۴۲۸ھ

(۱۶) سالانہ صدارتی خطبہ، از ڈاکٹر وزیر آغا، ادب اور عصر حاضر، مرتبہ ڈاکٹر عابد سیال، نقش گر راولپنڈی ۲۰۰۸ء

(۱۷) القرآن، سورۃ الاعراف، آیت ۱۷۲

(۱۸) (۲۰) سہ ماہی "رجحانات، جولائی، ستمبر ۱۹۹۶ء، صفحہ ۸۳

(۱۹) مضمون "ادراک حسن کا مسئلہ" معنی و تناظر، ڈاکٹر وزیر آغا، صفحہ ۴۴

Marfat.com

(۲۰) سہ ماہی ادبیات (نعت نمبر، اکادمی ادبیات پاکستان جنوری تا جون ۲۰۱۴ء صفحہ ۳۷
(۲۱) مضمون "ادراکِ حسن کا مسئلہ"، معنی و تناظر، ڈاکٹر وزیر آغا، صفحہ ۳۴
(۲۲) تذکرہ نعت گویان (راولپنڈی اسلام آباد)، (مرتبہ) قمر رعینی، انجم پبلی کیشنز راولپنڈی

☆☆☆

Marfat.com

کتابیات

(۱) القرآن

(۲) اقبال اور محبت رسولؐ، طاہر فاروقی، ڈاکٹر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۷ء

(۳) اقراء، صہبا اختر، مکتبہ ندیم کراچی، ۱۹۸۱ء

(۴) اجمل واکمل، محسن احسان، القلم اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء

(۵) ادبی تنازعات، (مرتبہ) پروفیسر رؤف امیر، حرف اکادمی، راولپنڈی، ۲۰۰۰ء

(۶) اردو نعت اور جدید اسالیب، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، ۲۰۰۵ء

(۷) اردو فکشن میں وقت کا تصور، ڈاکٹر ناہید قمر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

(۸) آدمی اور کتاب، ابوالخیر کشفی، سید، زین پبلی کیشنز کراچی، جون ۲۰۰۴ء

(۹) اردو نعت کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ، رشید وارثی، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، اپریل ۲۰۱۰ء

(۱۰) اشارات تنقید، سید عبداللہ، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۷۶ء

(۱۱) اردو شاعری پر ایک نظر (حصہ اول)، کلیم الدین احمد، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۸۳ء

(۱۲) امراؤ جان ادا (ناول)، مرزا ہادی رسوا، پاپولر پبلشنگ ہاؤس لاہور، ۱۹۹۷ء

(۱۳) افسانے کا منظرنامہ، مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، مکتبہ عالیہ، لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۹ء

(۱۴) ادب اور عصرِ حاضر (مرتبہ) ڈاکٹر سیال، نقش گر راولپنڈی، ۲۰۰۸ء

(۱۵) اسلوب، عابد علی عابد، سید، مجلس ترقی ادب، لاہور

(۱۶) اشارہ (شعری مجموعہ)، جنید آزر، بیلا پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۱۱ء

(۱۷) ایلیٹ کے مضامین، ٹی ایس ایلیٹ (مترجم) ڈاکٹر جمیل جالبی سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء

(۱۸) اردو ادب بیسویں صدی میں، خالد ندیم، پروفیسر، عبداللہ برادرز پبلشرز لاہور

(۱۹) انسان دوستی (نظریہ اردو تحریک)، صلاح الدین درویش، ڈاکٹر، پورب اکادمی، اسلام آباد ۲۰۰۷ء

(۲۰) بے ستون، عابد سیال، ڈاکٹر، Narratives (Pvt)Ltd، اسلام آباد، مارچ ۲۰۱۴ء

(۲۱) پچھلے پہر کا چاند، حسن نثار، بک ویگرن، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۸ء

(۲۲) تذکرہ نعت گویان (راولپنڈی اسلام آباد)، (مرتبہ) قمر رعینی، انجم پبلی کیشنز راولپنڈی

(۲۳) تاریخ ادبیات عالم (جلد دوم)، ایجوکیشنل پبلی کشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۵ء

(۲۴) تنقیدی دبستان، سلیم اختر، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

(۲۵) تنقید اور جدید اردو تنقید وزیر آغا، ڈاکٹر

Marfat.com

(۲۶) حفاظتِ حدیث، خالد علوی، ڈاکٹر، الفیصل پبلی کیشنز، لاہور، فروری ۲۰۰۸ء
(۲۷) تجربے سے کردار تک، (مرتبہ) آصف فرخی، فضلی سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ کراچی، ۱۹۹۹ء
(۲۸) حدیث شوق، رشید ساقی، پیپر کمیونیکیشن سسٹم، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
(۲۹) روح ایمان، منظر عارفی، جہانِ حمد پبلی کیشنز، اردو بازار کراچی، جنوری ۲۰۱۱ء
(۳۰) حدائق بخشش، مولانا احمد رضا خان
(۳۱) توشۂ ہلال، ہلال جعفری، (مرتب واہتمام، حافظ نور احمد قادری، اسلام آباد، مارچ ۲۰۰۶ء
(۳۲) خواب زار، شوکت مہدی، گولڈن بکس پبلشرز، راولپنڈی، مئی ۲۰۰۸ء
(۳۳) روحِ کونین (نعتیہ مجموعہ)، عثمان ناعم، راولپنڈی، ۲۰۰۰ء
(۳۴) دریاب، وفا چشتی، اسلام آباد، ۲۰۱۳
(۳۵) خوف کے آسمان تلے (افسانوی مجموعہ) مبین مرزا، اکادمی بازیافت، کراچی ۲۰۰۴ء
(۳۶) دیوان میر، میر تقی میر، خیام پبلشرز لاہور، فروری ۱۹۹۰ء
(۳۷) سرکار ﷺ کے قدموں میں، صبیح رحمانی، سید، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۲ء
(۳۸) ستیہ پال آنند کی تیس نظمیں بلراج کومل (مرتبہ)، بزم تخلیق ادب پاکستان، طبع دوم ۲۰۱۳
(۳۹) شہپر توفیق، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی ۲۰۰۹ء
(۴۰) کلیات اقبال، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۷ء
(۴۱) کلیات مظہر، حافظ مظہر الدین، ارفع پبلشرز لاہور، ۲۰۱۲ء
(۴۲) سلام رضا Salam-E-Raza، (مترجم) علامہ بشیر حسین ناظم، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا خان انٹرنیشنل، سلام آباد ۲۰۰۱ء
(۴۳) تعلیم وتدریس (مباحث ومسائل)، ڈاکٹر مشتاق الرحمان
(۴۴) تیسری دنیا کا افسانہ، مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر خالدین، لاہور، ۱۹۸۲ء
(۴۵) مدینے کے قریں (نعتیہ مجموعہ)، مسرور جالندھری، بزم شعروادب، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء
(۴۶) رنگِ نعت (مولفہ)، پروفیسر محمد فیروز شاہ، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، ستمبر ۲۰۰۶ء
(۴۷) مقدمہ شعروشاعری، الطاف حسین حالی، مولانا، خزینہ علم وادب، لاہور
(۴۸) مکہ مکرمہ کے چند تاریخی واقعات، (مرتبہ) امتیاز احمد، دارالسلام اسلام آباد، ۱۴۲۸ھ
(۴۹) معنی اور تناظر، وزیر آغا، ڈاکٹر، مکتبہ نردبان، سرگودھا، دسمبر ۱۹۹۸ء
(۵۰) میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت (نعتیہ مجموعہ)، سلیم کوثر، امیرہ پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۵ء
(۵۱) میثاق، سرشار صدیقی، حراء فاؤنڈیشن، کراچی، مئی ۲۰۰۲ء
(۵۲) متاعِ نور (نعتیہ مجموعہ) حافظ نور احمد قادری، بیلا پبلی کیشنز، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۱ء

Marfat.com

(۵۳) نگارِ گنبد خضرٰی، اکبر حجزئی، ناز کو آرٹ پرنٹرز راولپنڈی، ۲۰۰۴ء
(۵۴) نسبت، ابوالخیر کشفی، سید، اقلیم نعت کراچی، ۱۹۹۹ء
(۵۵) نئی تنقید، (مرتبہ) صدیق کلیم نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
(۵۶) ہمارے ادبی، لسانی اور تعلیمی مسائل، ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، زین پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۰۶ء
(۵۷) واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات (ایک تحقیقی جائزہ) دارلسلام اسلام آباد
(۵۸) وقت کا سفر، سٹیون ہاکنگ، مشعل لاہور ۱۹۹۸ء
(۵۹) کرم ونجات کا سلسلہ، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۰۵ء
(۶۰) مقامات، شرف الدین شامی، میٹرکس پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۲ء
(۶۱) نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، عزیز احسن، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۵ء
(۶۲) قرآن اور علم جدید، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، حیدر آباد، مارچ ۲۰۰۹ء
(۶۳) نعت اور تنقید نعت، سید ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، ۲۰۰۷ء
(۶۴) وطن سے وطن تک، ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، مجلس مطبوعات وتحقیقات، کراچی، ۱۹۸۹ء

English

1. Five approcehes of literary Criticism
2. English (9) Punjab C&T Board Lahore ,2014

جرائد و رسائل

(۱) ادبیات (نعت نمبر) اکادمی ادبیات اسلام آباد، جنوری تا جون ۲۰۱۴ء
(۲) نعت رنگ نمبر ۲۴، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، (مرتبہ) صبیح رحمانی، سید، ۲۰۱۴
(۳) نعت رنگ نمبر ۲۵، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، (مرتبہ) صبیح رحمانی، سید، ۲۰۱۵
(۴) جہان نعت (کراچی) مجلّہ (بہزاد لکھنوی نمبر)
(۵) فروغ نعت (سہ ماہی مجلّہ) اپریل تا جون ۲۰۱۵ء
(۶) نعت رنگ نمبر ۲۲، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، (مرتبہ) صبیح رحمانی، سید
(۷) سہ ماہی "رجحانات" جولائی تا ستمبر ۱۹۹۶ء
(۸) سہ ماہی "تشکیل" (حصہ سوم)، جلد ۴، (ادارت) احمد ہمیش، جنوری ۱۹۹۴، تا جون ۱۹۹۴ء
(۹)) فروغ نعت (مجلّہ) شاکر القادری (ادارت) شمارہ ۳ (گوشہ نذر صابری) جنوری تا مارچ ۲۰۱۴ء
(۱۰) مکالمہ اکادمی بازیافت (مرتب) مبین مرزا، جنوری ۲۰۱۴ تا جون ۲۰۱۵ کتابی سلسلہ نمبر ۲۱

☆☆☆

Marfat.com

نعت ریسرچ سینٹر کی مطبوعات

1- اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر		ڈاکٹر عاصی کرنالی	600/-
2- اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ		رشید وارثی	350/-
3- نعت میں کیسے کہوں	(تنقید)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	200/-
4- غالب اور ثنائے خواجہ	(تنقید)	صبیح رحمانی	200/-
5- نعت کی تخلیقی سچائیاں	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
6- ہنر نازک ہے	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
7- اردو نعت اور جدید اسالیب	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	120/-
8- نعت نگر کا باسی	(تنقید)	صبیح رحمانی	150/-
9- جادۂ رحمت کا مسافر	(تنقید)	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی	80/-
10- بہشت تضامین	(شعری مجموعہ)	حافظ عبدالغفار حافظ	250/-
11- خیر البشر	(میلاد نامہ)	نور بانو محجوب	200/-
12- نعت اور تنقید نعت	(تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
13- فنِ اداریہ نویسی اور "نعت رنگ"	(تنقید)	ڈاکٹر افضال احمد انور	200/-
14- "نعت رنگ" اہلِ علم کی نظر میں	(مضامین)	ڈاکٹر شبیر احمد قادری	300/-
15- فہرستِ کتب خانہ نعت ریسرچ سینٹر	(کتابیات)	محمد طاہر قریشی	300/-
16- زبورِ حرم	(کلیاتِ نعت)	اقبال عظیم	450/-
17- شہہ لولاک	(شعری مجموعہ)	امان خان دل	150/-
18- جادۂ رحمت	(انگریزی مجموعہ)	جسٹس منیر مغل	200/-
19- اشاریہ "نعت رنگ"	(بیس شمارے)	ڈاکٹر سہیل شفیق	300/-
20- سرکار کے قدموں میں	(انگریزی ترجمہ)	سارہ کاظمی	500/-
21- شہپرِ توفیق	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-
22- قوسین	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
23- نزول	(شعری مجموعہ)	شفیق الدین شارق	100/-
24- آنکھ بنی کشکول	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	100/-
25- آپ	(شعری مجموعہ)	حنیف اسعدی	150/-

Marfat.com

26- کرم ونجات کا سلسلہ	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
27- نعت اور سلام	(شعری مجموعہ)	وحیدہ نسیم	20/-
28- ممدوحِ خلائق	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
29- مرقعِ چہل حدیث	(مجموعۂ احادیث)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	300/-
30- نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش	(تنقید)	پروفیسر محمد اکرم رضا	250/-
31- نعت کے تنقیدی آفاق	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
32- مثنوی رموزِ بیخودی کا فنی و فکری جائزہ	(اقبالیات)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-
33- اُمیدِ طیبہ رسی	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
34- نعت شناسی	(تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
35- اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ	(تحقیقی مقالہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	700/-
36- پاکستان میں اردو نعت	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	300/-
37- نعت نامے بنام صبیح رحمانی	(مجموعۂ مکاتیب)	ڈاکٹر محمد سہیل شفیق	1000/-
38- نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	350/-
39- تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم	(سیرت)	ڈاکٹر عزیز احسن	52/-
40- دل جس سے زندہ ہے	(ظفر علی خان کی نعتیہ تب وتاب)	ڈاکٹر محمد اقبال جاوید	100/-
41- نعت رنگ کے پچیس شمارے	(ایک اجمالی تعارف)	ڈاکٹر شہزاد احمد	50/-
42- وفیات نعت گویانِ پاکستان		ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ	200/-
43- ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعات حمد و نعت		صبیح رحمانی	400/-
44- اُصول نعت گوئی		حلیم حاذق	200/-
45- نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات		کاشف عرفان	400/-
44- زمزمہ سلام		سیما منیر	ہدیۂ دُعا

زیرِ طبع کتب

1- کراچی کا دبستانِ نعت	(صاحب کتاب شعراء کا تذکرہ)	منظر عارفی
2- مدحت نامہ	(انتخابِ نعت)	صبیح رحمانی
3- اُردو نعت کی شعری روایت		صبیح رحمانی
4- کلامِ رضا کے فکری و فنی زاویے		صبیح رحمانی

Marfat.com

Marfat.com

ادب کی دوسری اصناف کی طرح نعت کا تنقیدی مطالعہ نقاد سے محض علمی وسعت اور تجزیاتی بصیرت ہی کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ اس کے لیے ایک خاص سطح کی کشادہ نظری اور فکری متانت بھی لازمی شرائط کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس لیے دیکھا گیا کہ کوئی بھی نقاد تنقیدِ نعت کے شعبے کی طرف اُس وقت تک نہیں آتا، جب تک یہ اُس کا داخلی مطالبہ نہیں بن جاتا اور اس مطالبے کی تکمیل اس کے لیے ایک روحانی داعیے کی صورت اختیار نہیں کرلیتی۔ تاہم اللہ ربّ العزت نے جس طرح دینِ حنیف کی پاس داری اپنے ذمے لی ہے، اسی طرح اپنے حبیب نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے چراغوں کی ضیا پاشی کا اہتمام بھی اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں، ایک طرف نعتوں کے گلاب کاشت کرنے والے آتے رہتے ہیں اور دوسری طرف اہلِ دانش کے اس قبیلے میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے رہتے ہیں جو ان گلابوں سے فکر و نظر کو معطر کرنے والا عطر کشید کرتے ہیں۔ کاشف عرفان اسی قبیلے کے فرد ہیں۔

قدرت نے کاشف عرفان کو توفیق ارزاں کی ہے، مطالعے کی لگن دی ہے اور نکتہ رس ذہن سے بھی نوازا ہے۔ چناں چہ ''نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات'' میں انھوں نے ایسے موضوعات پر خصوصیت کے ساتھ توجہ کی ہے جو ان معنوں میں نئے اور غور طلب ہیں کہ اُن کا ذکر ہماری تنقیدِ نعت میں اُس جامعیت کے ساتھ نہیں ہوا، جس کے وہ متقاضی ہیں۔ کاشف عرفان چوں کہ ادب کے دوسرے شعبوں سے بھی وابستگی رکھتے ہیں، اس لیے ان کے نعتیہ مطالعات میں موضوع کی وسعت اور اسلوب کی دل کشی دونوں ہی توجہ طلب ہیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے نعت کا مطالعہ جن نئے مباحث و نظریات کے سیاق میں کیا ہے، وہ بجائے خود لائقِ داد ہے۔ نعت کے حوالے سے یہ اُن کا پہلا کام ہے۔ اوّلین کاوشوں میں جذبہ بالعموم فکر پر سبقت لے جاتا ہے۔ تاہم کاشف عرفان نے جذبے سے اس طرح کام لیا ہے کہ وہ نقاد کی خوبی بن گیا ہے۔ یہ کتاب ایوانِ نقد و نظر میں ایک ذہین اور روشن مستقبل نقاد کی آمد کا پتا دیتی ہے۔

مبین مرزا

9 879698 918321

Marfat.com

ادب کی دوسری اصناف کی طرح نعت کا تنقیدی مطالعہ نقاد سے محض علمی وسعت اور تجزیاتی بصیرت ہی کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ اس کے لیے ایک خاص سطح کی کشادہ نظری اور فکری متانت بھی لازمی شرائط کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس لیے دیکھا گیا کہ کوئی بھی نقاد تنقیدِ نعت کے شعبے کی طرف اُس وقت تک نہیں آتا، جب تک یہ اُس کا داخلی مطالبہ نہیں بن جاتا اور اس مطالبے کی تکمیل اس کے لیے ایک روحانی داعیے کی صورت اختیار نہیں کر لیتی۔ تاہم اللہ ربّ العزت نے جس طرح دینِ حنیف کی پاس داری اپنے ذمے لی ہے، اسی طرح اپنے حبیب نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے چراغوں کی ضیا پاشی کا اہتمام بھی اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں، ایک طرف نعتوں کے گلاب کاشت کرنے والے آتے رہتے ہیں اور دوسری طرف اہلِ دانش کے اس قبیلے میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے رہتے ہیں جو ان گلابوں سے فکر و نظر کو معطر کرنے والا عطر کشید کرتے ہیں۔ کاشف عرفان اسی قبیلے کے فرد ہیں۔

قدرت نے کاشف عرفان کو توفیق ارزاں کی ہے، مطالعے کی لگن دی ہے اور نکتہ رس ذہن سے بھی نوازا ہے۔ چناں چہ ''نعت اور جدید تنقیدی رُجحانات'' میں انھوں نے ایسے موضوعات پر خصوصیت کے ساتھ توجہ کی ہے جو ان معنوں میں نئے اور غور طلب ہیں کہ اُن کا ذکر ہماری تنقیدِ نعت میں اُس جامعیت کے ساتھ نہیں ہوا، جس کے وہ متقاضی ہیں۔ کاشف عرفان چوں کہ ادب کے دوسرے شعبوں سے بھی وابستگی رکھتے ہیں، اس لیے ان کے نعتیہ مطالعات میں موضوع کی وسعت اور اسلوب کی دل کشی دونوں ہی توجہ طلب ہیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے نعت کا مطالعہ جن نئے مباحث و نظریات کے سیاق میں کیا ہے، وہ بجائے خود لائقِ داد ہے۔ نعت کے حوالے سے یہ اُن کا پہلا کام ہے۔ اوّلین کاوشوں میں جذبہ بالعموم فکر پر سبقت لے جاتا ہے۔ تاہم کاشف عرفان نے جذبے سے اس طرح کام لیا ہے کہ وہ نقاد کی خوبی بن گیا ہے۔ یہ کتاب ایوانِ نقد و نظر میں ایک ذہین اور روشن مستقبل نقاد کی آمد کا پتا دیتی ہے۔

مبین مرزا

9 879698 918321

Marfat.com